نمازِ پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں مسائلِ نماز کو قرآنِ مجید، احادیثِ مبارکہ اور آثارِ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مُدلّل کیا گیا ہے

تالیف: الشیخ محمد الیاس فیصل مدینہ منورہ

مکتبہ قاسمیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمازِ پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

اللّٰهُمَّ

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اللّٰهُمَّ

بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
صلوا کما رأیتمونی اصلی (البخاری)

نمازِ پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم

جس میں مسائلِ نماز کو قرآنِ مجید، احادیثِ مبارکہ
اور آثارِ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے مدلل کیا گیا ہے

تالیف

الشیخ محمد الیاس فیصل مدینہ منورہ

مکتبہ قاسمیہ
الفضل مارکیٹ ۱۷- اردو بازار لاہور
Ph: 042-37232536, 0321-4220554

نام .... نمازِ پیمبر ﷺ

مصنف .... الشیخ محمد الیاس فیصل مدینہ منورہ

اشاعت اول .... جون 2012ء

باہتمام .... حافظ فہیم الدین

ناشر .... مکتبہ قاسمیہ

قیمت ....

پیش لفظ

مسلمانان برصغیر کی اکثریت احناف اہل السنۃ والجماعۃ پر مشتمل ہے، امت کی اس عظیم طاقت اور وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے انگریز استعمار نے برصغیر میں اپنے بعض خطاب یافتہ، شمس العلماء، خاں بہادر نواب، نواب وقار نواز جنگ بہادر .... وغیرہ افراد کو استعمال کیا، جنہوں نے نماز کے بعض فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ احناف کی نماز امام ابوحنیفہ کے اقوال پر مبنی ہے اور دلائل حدیث سے ثابت نہیں، یا یہ کہ ان کے دلائل ضعف احادیث پر مشتمل ہیں .... نتیجۃً بعض لوگ اپنی کم عقلی یا کم مائیگی کی وجہ سے اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہونے لگے اور استعماری مفادات کی تکمیل کے لئے ایک نیا فرقہ معرض وجود میں آ گیا، صد افسوس کہ امت اسلامیہ کی بدلتی ہوئی عالمی صورتحال اور اس کے تقاضوں سے بے خبر اس نومولود فرقہ کی سرگرمیاں تاہنوز جاری ہیں جو ہر گلی محلہ میں ان فروعی اختلافات کو اجاگر کر کے امت میں تفریق وانتشار کی خلیج کو وسیع تر کر رہا ہے، اور ریت کے ڈھیر کے پیچھے بیٹھ کر آہنی دیواروں پر پتھر پھینک رہا ہے۔

اس پس منظر میں یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ احناف اہل السنۃ والجماعت کے دلائل کو ایک کتابی دستاویز کی صورت میں جمع کر دیا جائے تاکہ حنفی حضرات اس کو پڑھ کر ان کے منفی پروپیگنڈے سے محفوظ رہیں، نیز مخالفین کا یہ پروپیگنڈہ اگر کسی غلط فہمی اور اخلاص کی بناء پر ہے تو وہ بھی اپنی معلومات درست کر لیں اور امت مسلمہ کی حالت زار پر رحم کرتے ہوئے اس کا شیرازہ مزید بکھرنے سے رک جائیں۔ اس کتاب کی اشاعت کے پہلے دن سے ہم یہی آس لگائے بیٹھے ہیں مگر ع

اے بسا آرزو کہ خاک شد

کے مصداق ماحول گواہ ہے کہ اس نومولود استعماری فرقے کے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، جس سے واضح اشارہ ملتا ہے کہ ان کے اس تفریقی طرزِ عمل کے اصل محرکات کچھ اور ہیں اور ان کی ڈوری کہیں اور سے مل رہی ہے۔

اس سب کے باوجود ہم پرامید ہیں کہ اس گروہ میں اگر ایک شخص بھی مخلص اور حقیقت پسند ہوا تو وہ میدان میں اترے گا اور اپنے متعصب واعظوں اور کم علم اماموں کو مخاطب کر کے کہے گا:

تم نے باور کرایا تھا کہ ہم غیر مقلدوں کی نماز صحیح بخاری و صحیح مسلم سے ثابت ہے اور حنفیوں کے پاس امام ابوحنیفہ کے اقوال کے علاوہ کوئی دلیل نہیں، ہم کم علم تمہاری اندھی تقلید میں تم پر اعتماد کر بیٹھے لیکن جب نماز کے دلائل سے متعلق احناف کی کتابوں کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا تو ہماری آنکھیں کھل گئیں اور یقین ہو گیا کہ تم نے ہمیں اندھیرے میں رکھا۔ تمہارے بلند بانگ دعوؤں کی حقیقت سراب نکلی۔

الغرض کتاب "نماز پیمبر صلی اللہ علیہ وسلم" آپ کے سامنے ہے، جس کے مختلف ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو مزید عام کریں اور اس کے مؤلف و ناشر کو بہتر اجر عطا کریں۔

فقیر الی اللہ

محمد الیاس فیصل عفا اللہ عنہ

۱۰ ؍ صفر ۱۴۲۵ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ' ونصلی علی رسولہ الکریم

دیباچہ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نماز پیمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پہلے ایڈیشن کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی کہ مختلف طبقوں میں اس کے مفید اثرات مرتب ہوئے۔ چونکہ نماز کی ادائیگی کے وقت جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا مفہوم ذہن میں ہو تو نماز میں خشوع وخضوع کا پیدا ہونا ایک یقینی امر ہے جو کہ نماز کی روح ہے۔

نیز اس کتاب کو پڑھنے سے اہل سنت وجماعت کا یہ یقین مزید پختہ ہو گیا کہ ان کی نماز کا طریقہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے عین مطابق ہے۔

آج کل ایک ایسا گروہ بھی معرض وجود میں آ گیا ہے جن کے مذہبی افکار کا خلاصہ نماز کے چند اختلافی مسائل کو ہوا دینا ہے۔ ان کے ہاں سنت کا ایک نرالا معیار ہے کہ جو کام وہ خود کریں اسے سنت کا عنوان دیتے ہیں اور ہر اُس کام کو خلاف سنت گردانتے ہیں جس پر جمہور اہل اسلام عمل پیرا ہیں۔ ان میں اکثریتی طبقہ تو سادہ لوح اَن پڑھ عوام کا ہے جو اس انداز فکر کے حامل کسی بھی امام مسجد یا واعظ کے مقلد ہیں۔ جب کہ دوسرا طبقہ وہ ہے جو ابتدائی قسم کی سطحی معلومات رکھتا ہے اور بعض مصنفین وواعظین کی تقلید کی وجہ سے اس زعم میں مبتلا ہے کہ یہی طرز فکر حدیث سے ثابت ہے۔ ان میں تیسرا طبقہ اس مسلک کے ذمہ دار لوگوں پر مشتمل ہے جو اپنے مسلک کے بانی واکابرین کی تعلیمات اور ان کے وضع کردہ امتیازی اصولوں کو حرف آخر سمجھتا ہے اور اس ساری صورت حال کو عوام کی نظروں سے اوجھل رکھنے کے لئے یہ لوگ حدیث کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار کرتے ہیں اور یہ

تأثر دیتے ہیں کہ دوسرے تمام مسلمان حدیث پر عمل نہیں کرتے۔

اس صورت حال کے پیش نظر قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کی روشنی میں نماز کے اہم مسائل کو مرتب کردیا گیا تاکہ اس مغالطہ کا ازالہ ہوجائے۔ الحمدللہ کہ اول الذکر دونوں طبقوں پر اس کتاب کا مثبت اور مفید اثر ہوا۔ نیز انہیں اپنے موقف کی کمزوری کا احساس بھی ہوا۔

موجودہ ایڈیشن میں اس طرز فکر کے بانی وزعماء کی بعض تحقیقات بھی شامل کردی گئی ہیں تاکہ تیسرا طبقہ بھی ان حقائق کا بغور جائزہ لے اور امت اسلامیہ کو مزید منتشر ہونے سے بچانے کی فکر کرے اور اتحاد بین المسلمین کی مساعی میں شریک ہو۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت شامل حال ہوئی کہ یہ ایڈیشن مفید اضافوں اور نئی کتابت وطباعت کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ اس کتاب کا انفرادی مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ باجماعت نماز کے بعد چند احادیث کا سننا سنانا بھی بہت مفید رہے گا۔

آخر میں تمام مخلصین اور خصوصاً محترمی مولانا عبدالرؤف فاروقی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس ایڈیشن کی اشاعت میں دلچسپی لی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مزید نافع اور زادِ آخرت بنائے۔ آمین یارب العالمین۔

محمد الیاس فیصل

ریاض الجنۃ، مسجد نبویؐ

المدینۃ المنورۃ

۱۶ رجب ۱۴۰۵ھ

بروز جمعہ سات بجکر پینتیس منٹ

کچھ کتاب کے بارے میں

ضرورت کتاب

ایک عرصہ سے اردو زبان میں ایسی کتاب کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ جس میں مسنون نماز سے متعلقہ آیات واحادیث کو یکجا رجمع کردیا جائے تاکہ:

۱- عوام وخواص کے ذہن میں پیدا ہونے والے اور پیدا کئے جانے والے شبہات رفع ہوسکیں۔

۲- نماز کے اہم مسائل اور دلائل سے ہر نمازی واقف ہوسکے۔

۳- نماز کے ہر رکن کی ادائیگی کے وقت جب ذہن میں یہ تصور ہو کہ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ایسا کررہا ہوں تو خشوع وخضوع میں اضافہ ہوگا۔

انداز کتاب

کتاب کا انداز خالص علمی ہے، ہر مسئلہ کے ساتھ اس کی دلیل کا بھی ذکر ہے۔ کتاب کی ترتیب میں تفسیر وحدیث ودیگر علوم کی تقریباً ایک صد کتب سے مدد لی گئی ہے۔ بعض اختلافی مسائل کی تشریح وتوضیح اور دلائل کا موازنہ حاشیہ میں ذکر کردیا گیا ہے۔ حدیث کی کتاب کا حوالہ دیتے وقت صفحہ نمبر درج کرنے کے بجائے متعلقہ باب کا ذکر کیا گیا ہے تاکہ مختلف ایڈیشنوں میں بوقت رجوع آسانی ہو، عربی عبارات کا ترجمہ با محاورہ کیا گیا ہے۔ قاری کی آسانی کے لئے مضامین کے اصلی وفرعی عنوانات قائم کردیئے گئے ہیں اور ہر ہر پیراگراف کو نمبروار بیان کیا گیا ہے۔

مشمولات کتاب

کتاب کا آغاز پانی سے متعلقہ مسائل سے ہوتا ہے پھر وضو اور غسل کے مسائل، اوقات نماز، اذان، نماز کے اہم مسائل اور صلوات خمسہ کے علاوہ دیگر فرض کفایہ، مسنون ونفل نمازوں کا ذکر بھی آ گیا ہے۔اس طرح یہ کتاب اپنے موضوع میں کافی حد تک جامع ہے۔

احادیث کتاب سے متعلق

ایک تجزیہ - ایک تنبیہ

اس کتاب میں کل اکتیس[۳۱] قرآنی آیات اور تین سو دس[۳۱۰] احادیث و آثار وارد ہیں، جن میں سے ایک سو سینتالیس احادیث صحیح بخاری شریف و صحیح مسلم شریف کی ہیں، جب کہ اٹھاسی احادیث صحاح ستہ کی دوسری چار کتب (سنن ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ سے لی گئی ہیں اور باقی پچھتر (۷۵) احادیث دیگر معتبر کتب حدیث، موطا امام مالک، سنن بیہقی اور طحاوی وغیرہ) سے نقل کی گئی ہیں، گویا نصف سے کچھ کم احادیث تو صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ہیں، اور بقیہ احادیث کو نقل کرنے میں بھی صحت و ثبوت کا اہتمام کیا گیا ہے، بلکہ بیشتر احادیث کے ساتھ حضرات محدثین کا تبصرہ بھی نقل کر دیا گیا ہے، کہ یہ حدیث سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے۔ اس تحقیق و تجزیہ کا ایک فائدہ تو یہ ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے دوران احادیث کی صحت و ثبوت کے بارے میں قاری کا ذہن مطمئن ہوگا، دوسرا بعض لوگوں کی اس غلط فہمی کا مداوا بھی ہوگا جو انہوں نے احادیث نبویہ کے بارے میں پھیلا رکھی ہے کہ بلا تحقیق ہر اس حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں، جو ان کے مزعومہ موقف کے خلاف ہو۔

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ

فرض مسلم

ہر مسلمان کا فرض منصبی ہے کہ عقیدۂ توحید و رسالت کو صحیح معنی و مفہوم کے ساتھ اپنائے رہے۔ نیز زندگی کے تمام پہلوؤں سے متعلق اسلامی تعلیمات سیکھے اور اپنی زندگی کو اس نظامِ الٰہی کے مطابق گزارے، دوسروں کو اس کی دعوت دے، اور اس نظام کے عملی قیام اور غلبہ کے لئے انفرادی و اجتماعی کوشش کرتا رہے۔

زندگی کے رہنما اصول

یہاں یہ سوال ابھرتا ہے کہ مسلمان کی یہ پوری زندگی کن اصولوں کی پابند ہو۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

یا أیھا الذین آمنوا أطیعوا اللہ وأطیعوا الرسول وأولی الأمر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ إلی اللہ والرسول إن کنتم تؤمنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر وأحسن تاویلا. (النساء. ۵۹)

اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے اہل اختیار کی اطاعت کرو۔ پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو، اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی خوشتر ہے۔

اس آیت کے ذیل میں امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ "دین کی سمجھ رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ شریعت کی چار بنیادیں ہیں۔ نمبرا : قرآن کریم، نمبر۲: سنت مطہرہ، نمبر۳: اجماع، نمبر۴: قیاس، اطیعوا اللہ سے مراد قرآن کریم ہے۔ اطیعوا الرسول سے سنت مطہرہ مراد ہے۔ واولی الامر منکم سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے اور "فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول۔" سے معلوم ہوا کہ قیاس حجت شرعیہ ہے۔(۱)

علامہ ابن خلدون فرماتے ہیں

واتفق جمهور العلماء ان هذه هی اصول الادلة وان خالف بعضهم فی الاجماع والقياس الا انه شذوذ.(۲)

جمہور علماء اس بات پر متفق ہیں کہ بنیادی دلائل یہی چار ہیں گو کہ اجماع وقیاس میں بعض کو اختلاف ہے، لیکن اس اختلاف کی حیثیت شذوذ سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں

حضرات غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ تقلید شخصی کے عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں :

"عام رائے کے مطابق دین کے اصول چار ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع امت، قیاس مجتہد، سب سے مقدم قرآن شریف ہے پھر علی سبیل المراتب، قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے علم لغت قواعد، صرف ونحو وعلم معانی، بیان، اصول فقہ وغیرہ ذریعے ہیں۔ جو مسئلہ قرآن حدیث سے بطریق مذکورہ ہماری سمجھ ناقص میں نہ مل سکے۔ تو جس مسئلہ پر تمام امت کا اجماع ہوگا وہ قابل عمل ہے اور جو مسئلہ اس طرح بھی نہ مل سکے اس میں کسی مجتہد کا قیاس (بشرائط اصول فقہ جن کا ذکر آگے آتا ہے) قابل عمل ہوگا۔(۳)

ذیل میں اختصار کے ساتھ ہر ہر دلیل کی تشریح کی جاتی ہے۔

---

(۱) تفسیر کبیر، رازی، ج ۱۰۔ص ۱۴۳ تا ۱۴۷۔

(۲) ابن خلدون، مقدمہ۔ص ۴۰۳ طبع دار البیان۔

(۳) ثناء اللہ امرتسری۔ اہل حدیث کا مذہب۔ص ۵۴۔

۱۔قرآن

یہ وہ ضابطہ حیات ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی دنیوی واخروی کامیابی کے لئے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا۔ جن لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور اپنی انفرادی واجتماعی زندگی کو اس کے مطابق گزارا انہیں متقین کا لقب دیا گیا۔

ذلک الکتاب لاریب فیه هدی للمتقین. (البقرہ،۲)

یہ کتاب کہ جس میں کوئی شبہ نہیں۔ متقین کے لئے ہدایت ہے۔

مسلمان کی زندگی کے تمام معاملات میں قرآن کریم کو اولین اور بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ وما اختلفتم فیه من شیء فحکمه الی اللّٰه. (شوری، ۱۰)

اور جس چیز میں تم اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ ہی کے سپرد ہے۔

۲۔حدیث شریف

حدیث سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ومعمولات ہیں نیز حضرات صحابہؓ کے وہ اعمال جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہوئے ہوں اور آپ نے اس پر کسی قسم کا انکار نہ کیا ہو۔ اس مکمل مفہوم میں حدیث کا تعلق وحی الٰہی سے ہے۔

وما ینطق عن الهوی إن هو الا وحی یوحی. (النجم. ۳،۴)

اور وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں نہیں کرتے، ان کا تو تمام تر کلام وحی ہی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

وحی قرآن اور وحی حدیث میں یہ فرق ہے کہ قرآن کریم کے مفاہیم والفاظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں، جب کہ حدیث میں صرف مفہوم ومعنی کی وحی ہوتی تھی جس کا اظہار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ومعمولات سے ہوتا تھا۔ مختصر الفاظ میں قرآن کو وحی جلی اور حدیث کو وحی خفی کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں بعض مسائل کا ذکر تفصیلاً ہے۔ بعض کا اجمالاً اور بعض مسائل وضاحت سے بیان ہوئے ہیں جب کہ بعض کا ذکر اشارات میں ہوا ہے تو حدیث میں قرآنی علوم ومعارف کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وانزلنا إليک الذكر لتبين للناس ما نزل إليهم. (النحل. ۴۴)

اور ہم نے آپ پر یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تاکہ آپ لوگوں کو کھول کر ظاہر کردیں جو ان کے پاس بھیجا گیا ہے۔

قرآن کریم میں حدیث شریف کے دلیل و حجت ہونے کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ

وما اتكم الرسول فخذوه ومانهاكم عنه فانتهوا. (الحشر. ۷)

اور رسول جو کچھ تمہیں دے دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس سے وہ تمہیں روک دیں رک جایا کرو۔

الغرض معلوم ہوا کہ قرآن و سنت ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان قرآن کے ساتھ سنت کو بھی حجت و دلیل مانتا ہے کہ اسی عقیدہ میں اس کی ہدایت و نجات کا راز ہے اور قرآن و سنت میں سے کسی ایک کی صحت کا انکار گمراہی اور تباہی کا باعث ہے۔"

ارشاد نبوی ہے :

تركت فيكم امرين لن تضلوا بعدهما، كتاب الله وسنتي. (حاكم)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں جن کو تھامے رکھنے کے بعد تم کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب اور دوسری سنت۔

۳-اجماع

علماء و فقہاء امت کا کسی مسئلہ میں متفق ہونا اجماع کہلاتا ہے۔ واضح رہے اجماع کا مرتبہ قرآن و سنت کے بعد ہے۔ اجماع کا تعلق ایسے نئے مسائل سے ہے جن کے اصول و قواعد قرآن و سنت میں ذکر ہوں، لیکن تفصیلات اور کیفیت کا تعین نہ ہو یا پھر ایک ہی مسئلہ کی کیفیت میں مختلف قسم کے نصوص وارد ہوں اور ناسخ و منسوخ کا تعین نہ ہو تو شواہد و قرائن کی روشنی میں علماء امت ایک جانب کو متعین کردیتے ہیں، جیسے تکبیرات جنازہ کی تعداد میں اختلاف تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں چار تکبیروں پر حضرات صحابہؓ کا اجماع ہوگیا۔

"(الف) اجماع کی حجیت قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساء ت مصيرًا. (النساء، ۱۱۵)

اور جو کوئی بعد اس کے کہ اس پر ہدایت کی راہ کھل چکی ہے، رسول کی مخالفت کرے گا اور مومنین کے رستہ کے علاوہ کسی اور رستہ کی پیروی کرے گا، ہم اسے کرنے دیں گے جو کچھ وہ کرتا ہے اور پھر ہم اسے جہنم میں جھونکیں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

(ب) ارشادِ نبوی ہے :

عن ابن عمرؓ .... إن الله لا يجمع امتى على ضلالة ويد الله على الجماعة من شذ شُذ في النار. (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں ہونے دے گا اور اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے جو جماعت سے نکل گیا وہ جہنم میں ڈال دیا گیا۔

(ج) ابن قیم فرماتے ہیں :

ولم يزل ائمة الاسلام على تقديم الكتاب على السنة، والسنة على الاجماع، وجعل الاجماع في المرتبة الثالثة. (۱)

ہمیشہ سے تمام ائمہ اسلام کا یہی مذہب رہا ہے کہ قرآن کا درجہ سنت سے پہلے ہے اور سنت کا مقام اجماع پر مقدم ہے اور اجماع تیسرے نمبر پر ہے۔

(د) خود علامہ وحید الزماںؒ لکھتے ہیں :

والاجماع القطعي حجة ومنكره كافر. (۲)

کہ اجماع قطعی حجت اور دلیل ہے اور جو شخص اس کو حجت نہ مانے وہ کافر ہے۔

۴- قیاس (چوتھی بنیاد)

دو چیزوں میں ظاہری یا معنوی برابری کرنے کو قیاس کہتے ہیں۔ وہ یوں کہ ایک نیا مسئلہ یا اس کی کوئی نئی صورت و کیفیت پیدا ہو جائے جس کا ذکر قرآن و سنت میں نہیں

---

(۱) ابن قیم اعلام الموقعین۔ ج ۲۔ ص ۲۴۸ مطابع الاسلام مصر۔

(۲) وحید الزماں۔ نزول الابرار۔ ج ۱۔ ص ۶)

ہے۔ البتہ اس کے مشابہ ایک اور مسئلہ مذکور ہے، تو اس نئے مسئلہ کو اس سابقہ مسئلہ پر قیاس کر کے اس پر بھی وہی حکم لگائیں گے۔ جیسے کوئی نیا نشہ آور مشروب یا کھانا تیار کیا گیا ہو تو اس کا تذکرہ قرآن وسنت میں نہیں ملے گا۔ البتہ شراب کی حرمت قرآن وسنت میں موجود ہے، چونکہ شراب نشہ آور ہے لہٰذا یہ مشروب بھی حرام ہے چونکہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ گویا نئی نشہ آور چیز کو سابقہ نشہ آور چیز پر قیاس کر کے اس پر بھی وہی حکم لگا دیا گیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی نئے حکم کو ثابت کرنے کا نام قیاس نہیں بلکہ قرآن وسنت میں پہلے سے موجود حکم کو ظاہر کرنے کا نام قیاس ہے۔ حضرات فقہاءؒ کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ "قیاس مظہر حکم ہے مثبت حکم نہیں ہے۔"

۲- نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قیاس کا براہ راست تعلق قرآن وسنت سے ہے۔

۳- نیز معلوم ہوا کہ جو مسائل قرآن وسنت واجماع سے ثابت ہیں۔ ان میں قیاس نہیں چلتا۔

(الف) دلیل قرآنی

قرآن کریم میں قیاس کی طرف یوں اشارہ کیا گیا ہے کہ **فان تنازعتم فی شیء فردوہ إلی اللہ والرسول. الآیۃ. (النساء. ۵۹)**

پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی چیز میں تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا لیا کرو۔

اس کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ "اس سے مراد یہ ہے کہ نئے پیش آنے والے مسئلہ کو قرآن سے ثابت شدہ مسئلہ کی طرف لوٹانا، جب دونوں میں مناسبت ومشابہت ہو۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قیاس حجت شرعیہ ہے۔(۱)

(ب) دلیل نبوی

عہد نبوی میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ نے بوقت ضرورت قیاس کیا۔ اختصار کے پیش نظر ذیل میں ایک ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

۱- حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

---

(۱) رازیؒ۔ تفسیر کبیر ج۔۱۰۔ ص ۱۴۶۔

خدمت میں بنو خثعم کا ایک شخص آیا اور عرض کیا کہ ''میرا مسلمان باپ بوڑھا ہے، سفر کی طاقت نہیں رکھتا اور حج اس پر فرض ہو چکا ہے، تو کیا میں اس کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہوں؟ آپؐ نے پوچھا تم اولاد میں سب سے بڑے ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپؐ نے فرمایا، اگر تمہارے والد پر کوئی قرض ہوتا اور تم اس کو ادا کر دیتے تو کیا یہ قرض اس کی طرف سے ادا ہو جاتا؟ اس نے عرض کیا : جی ہاں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ پھر اس کی طرف سے حج بھی ادا کرلو۔ (نسائی)

(اس مثال میں آپ ﷺ نے حج بدل کی ادائیگی کو قرض کی ادائیگی پر قیاس کیا باہمی مشابہت کی وجہ سے)

۲- جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجنے لگے تو پوچھا: ''اگر کوئی فیصلہ کرنا پڑا تو کیسے کرو گے۔'' حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا۔

اگر کتاب اللہ میں نہ ملا تو پھر؟ سنت رسولؐ سے فیصلہ کروں گا۔

اگر سنت رسولؐ اللہ میں نہ ملا تو پھر؟ اپنی رائے کے ساتھ اجتہاد کر کے فیصلہ کروں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ترتیب اور اس جواب سے خوش ہو کر حضرت معاذؓ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا۔ ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے رسول اللہ کے نمائندہ کو ایسی چیز کی توفیق دی جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں۔ (ابوداؤد، ترمذی)

(ج) دلیل اجماعی

ابن قیمؒ فرماتے ہیں: الصحابة اول من قاسوا واجتهدوا فالصحابة رضی اللّٰه عنهم مثلوا الوقائع بنظائرها وشبهوها بامثالها وردوا بعضها إلى بعض فى احكامها وفتحوا للعلماء باب الاجتهاد ونهجوا لهم طريقه. (۱)

حضرات صحابہؓ نے سب سے پہلے قیاس اور اجتہاد کیا، ملتے جلتے واقعات کے حکم کو ایک دوسرے کی طرف لوٹا دیا اور علماء کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھول دیا اور اجتہاد کا طریق کار متعین کر دیا۔

---

(۱) ابن قیم، اعلام الموقعین ۔ ج ۱۔ ص ۲۱۷ مطابع الاسلام۔ مصر۔

گزشتہ سطور سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ قرآن کریم، سنت نبوی، اجماع امت اور قیاس فقیہ، بالترتیب دلائل شرعیہ ہیں۔ ان سب کے باوجود بعض معتزلہ، بعض شیعہ، بعض ظاہریہ (اور اس دور میں ان کے افکار کے علمبردار) قیاس کو دلیل نہیں مانتے۔ ابن خلدونؒ نے اس مسئلہ میں جمہور اہل اسلام سے علیحدہ راہ اختیار کرنے والے جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ یہی ہیں۔

(الف) علم فقہ کا تعارف: دلائل شرعیہ کے مختصر ذکر کے بعد

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ سطور میں علم فقہ کا مختصر تعارف کرا دیا جائے، نیز فقہ حنفی کا انداز ترتیب وتدوین، فقہ حنفی کے علمی ماخذ اور امام ابوحنیفہؒ کا بلند پایہ علمی مقام واضح کیا جائے۔ اس سے بہت سی غلط فہمیوں کو ختم کرنے میں مدد ملے گی چونکہ بعض سطحی علم اور ظاہری انداز فکر رکھنے والے لوگ مختلف غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔

گزشتہ صفحات سے معلوم ہو گیا کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک شرعی دلائل قرآن وسنت، اجماع وقیاس ہیں۔ مسلمان کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل واحکام کو انہی دلائل کی روشنی میں مرتب ومدون کر دیا گیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان دلائل کا ذکر بھی موجود ہے اس مرتب ومدون مجموعہ کا نام علم فقہ ہے۔ فقہ کی تعریف سے اس امر کا بخوبی اندازہ ہو سکے گا۔

الفقه علم بالاحكام الشرعية من ادلتها التفصيلية.

(فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت)

کہ دلائل تفصیلیہ (قرآن، سنت، اجماع، قیاس) سے مسائل شرعیہ کو جاننا فقہ ہے (اس تفصیل کے بعد یہ غلط فہمی رفع ہو گئی ہے کہ فقہ کوئی الگ اور زائد چیز ہے)

شاید یہی وجہ ہے کہ مشہور غیر مقلد عالم جناب وحید الزمانؒ نے علم فقہ کو تمام علوم سے افضل قرار دیا ہے۔ وہ اپنی فقہ کی مشہور کتاب نزول الابرار کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

وبعد فان اعلى العلوم قدراً واجلا عزاً وفخراً علم الفقه المستنبط من الكتاب والسنة فانه عن مكائد الشيطن جنة.(۱)

---

(۱) وحید الزماں۔ نزول الابرار۔ ج ۱۔ ص ۲۔

کہ علم فقہ تمام علوم میں اعلیٰ وارفع اور عظیم المرتبت علم ہے جو قرآن وسنت سے مستنبط وماخوذ ہے اس لئے کہ یہ علم شیطانی تدبیروں کے مقابلہ میں ڈھال کا کام دیتا ہے۔

(ب) فقہ حنفی کا انداز ترتیب وتدوین

امام ابوحنیفہؒ اور دیگر فقہاء حنفیہؒ نے فقہ کی تدوین میں جس سنہری ترتیب کو بطور اصول پیش نظر رکھا ہے اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ

''سب سے پہلے میں قرآن کریم کی طرف رجوع کرتا ہوں جو چیز قرآن کریم میں نہ ملے اس کو سنت سے اور ان آثار سے لیتا ہوں جو سند صحیح کے ساتھ منقول ہیں۔ اگر کتاب وسنت میں کوئی مسئلہ نہ ملے تو حضرات صحابہؓ کے اقوال کی طرف رجوع کرتا ہوں اور ان کے اقوال سے باہر نہیں جاتا، حضرات صحابہؓ کے بعد جب تابعین کی باری آتی ہے۔ تو مجھے بھی اختیار ہے کہ میں اجتہاد کروں۔

كتب ابو جعفر إلى ابى حنيفةؒ : ويقول بلغنى انک تقدم القياس على الحديث فرد عليه قائلاً ليس الامر كما بلغک يا امير المومنين انما أعمل اولاً بكتاب الله، ثم بسنة رسوله ثم باقضية الخلفاء الاربعة ثم باقضية بقية الصحابة. ثم أقيس بعد ذلک اذا اختلفوا.(١)

عباسی خلیفہ ابوجعفر نے امام ابوحنیفہؒ کو لکھا۔ ''مجھے اطلاع ملی ہے کہ آپ قیاس کو حدیث پر مقدم کرتے ہیں۔'' امام نے جواب میں لکھا۔ ''اے امیر المومنین آپ کو جو افواہ پہنچی ہے وہ حقیقت نہیں۔ میں اولاً کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں۔ پھر سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کرتا ہوں پھر خلفائے اربعہؓ کے فیصلوں کی طرف رجوع کرتا ہوں اگر پھر بھی مطلوبہ حکم نہ ملے تو بقیہ صحابہؓ کے فیصلوں کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اس کے بعد والے مرحلہ میں اگر اختلاف ہو تو پھر میں قیاس سے کام لیتا ہوں۔

اس قسم کے ایک اور پروپیگنڈہ کو رد کرتے ہوئے امام فرماتے ہیں۔

''كذب والله، وافترى علينا من يقول عنا إننا نقدم القياس على

---

(۱) الشعرانی۔ المیزان۔ ج۱۔ ص ۶۲۔ المطبعۃ الازہریۃ۔

النص وهل يحتاج بعد النص إلى قياس؟"(۱)

اللہ کی قسم وہ جھوٹ کہتا ہے اور ہم پر بہتان باندھتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ہم نص پر قیاس کو مقدم کرتے ہیں اور نص کے بعد پھر قیاس کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟

اس طرح امام ابوحنیفہؒ اوروں کو بھی اسی انداز کی دعوت دیتے ہیں اور کتاب وسنت کی موجودگی میں رائے زنی سے روکتے ہیں۔

وليس لاحد ان يقول برا يه مع كتاب الله ولا مع سنة رسوله ولا مع ما أجمع عليه اصحابه وأما ما اختلفوا فيه فنتخير من أقاويلهم أقربه إلى كتاب الله أو إلى السنة ونجتهد وما جاوز ذلك فالاجتهاد بالرأى لمن عرف الاختلاف وقاس.(۲)

کسی کو یہ حق نہیں کہ وہ کتاب اللہ، سنت رسولؐ اور اجماع صحابہؓ کی موجودگی میں اپنی رائے سے کوئی بات کہے، البتہ جب حضرات صحابہؓ سے مختلف اقوال منقول ہوں تو ہم وہ قول منتخب کرنے کی کوشش کریں گے جو قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہو اور ان کے علاوہ (تابعین کے) اختلاف کی صورت میں اجتہاد کیا جائے گا۔ جو اجتہاد کا اہل ہو۔

اس تفصیل سے فقہ حنفی کا انداز اور طریق کار بالکل واضح ہو گیا اور ان افواہوں کی حقیقت بھی سامنے آ گئی جو امت مسلمہ میں اختلاف وانتشار پیدا کرنے کے لئے پھیلائی گئی ہیں۔

فقہ حنفی کے علمی مآخذ

کوفہ میں پندرہ سو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تشریف لائے جن کے علوم کوفہ میں پھیلے۔ اس طرح کوفہ مرکز علوم کتاب وسنت بن گیا۔ ابن سعد نے طبقات میں جن مشہور حضرات صحابہؓ کے نام ذکر کئے ہیں۔ ان میں حضرات: علی رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعد بن زید رضی اللہ عنہ، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، ابوقتادہ رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ انصاری رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، براء

(۱) الشعرانی المیزان۔ ج۱۔ ص۶۱۔ المطبعۃ الازہریۃ۔
(۲) ابن حجر، الخیرات الحسان۔ دار الکتب العربیۃ۔

بن عازب رضی اللہ عنہ، زید بن ارقم رضی اللہ عنہ، وائل بن حجر رضی اللہ عنہ، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان سب حضرات کے علوم کوفہ اور گردونواح میں پھیلے جب کہ اہل کوفہ پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علمی رنگ خوب چڑھا۔ کوفہ کے سات بڑے علماء وفقہاء آپ ہی کے شاگرد ہیں۔ جن میں حضرت علقمہ بن قیس نخعیؒ المتوفی ۶۲ھ سب سے نمایاں ہیں۔ حضرت علقمہ کے بعد یہ علمی قیادت حضرت ابراہیم نخعیؒ کے سپرد ہوئی۔ جنہیں علماء وفقہاء کوفہ کی زبان کا لقب دیا گیا حضرت ابراہیم کے بعد حضرت حمادؒ اس منصب پر فائز ہوئے تا آنکہ ۱۵۰ھ میں امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علمی اسلوب کو عروج پر پہنچا دیا۔

کوفہ کے اہم علمی مرکز ہونے کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ امام حاکم نے اپنی کتاب "معرفۃ الحدیث" میں مشہور علماء تابعین وتبع تابعین کا ذکر کیا ہے، جو اس قابل ہیں کہ مشرق ومغرب سے آکر ان سے علوم حدیث کو پڑھا جائے۔ اس میں مدینہ منورہ کے ۴۰ مکۃ مکرمۃ کے ۲۱ اور کوفہ کے ۲۰۱ علماء کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

امام ابوحنیفہؒ کا علمی مقام

(الف) گزشتہ سطور سے کوفہ کی علمی مرکزیت واضح ہوئی، نیز کہ اس میں کس قدر جلیل القدر علماء موجود تھے، امام بخاریؒ کے استاد یحیٰ بن آدمؒ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ نے اپنے شہر کے علوم حدیث کا پورا ذخیرہ جمع کرلیا تھا اور اس میں آپ کی مخصوص توجہ ان احادیث کی طرف ہوتی تھی جن کا تعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری زندگی سے ہوتا۔ (۲)

(ب) خود امام ابویوسفؒ اپنا ذاتی تجربہ نقل کرتے ہیں کہ جب امام ابوحنیفہؒ کسی مسئلہ کا حکم بتادیتے تو میں کوفہ کے دیگر علماء کے پاس جاتا کہ اس حکم میں ان کے پاس کیا دلیل ہے؟ اگر دو تین حدیثیں مزید مل جاتیں اور حضرت امام کی خدمت میں عرض کرتا تو

---

(۱) محمد عوامۃ : اثر الحدیث الشریف۔ ص ۸۷۔ مطبعۃ محمد ہاشم

(۲) محمد عوامۃ : اثر الحدیث الشریف ص۔ ۸۶ تا ۸۸۔ مطبعۃ محمد ہاشم۔

آپ فرماتے کہ فلاں حدیث صحیح نہیں، فلاں حدیث غیر معروف ہے اور اس لئے میں نے ان کا ذکر نہیں کیا تھا۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا کہ آپ کو ان تفصیلات کا کیسے علم ہے، حالانکہ یہ تو آپ کے فتویٰ کی تائید میں ہیں؟ آپ فرماتے ہیں کہ اصل میں کوفہ کے علم کا مجموعہ میرے پاس ہے۔(۱)

(ج) امام ابوحنیفہؒ نے صرف اہل کوفہ کے علوم پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے علماء سے بھی استفادہ کیا۔ خصوصاً سفرہائے حج کے دوران، واضح رہے کہ آپ نے زندگی میں ۵۵ دفعہ حج کیا۔(۲)

(د) یہی وجہ ہے کہ علامہ صالحیؒ نے عقود الجمان میں اور ابن حجرؒ نے ''الخیرات الحسان'' میں ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ کو شمار کیا گیا تو ان کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی۔(۳)

علم حدیث میں امامؒ کے اس بلند پایہ مقام کے ذیل میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کی حقیقت بھی بیان کردی جائے کہ ''امام ابوحنیفہؒ کو سترہ احادیث یاد تھیں۔''

۱- جو شخص دیانت دارانہ طور پر امامؒ کی حیات اور ان کی تعلیمات کو پڑھے وہ اس شبہ کی کثافت کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہے۔

۲- امامؒ کے شاگردوں نے پندرہ مسانید مرتب کیے ہیں جن میں خاص طور پر امام صاحب کی مرویات جمع کی گئی ہیں۔ گو کہ اس مناسبت سے بعض دیگر حضرات کی مرویات بھی شامل کرلی گئی ہیں۔ پھر خوارزمیؒ نے ۶۶۵ھ میں ان تمام مسانید کو یکجا کر کے اس مجموعہ کا نام ''جامع المسانید'' رکھا اور وہ طبع شدہ ہے۔

۳- امامؒ کے اساتذہ کی تعداد ۴۰۰۰ چار ہزار ہے اگر ہر استاد سے ایک ایک حدیث بھی حاصل کی ہو تو آپ کی مرویات کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے۔(الزامی جواب)

---

(۱) اثر الحدیث الشریف۔ص ۸۸۔ مطبعۃ محمد ہاشم۔

(۲) محمد عوامۃ : اثر الحدیث الشریف۔ص ۸۵ تا ۸۹ مطبعۃ محمد ہاشم۔ سباعی : السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی۔ص ۴۱۳۔المکتب الاسلامی۔

(۳) محمد عوامۃ : اثر الحدیث الشریف۔ص ۸۵ تا ۸۹ مطبعۃ محمد ہاشم۔ سباعی : السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی۔ص ۴۱۳۔المکتب الاسلامی۔

۴- امام کے مجتہد ہونے پر امت کا اجماع ہے، یہ کیونکر ممکن ہے کہ علماء امت ایک ایسے شخص کو مجتہد مان لیں جس کا علمی سرمایہ ۱۷ احدیثیں ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ کی علمی و فقہی مجلس مشاورت

اس عظیم مجلس مشاورت تفصیلات ڈاکٹر سباعیؒ نے "السنۃ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی" میں ابوزہرہؒ نے کتاب "ابوحنیفہؒ" میں اورڈاکٹر مصطفیٰ نے "الائمۃ الاربعۃ" میں بیان کی ہیں، مختصراً یہ کہ امام ابوحنیفہؒ نے تدوین فقہ میں اپنے ذاتی علوم پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ چالیس چوٹی کے علماء پر مشتمل ایک مجلس قائم کی، جس میں ہر ہر مسئلہ پر تفصیلی گفتگو ہوتی اور پھر آخر میں جو حکم دلائل سے ثابت ہوجاتا اس کو لکھا جاتا۔ حتیٰ کہ کبھی ایک مسئلہ پر تین تین تک دن بحث و تمحیص ہوتی رہتی، نیز اس قدر احتیاط تھی کہ اگر ایک رکن بھی موجود نہ ہوتا تو اس کی انتظار کیا جاتا اور اس سے مشورہ کر کے مسئلہ کو آخری شکل دی جاتی اس مجلس میں اس دور کے بڑے بڑے مفسرین محدثین وفقہاء شامل تھے۔(۱)

آخر میں اس جملہ پر ہم اس موضوع کو مکمل کرتے ہیں کہ "جس فقہ حنفی کی بنیاد قرآن وسنت اجماع وقیاس ہوں، جس کی تدوین میں ایسے جلیل القدر علماء شامل ہوں۔ ہر ہر مسئلہ میں اس قدر غور وخوض واحتیاط سے کام لیا گیا ہو اور خیر القرون میں جس کی تدوین مکمل ہوئی ہو جسے اللہ رب العزت نے مشرق ومغرب، عرب وعجم میں شرف قبولیت سے نوازا ہو، وہ اپنی افادیت اور بقاء میں کسی تصدیق وتحسین کسی حمد وثناء کی محتاج نہیں اور نہ کسی کی تائید یا تردید ہی سے اس کے جمال میں فرق آئے گا۔

اجتہاد وتقلید

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی اختصار کے ساتھ اس اہم مسئلہ کی توضیح کردی جائے۔ سب سے پہلے اجتہاد کی تعریف، اجتہاد کی شرائط، تقلید کی تعریف، عوام کا مسئلہ؟ قرآن وسنت، اجماع امت، دلائل عقلیہ اور اسلاف امت کے ارشادات کی روشنی میں

---

(۱) ابوزہرہ "ابوحنیفہؒ" ص ۲۱۳۔ دارالفکر العربی۔ السباعی "السنۃ ومکانتھا" ص ۴۲۷۔ المکتب الاسلامی۔ الشکعۃ "الائمۃ الاربعۃ" ص ۶۵۔ دارالکتاب المصری۔

اس مسئلہ کا معتدل حل اور بصورت دیگر راہ اعتدال چھوڑنے کے مفاسد کا ذکر کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

اجتہاد کی تعریف

لغت میں اجتہاد کا مادہ "ج،ہ،د" ہے ج کے پیش اور زبر کے ساتھ طاقت کوشش اور محنت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

علامہ زبیدیؒ فرماتے ہیں۔

الاجتهاد بذل الوسع فی طلب الامر والمراد به رد القضية من طريق القياس الى الكتاب والسنة.(۱)

اجتہاد کہتے ہیں کہ کسی چیز کی تلاش میں اپنی پوری طاقت خرچ کرنا اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی مسئلہ کو قیاس کے واسطہ سے کتاب وسنت کی طرف لوٹانا۔

امام غزالیؒ اصطلاحی تعریف کرتے ہیں کہ

الاجتهاد بذل المجتهد وسعه فی طلب العلم باحكام الشريعة.(۲)

احکام شریعت کا علم حاصل کرنے کے لئے مجتہد کا اپنی توانائیوں کو صرف کرنا اجتہاد کہلاتا ہے۔

اجتہاد کی شرائط

اس موضوع پر بہت سے علماء واسلاف امت نے تفصیلاً بحث کی ہے۔ علامہ آمدیؒ نے احکام میں، امام غزالیؒ نے المستصفیٰ میں، ابن خلدونؒ نے مقدمہ میں شرائط اجتہاد کا ذکر کیا ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم پہلو ہے، جسے بعض لوگ نظر انداز کئے ہوئے ہیں، حالانکہ جس عالم وفقیہ میں اجتہاد کی تمام شرائط موجود ہوں وہی اس کا اہل ہے، جیسے کہ نماز کی شرائط میں سے ایک شرط باوضو ہونا ہے۔ اگر کوئی شخص بلا وضو نماز پڑھ لے تو ایسی نماز صحیح اور مقبول تو

---

(۱) الزبیدی تاج العروس۔ ج ۲۔ ص ۳۳۰۔
(۲) المستصفیٰ۔ ج ۲۔ ص ۳۷۸۔ مکتبۃ الجندی مصر۔

کجا، الٹا اس کی تباہی کا باعث ہوگی۔ یونہی معاملہ ہے اس شخص کا کہ جو اجتہاد کے سمندر میں تیرنا نہ جانتا ہو اور اس میں کود جائے۔

ذیل میں علامہ شوکانی کی بیان کردہ شرائط اجتہاد کو مختصراً نقل کیا جاتا ہے۔

شرط اول : مجتہد کے لئے ضروری ہے کہ علوم عربیہ صرف، نحو، بلاغت وغیرہ پر عبور رکھتا ہو، عربی زبان کے نشیب و فراز، اسلوب بیان سے واقف ہو، چونکہ قرآن وسنت جو کہ اجتہاد کی بنیاد ہیں عربی زبان میں ہیں۔ (ملخص)۔(۱)

شرط دوم : علوم القرآن میں مہارت رکھتا ہو، خصوصاً تفسیر منقول، اسباب نزول، علم ناسخ ومنسوخ سے بخوبی واقف ہو۔(۲)

شرط سوم : علوم حدیث پر دسترس ہو، علوم حدیث کی اصطلاحات، علم اسماء الرجال سے واقف ہو اور اپنے زمانہ کے وسائل کے مطابق اسے ان تمام احادیث کا علم ہو جو متعلقہ مسائل میں وارد ہوئی ہیں۔(۳)

شرط چہارم : جن مسائل پر علماء امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ان سے واقف ہو۔(۴)

اور یہ سب اس لئے کہ اگر اس کو یہی معلوم نہ ہو کہ کونسا حکم قرآن وسنت میں منصوص ہے کونسا نہیں؟ نیز کس کس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہے تو خطرہ ہے وہ منصوص اور متفقہ مسائل میں بھی اجتہاد کرنے لگے۔ حالانکہ اجتہاد کا تعلق صرف ایسے مسائل کے ساتھ ہے جو قرآن وسنت واجماع میں وضاحت وصراحت کے ساتھ مذکور نہ ہوں۔ علاوہ ازیں اگر وہ قرآن وسنت کا صحیح فہم نہیں رکھتا تو یقیناً اجتہاد میں غلطی کرے گا۔ کہیں ضعیف احادیث کو بنیاد بنائے گا تو کہیں منسوخ احکام پر فتویٰ دے گا۔

شرط پنجم : اجتہاد واستنباط کے اصول وقواعد جانتا ہو یعنی علم اصول فقہ کا ماہر ہو۔(۵)

---

(۱) شوکانی ارشاد الفحول۔ ص ۲۵۱۔ (المقصد السادس فی الاجتہاد)
(۲) شوکانی ارشاد الفحول۔ ص ۲۵۰۔ (۳) شوکانی ارشاد الفحول۔ ص ۲۵۱۔
(۴) شوکانی ارشاد الفحول۔ ص ۲۵۱۔
(۵) شوکانی ارشاد الفحول۔ ص ۲۵۲۔

امام غزالیؒ اور ابن خلدونؒ نے مجتہد کے لئے اس علم کی خصوصی اہمیت کا تذکرہ کیا ہے چونکہ اجتہاد واستنباط کے ساتھ اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔

شرط ششم : اجتہاد چونکہ علمی فقہی اور عقلی کاوش کا نام ہے لہٰذا ضروری ہے کہ مجتہد اعلیٰ درجہ کا ذہین اور عقلی وفکری صلاحیتوں کا مالک ہو، نیز متقی وپرہیزگار ہو کہ اس کے اجتہاد میں خواہش پرستی کا عمل دخل نہ ہو۔

تقلید کی تعریف

تقلید کی مختلف تعریفات کی جاتی ہیں کچھ تعریفات میں لغوی معنی کا غلبہ ہوتا ہے اور کچھ تعریفات میں مصنف کے ذاتی افکار کا دخل ہوتا ہے۔ حضرات مقلدین جس عقیدہ کے ساتھ مجتہد کی تقلید کرتے ہیں اس کی صحیح ترجمانی سید محمد موسیٰ کی تعریف سے ہوتی ہے۔

التقليد أن يعتمد الانسان فى فهم الحكم من الدليل على غيره لاعلى نفسه. (۱)

دوسرے شخص نے جو مسئلہ دلیل کے ساتھ سمجھا ہے۔ اس پر اعتماد کر کے اسے مان لینا اور خود یہ (اجتہادی) کاوش نہ کرنا۔

اس تعریف میں تقلید کا صحیح تصور پیش کیا گیا ہے کہ نمبر ۱، تقلید یقیناً کسی مجتہد کی ہوگی۔ نمبر ۲، اور صحیح مجتہد وہی ہے جو دلائل شرعیہ کی روشنی میں اجتہاد کرے۔ نمبر ۳، مقلد میں چونکہ اجتہاد کی شرائط نہیں لہٰذا وہ مجتہد کی تحقیق پر اعتماد کر لیتا ہے۔

عوام کو تقلید کا حکم

جو شخص عالم نہیں اسے چاہئے کہ عالم سے پوچھ لیا کرے، جو شخص مجتہد نہیں یقیناً اسے مجتہد سے پوچھ کر عمل کرنا چاہئے۔ ارشاد ربانی ہے۔

دلیل نمبر ۱ : **فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون. (النحل. ۴۳)**

اگر تم خود نہیں جانتے تو اُن لوگوں سے پوچھ لیا کرو جو جانتے ہیں۔

علامہ آمدیؒ الاحکام میں فرماتے ہیں : یہ خطاب ہر ہر مکلف کو ہے۔ لہٰذا جو چیز بھی کسی کو معلوم نہ ہو وہ دوسرے سے سوال کرے۔ (۲)

ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس آیت سے مراد عوام ہیں۔ (۳)

---

(۱) محمد موسیٰ الاجتہاد ص ۵٦۷۔ (۲) آمدی الاحکام ج ۳۔ ص ۱۹۸ دار الفکر۔

(۳) ابن عبدالبر جامع بیان العلم ج ۱۔ ص ۱۴۰۔

دلیل نمبر۲ : ارشادِ نبوی ہے : عن جابرؓ وفیه .... الاسألوا اذ لم یعلموا فإنما شفاء العی السؤال. (ابو داؤد)

دلیل نمبر۳ : اجماعِ اُمت

اس بات پر علماء امت کا اجماع بھی منعقد ہو چکا ہے کہ عوام اور ہر غیر مجتہد تقلید کرے۔

علامہؒ آمدی فرماتے ہیں کہ : "**العامی ومن لیس له اهلیة الاجتهاد وان كان محصلا بعض العلوم المعتبرة فی الاجتهاد، یلزمه اتباع قول المجتهدین والأخذ بفتواه عند المحققین الأصولیین، ومنع ذلک بعض المعتزلة البغدادیین، والمختار انما هو المذهب الأول ویدل علیه النص والاجماع والمعقول، .... أما الاجماع فهو أنه لم تزل العامة فی زمن الصحابة والتابعین قبل حدوث المخالفین یستفتون المجتهدین ویتبعونهم فی الاحکام الشرعیة والعلماء منهم یبادرون إلی اجابة سؤالهم من غیر إشارة الی ذکر الدلیل، ولا ینهونهم عن ذلک من غیر نکیر فکان اجماعاً علی جواز اتباع العامی للمجتهد مطلقاً.(۱)**

کہ عام آدمی اور ہر وہ شخص جس میں اجتہاد کی اہلیت نہیں گو کہ وہ اجتہاد سے متعلقہ بعض علوم کو جانتا بھی ہو، اس کو مجتہدین کی اتباع اور ان کے فتوی پر عمل کرنا لازم ہے محقق علماء اصول کا یہی نظریہ ہے۔ البتہ بغداد کے بعض معتزلہ ایسی تقلید سے روکتے ہیں۔ ان میں پہلا نظریہ صحیح ہے جو قرآن وسنت اجماع امت اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہے.....

اجماع امت یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ اور تابعین کے زمانہ میں عوام مجتہدین سے مسائل پوچھتے اور احکام شرعیہ میں ان کی پیروی کرتے اور علماء بلا تردد ان کے سوالات کا جواب دیتے اور عوام کو مسئلہ بتاتے وقت وہ دلیل کا ذکر ضروری نہ سمجھتے اور عوام کو اس انداز پر پوچھنے اور عمل کرنے سے نہ روکتے تھے، تو یہ اجماع ہے کہ بغیر کسی قید کے عوام مجتہد کی اتباع کر سکتے ہیں۔

---

(۱) ابن تیمیہؒ فتاویٰ۔ ج ۲۰۔ ص ۲۰۳۔ مکتبۃ المعارف المغرب۔

علامہ ابن تیمیہؒ کا ارشاد

والذی علیہ جماھیر الأمة أن الاجتھاد جائز فی الجملة والتقلید جائز فی الجملة لا یوجبون الاجتھاد علی کل احد ویحرمون الاجتھاد وإن الإجتھاد جائز للقادر علی الاجتھاد والتقلید جائز للعاجز عن الاجتھاد، فأما القادر علی الاجتھاد فھل یجوز له التقلید ھذا فیه خلاف والصحیح أنه یجوز حیث عجز عن الاجتھاد اما لتکافئو الادلة واما لضیق الوقت عن الاجتھاد او لعدم ظھور دلیل له، فإنه من حیث عجز سقط عنه وجوب ما عجز عنه وانتقل إلی بدله وھو التقلید کما لو عجز عن الطھارة بالماء.(۱)

جمہور علماء امت کا یہی مسلک ہے کہ اجتہاد اور تقلید اپنی اپنی جگہ جائز ہے ہر شخص پر اجتہاد واجب اور تقلید حرام نہیں، اور ہر شخص پر تقلید واجب اور اجتہاد حرام نہیں، بلکہ جو شخص اجتہاد کا اہل ہے اس کے لئے اجتہاد جائز ہے اور جو شخص اجتہاد کا اہل نہیں اس کے لئے تقلید جائز ہے اب یہ کہ جو شخص اجتہاد کا اہل ہے وہ تقلید کر سکتا ہے یا نہیں، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح مسلک یہی ہے کہ اس کے لئے بھی تقلید جائز ہے چونکہ عملاً اس نے اجتہاد نہیں کیا۔ یا تو اس لئے کہ متعلقہ مسئلہ میں وارد شدہ دلائل برابر ہیں یا قلت وقت کی وجہ سے وہ اجتہاد نہ کر سکا یا اس کو ایک مسئلہ میں خاص دلیل نہیں ملی۔ بہرحال جب وہ عملاً اجتہاد سے عاجز ہو تو جو چیز اس پر واجب تھی (اجتہاد) وہ ساقط ہو گئی اور اب وہ اس کے متبادل پر عمل کرے گا اور وہ تقلید ہے۔ جیسے کہ کوئی شخص پانی کے ساتھ وضو کرنے سے عاجز ہو جائے تو تیمم کرے۔

شاہ ولی اللہؒ کا ارشاد

حضرت شاہ صاحبؒ العقد الجید میں فرماتے ہیں کہ تقلید دو طرح کی ہے ایک واجب ہے اور دوسری حرام ہے۔

---

(۱) ابن تیمیہؒ فتاویٰ۔ج۲۰۔ص۲۰۳۔مکتبہ المعارف المغرب۔

تقلید واجب یہ ہے کہ جو شخص کتاب وسنت کے علوم سے واقف نہیں، وہ نہ تو خود مسائل کا حکم تلاش کرسکتا ہے اور نہ استنباط ہی کرسکتا ہے۔ ایسے شخص کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ کسی فقیہ سے پوچھ لے کہ اس مسئلہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا تعلیمات ہیں؟ اور پھر اس پر عمل کرے چاہے یہ مسئلہ کسی نص میں صراحۃً مذکور ہو، یا استنباط شدہ ہو، یا کسی منصوص حکم پر قیاس کیا گیا ہو۔ اس طرح درحقیقت وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر ہی عمل پیرا ہے اور اس کیفیت کے صحیح ہونے پر ہر ہر صدی کے علماء کا اتفاق ہے اور اس تقلید صحیح کی علامت یہ ہے کہ مجتہد کے قول پر عمل کرنا مشروط ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ سنت کے مطابق ہو۔ اس لئے اگر کہیں یہ مسئلہ سنت کے خلاف نکل جائے تو سنت پر عمل کیا جائے گا اور حضرات ائمہ نے اس کا حکم دیا ہے۔

اور تقلید حرام یہ ہے کہ مجتہد کو یہ سمجھنا کہ وہ ایسے مقام پر فائز ہے کہ غلطی کر ہی نہیں سکتا۔ حتی کہ اگر کوئی حدیث صحیح اس کے مخالف ہو تو پھر بھی مجتہد کی بات کو نہ چھوڑے۔(۱)

علامہ وحید الزماںؒ کا ارشاد

علامہ موصوف بھی عوام کے لئے نفس تقلید کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ ہاں اگر کسی مسئلہ میں نصوص کی مخالفت لازم آتی ہو تو ایسے موقع پر عمل نہ کرے۔ وہ لکھتے ہیں :

ولا بد للعامي من تقليد مجتهد أو مفتي.(۲)

کہ عام آدمی (غیر مجتہد) کے لئے کسی مجتہد یا بڑے عالم کی تقلید ضروری ہے۔

خلاصہ کلام

گزشتہ سطور میں دلائل شرعیہ کی روشنی میں اجتہاد و تقلید کی حقیقت واضح ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ :

۱۔ اجتہاد کرنا دلائل شریعت سے ثابت ہے۔
۲۔ جس شخص میں اجتہاد کی شرائط موجود ہوں وہی اجتہاد کا اہل ہے۔

---

(۱) شاہ ولی اللہؒ العقد الجید۔ ص ۴۲۔ المطبعۃ السلفیۃ قاہرہ
(۲) وحید الزمان۔ نزول الابرار۔ ج ۱۔ ص ۷۔

۳- جو شخص قران وسنت سے ناواقف ہے وہ لازماً مجتہدین پر اعتماد کر کے ان کی تقلید کرے۔

۴- جس نے اجتہاد سے متعلقہ کچھ علوم حاصل کیئے ہوں مگر مجتہد کی تمام شرائط اس میں نہ ہوں۔ وہ بھی لازماً مجتہدین کی تقلید کرے۔

۵- اگر کوئی شخص درجہ اجتہاد کو پہنچ بھی چکا ہو مگر اجتہاد نہ کر سکے تو اس کے لئے بھی تقلید جائز ہے۔

۶- عام علماء اور عوام کو مجتہدین کی تقلید سے روکنا معتزلہ کا مذہب ہے۔

۷- مجتہد پر اعتماد کر کے اس کی تقلید اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ جو کچھ بتاتا ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں بتاتا ہے۔

ترک تقلید اور اس کے علمبردار

گزشتہ صفحات میں دلائل کی روشنی سے واضح کر دیا گیا کہ جو شخص اجتہاد کا اہل ہے اس کے لئے اجتہاد کرنا جائز ہے اور جو اجتہاد کا اہل نہیں اس کے لئے تقلید واجب ہے۔ لیکن ان سب کے باوجود ایک طبقہ اس بات پر مصر ہے کہ جو شخص اجتہاد کا اہل نہیں ہے وہ بھی اجتہاد کرے اور تقلید حرام ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس نظریہ کی حقیقت اور اس کے مقاصد بیان کرنے سے پہلے اس کی تاریخ بیان کر دی جائے۔

۱- جمہور علماء امت کے مقابلہ میں معتزلہ اس نظریہ کے علمبردار تھے۔ (۱)

۲- ابن حزم ظاہری کا بھی یہی کہنا تھا کہ ہر عام وخاص اجتہاد کرے اور تقلید مطلقاً حرام ہے۔ (۲)

۳- پھر اس نظریہ کے علمبردار شوکانی اور صنعانی ہیں۔ (۳)

۴- ظاہریہ اور معتزلہ کے اس نظریے کے علمبردار ہندو پاک میں غیر مقلدین کے نام سے معروف ہیں۔

---

(۱) آمدی الاحکام۔ ج ۲۔ ص ۲۵۰۔ دار الفکر

(۲) ابن حزم الاحکام۔ ج ۶۔ ص ۱۲۶۔ مطبعۃ السعادۃ مصر۔

(۳) شوکانی القول المفید اور دیگر تالیفات

عدم تقلید اور اس کی حقیقت

شرائط اجتہاد کے بغیر کسی کا اجتہاد کرنا ایسا ہی ہے جیسے نماز کی شرائط پوری کیے بغیر بلا وضو نماز پڑھنا۔ اور اجتہاد کی اہلیت کے بغیر اجتہاد کرنے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جاہل کو وزیر تعلیم اور کسی ان پڑھ کو سپریم کورٹ کا جج بنا دینا۔ ایسا ہونا عملاً ناممکن ہے۔ اس لئے دیکھتے ہیں کہ دعوائے عدم تقلید کے باوجود ہر شخص مقلد ہے اور اپنے طبقہ کے عام علماء وائمہ مساجد کے اقوال کی تقلید کرتا ہے۔

اب اہل سنت والجماعت اور اس طبقہ کی تقلید میں فرق صرف یہ ہے کہ اہل سنت امام ابو حنیفہؒ اور اس پایہ کے علماء وفقہاء ومجتہدین کی تقلید کرتے ہیں، جن کے امام ومجتہد ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ جن کا تعلق خیر القرون سے ہے اور یہ لوگ ایسے علماء کی تقلید کرتے ہیں جن میں شرائط اجتہاد ہی پوری نہیں جس میں بنیادی غلطی یہ ہے کہ عام عالم اور امام مسجد جو اجتہاد کا اہل نہیں وہ اجتہاد کرتا ہے اور عوام بھی ایسے شخص کی تقلید کرتے ہیں نہ تو یہ اجتہاد صحیح ہے اور نہ ہی تقلید صحیح ہے۔ ایسے اجتہاد وتقلید کی بابت سید موسیٰؒ فرماتے ہیں۔

واما اعتماد الشخص على نفسه وفهمه من غير ان يكون أهلا للاجتهاد كما هو دأب بعض الناس اليوم، فاخذ بالتشهي واعتماد على الهوىٰ وليس بتقليد ولا اجتهاد.(۱)

جو شخص اجتہاد کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور اپنی ذات اور اپنی سمجھ پر اعتماد کر بیٹھے جیسے کہ آج کل بعض لوگ کرتے ہیں نہ تو یہ تقلید صحیح ہے نہ اجتہاد بلکہ یہ اپنی شہوت کی اتباع اور خواہش پرستی ہے۔ (۲)

عدم تقلید کے مفاسد

تاریخ کے ہر طالب علم پر یہ حقیقت واضح ہے کہ جس طبقہ نے بھی ''قرآن وسنت اجماع وقیاس'' کی بابت اہل سنت والجماعت کے منہج کو اختیار کرنے کے بجائے اپنی ذاتی

---

(۱) سید محمد موسیٰ الاجتہاد ص ۵۶۸ تا ۵۷۱۔

(۲) سید محمد موسیٰ الاجتہاد ص ۵۶۸ تا ۵۷۱۔

سوچ ذاتی عقل وفہم کو اپنا منہج بنایا ان سے مختلف فتنے نمودار ہوئے۔ اگر معتزلہ نے اپنی عقل پر زیادہ بھروسہ کیا تو کیسے کیسے فتنے نمودار ہوئے۔ اسی طرح اُسی منہج کو جب ہندوپاک میں اپنایا گیا تو حسب سابق اس تجربہ کے بھی وہی نتائج برآمد ہوئے جسے اس طبقہ فکر کے بانی مخلص زعماء نے محسوس کیا اور بروقت اس کی نشاندہی کردی۔ ذیل میں چند حضرات کے تجربات وارشادات کو نقل کیا جاتا ہے۔

۱-مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کا پچیس سالہ تجربہ (مشہور غیر مقلد عالم)

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق، اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر، ارتداد وفسق کے اسباب دنیا میں اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دیندار کے بے دین ہوجانے کے لئے بے علمی کے ساتھ ترک تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔ گروہ اہل حدیث جو بے علم یا کم علم ہوکر ترک تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خودمختار ہوتے جارہے ہیں۔ (۱)

نواب صدیق حسن خان رحمہ اللہ کا بے باک تجزیہ

ایک دفعہ امام غزالیؒ زائد بن احمد کی مجلس میں حاضر ہوئے تو یہ حدیث سنی۔

("من حسن اسلام المرء ترکه ما لا یعنیه") اور فرمایا کہ فی الحال یہی کافی ہے اس پر عمل کر کے مزید سنوں گا۔ نواب صدیق حسن خانؒ اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ تو عقل مند لوگوں کا حال تھا جب کہ آج کل جاہلوں کا ایک گروہ ہے۔ جس کی حدیث دانی کا بیشتر حصہ اس سے عبارت ہے کہ حضرات محدثین ومجتہدین کے اختلافی مسائل میں سے عبادات پر زیادہ زور دیتے ہیں، لیکن روزمرہ زندگی کے معاملات کو یکسر نظرانداز کئے ہوئے ہیں ان کی اتباع کا دارومدار ان اختلافی مسائل کو ہوا دینے پر ہے۔ اسی لئے یہ لوگ اہل حدیث کے اصل رستہ سے بھٹکے ہوئے ہیں انہیں معاملات سے متعلق احادیث کا کچھ فہم نہیں ہے۔ ان کی علمی استعداد کا یہ عالم ہے کہ قواعد حدیث کے مطابق وہ

---

(۱) محمد حسین بٹالوی، رسالہ اشاعت السنۃ نمبر ۲۔ جلد ۱۱، ۱۸۸۸ء

حدیث سے ایک مسئلہ کا استنباط بھی نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ان کو حدیث پر عمل کرنے کی توفیق نہیں ہوتی اور توفیق کیونکر ہو وہ شیطان کے مکر و فریب کے سبب حدیث پر عمل کرنے اور اس کی اتباع کے بجائے زبانی دعووں پر اکتفا کرتے ہیں (کہ ہم اہل حدیث ہیں) ان کے خیال میں دین کا خلاصہ یہی ہے گویا وہ مسلمانوں میں سے پیچھے رہ جانے والے طبقہ کے ساتھ رہ جانا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کو بارہا آزمایا ہے۔ ان کے ہر چھوٹے بڑے کا یہی وطیرہ ہے۔ میں نے ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ مخلص مسلمانوں کے رستہ پر چلتا ہو یا نیک لوگوں کی پیروی کا خواہاں ہو۔ بلکہ ان کو دیکھا ہے کہ کمینی دنیا کو جمع کرنے میں مگن ہیں۔ مال و جاہ کے لالچی ہیں۔ اس سلسلہ میں انہیں حلال و حرام کی بھی کوئی تمیز نہیں ہے۔ ان کا دل اسلام کی چاشنی سے محروم ہے۔ مسلمانوں کے مسائل و معاملات میں پتھر دل واقع ہوئے ہیں۔ جیسے کوئی کم عقل سرکش ہوتا ہے۔

املتهم ثم تاملتهم

فلاح فی ان لیس فیهم فلاح

میں نے ان سے بہت امیدیں وابستہ کی تھیں۔ پھر غور و خوض کے بعد واضح ہو گیا کہ ان میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

اور جس قوم کے قول و عمل میں تضاد ہو وہ کیونکر کامیاب ہو سکتی ہے۔ یہ مخلوق کی بہترین ہستی کی باتیں کرتے ہیں لیکن یہ خود مخلوق کے بدترین لوگ ہیں۔ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے تو ٹھیک جواب دیتے ہیں، لیکن جب خود انہیں وہ کام کرنے پر قدرت ہو جاتی ہے تو پھر کسی چیز کی پرواہ کئے بغیر دل کھول کر وہ کام کرتے ہیں۔

عجبت من شیخی ومن زهد

ومن ذکره النار و أهوالها

یکره أن یشرب فی فضة

ویسرق الفضة إن نالها

مجھے اپنے شیخ اس کے تقوے اور جہنم کی سختیوں کے تذکرہ پر تعجب ہوتا ہے وہ چاندی کے گلاس میں پانی پینے کو مکروہ گردانتا ہے لیکن موقع مل جائے تو چاندی کے اس برتن کو چوری کرنے سے بھی نہیں چوکتا۔

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کیسے اپنے آپ کو پکے موحد (توحیدی) کہتے ہیں اور دوسروں کو مشرک و بدعتی قرار دیتے ہیں۔ نیز یہ بہت متعصب ہیں اور دینی امور میں غلو سے کام لیتے ہیں ان کی ساری محنت اور وقت بے مقصد کاموں میں ضائع ہو رہا ہے۔ یہ خود تنگی میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی پریشان کر رکھا ہے۔ یہ اصول و قانون کو چھوڑ بیٹھے ہیں۔ لہٰذا صحیح بات قبول کرنے کی استعداد چھن گئی ہے۔ انہوں نے رسالت سے اعراض کیا ہے۔ لہٰذا گمراہی کے گہرے گڑھے میں جا گرے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کو دیکھنا ایسا ہی تکلیف دہ ہے جیسے آنکھ میں تنکا پڑ جائے یا گلے میں کانٹا پھنس جائے یا نفسیاتی تکلیف ہو یا روح بیمار ہو۔ گویا دل و دماغ کو کوفت ہوتی ہے ان سے انصاف کا سلوک کرو گے تو ان کی طبائع اس کو برداشت نہ کریں گی اور اگر ان سے انصاف کی امید رکھو تو یونہی ہے جیسے ثریا ستارہ کو ہاتھ لگانا۔ ان کے دل اُلٹے ہیں۔ ان کا مقصد ان کی نظروں سے اوجھل ہے، یہ خیالات کی دنیا میں رہتے ہیں اسی لئے محروم رہتے ہیں۔ یہ اپنی علمی گہرائی کے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ کثرت ہذیان کے سبب ان کے منہ سے جھاگ بہنے لگا ہے۔ بخدا ان کے پاؤں بھی علم کے قطرہ سے تر نہیں ہوئے، نہ ان کی عقل ہی اس سے صیقل ہوئی ہے نہ علم کی روشنی سے ان کی اندھیری راتیں منور ہوئی ہیں نہ علم کے نور سے ان کے دل ہی چمکے ہیں۔ کاپیوں کی پیشانی ان کے علمی رشد و ہدایت پر خوش ہونے کے بجائے ان کے قلم کی سیاہی سے روئی ہے۔ یہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ دین نہیں بلکہ زمین میں ایک بہت بڑا فتنہ و فساد ہے۔ اگر یہ لوگ اپنے قول و عمل میں مخلص ہوتے، انہیں علم نافع کی طلب ہوتی، اللہ کا ڈر اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حیا ہوتی تو دنیا کا میل کچیل جمع نہ کرتے اور نیکوں کا لبادہ اوڑھ کر ان کی جیسی شکل و صورت بنا کر ناواقف اور جاہل طبقہ کو اپنے دام میں نہ پھنساتے، مسلمانوں کا مال ناجائز طریقہ سے نہ کھاتے، دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دیتے، قرآن پر عمل کرنے کے بجائے محض اس کا نام لینے پر اور علم حدیث کی رسمی و سطحی حیثیت پر اکتفا نہ کرتے، اپنے قیمتی وقت اور صلاحیتوں کو نیک کاموں میں خرچ کرتے شب و روز دنیاداروں کی صحبت میں نہ گزارتے، زندگی کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا مرکز و محور نہ بناتے اور اگر تقریر و افتاء کے میدان میں اترتے تو اس کا حق ادا کرتے جیسا کہ ان سے پہلے کے اہل

حدیثوں اور موحدین نے اپنے زمانہ میں عملاً کر کے دکھایا ہے۔ لہٰذا صرف ایسے لوگوں کو قرآن وسنت کی اتباع اور اس کی طرف دعوت دینے کا حق حاصل تھا اور قرآن وحدیث بھی صرف ایسے لوگوں کے لئے آگ سے بچاؤ کا سامان ہے۔ نہ کہ ان جعلی لوگوں کے لئے جن کا قرآن وحدیث کے ساتھ تعلق صرف دعوے کی حد تک ہے اور ان کا کتاب وسنت والا نعرہ صرف ریا کاری ہے۔

نعوذ باللّٰه من أناس
تشيخوا قبل أن يشيخوا
إحدودبوا وانحنوا رياءً
فاحذرهم إنهم فخوخ

ہم ایسے لوگوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جو بوڑھے بزرگ ہونے سے پہلے ہی بتکلف اپنے آپ کو بوڑھا بنا رہے ہیں۔ وہ دوسروں کو اپنے بڑھاپے کا تاثر دینے کے لئے کبڑے ہو کر چلتے ہیں۔ ان لوگوں سے بچ کر رہنا ان کے کبڑے ہونے کی مثال ایسی ہے جیسے کنڈی کا سرا شکار پکڑنے کے لئے مڑا ہوا ہوتا ہے۔

خدا کی قسم جس کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری کا خوف ہے وہ اس قسم کی جرأت نہیں کرتا۔ واضح رہے کہ کوئی بھی منصف مزاج ان کے کردار کو اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین کے روپ میں دنیا جمع کرنے والوں کے شر سے محفوظ رکھے اور ہمیں مداہنت، منافقت اور جاہلوں کی صحبت سے بچائے رکھے۔(۱)

نوٹ : نماز پیمبر کی گزشتہ اشاعت میں نواب صاحبؒ کے اس تجزیہ کا خلاصہ پیش کیا گیا تھا، بعض مخلص غیر مقلد دوستوں کو خیال گزرا کہ شاید نواب صاحب کا اصل مضمون کچھ مختلف ہو، لہٰذا اب قائد وقوم کے باہمی تاثرات وتبصرہ کو حرف بحرف نقل کر دیا ہے۔ گویا ان مخلصین کے ارشاد کی تعمیل میں عربی تحریر کو اردو اسلوب میں منتقل کرنے کی جسارت کی ہے۔ معذرت خواہ ہوں، جن حضرات کو غیر مقلدین کے قریب بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے یا وہ ان کے لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں انہیں ان حقائق کے سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی۔

---

(۱) نواب صدیق حسن خاں بھوپالی الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ۔ ص ۱۵۲ تا ۱۵۵۔ اسلامی اکیڈمی۔ لاہور۔

۳-قاضی عبدالواحد صاحب خانپوریؒ (مشہور غیر مقلد عالم)

پس اس زمانے میں جھوٹے اہل حدیث مبتدعین مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء الرسول سے جاہل ہیں۔ وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوتے ہیں شیعہ وروافض کے۔ یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر ونفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ و زنادقہ کے تھے اسلام کی طرف اس طرح یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ زنادقہ منافقین کے بعینہٖ مثل شیعوں کے...... مقصود یہ ہے کہ رافضیوں میں ملاحدہ تشیع ظاہر کر کے حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی غلو کے ساتھ تعریف کر کے سلف کو ظالم کہہ کر گالی دے دیں۔ اور پھر جس قدر الحاد و زندقہ پھیلائیں کچھ پرواہ نہیں، اس طرح ان جہال بدعتی کاذب اہل حدیثوں میں ایک دفعہ رفع یدین کر کے تقلید کا رد کرے اور سلف کی ہتک کرے۔ مثل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جن کی امامت فی الفقہ اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے اور پھر جس قدر کفر بد اعتقادی اور الحاد اور زندیقیت ان میں پھیلا دے بڑی خوشی سے قبول کرتے ہیں اور ایک ذرہ چیں بجبیں بھی نہیں ہوتے۔ اگرچہ علماء اور فقہاء اہل سنت ہزار دفعہ ان کو متنبہ کریں۔ ہرگز نہیں سنتے۔ "سبحان اللہ ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ" اور سر اس کا یہ ہے کہ وہ مذہب وعقائد اہل السنۃ والجماعت سے نکل کر اتباع سلف سے مستنکف و مستکبر ہو گئے ہیں۔ (۱)

نوٹ : ان مشاہدات وتاثرات میں بعض سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جن سے ہمارا متفق ہونا ضروری نہیں۔ کمال امانت کی وجہ سے حرف بہ حرف نقل کر دیئے گئے ہیں۔

محمد شفیق اسعد
فاضل مدینہ یونیورسٹی
مدینہ منورۃ

---

(۱) قاضی عبدالواحد اظہار کفر ثناء اللہ بجمیع اصول آمنت باللہ۔ ص ۲۶۲۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين. والصلوة والسلام على رحمة للعالمين محمد عبدالله ورسوله، وعلى آله من اهل بيعه واصحابه ومن تبعهم إلى يوم الدين. اما بعد.

طہارت کا بیان

پانی یا مٹی کے ساتھ شرعی طریقہ پر صفائی و نظافت کو طہارت کہتے ہیں۔ جیسے : وضو، غسل، تیمم۔

پانی کی اقسام

پانی تین طرح کا ہوتا ہے۔

۱-عام پانی ۲-ناپاک پانی ۳-استعمال شدہ پانی

(ا) عام پانی اور اس کا حکم

اس سے مراد ہر وہ پانی ہے جس کی رنگت، ذائقہ اور بو طبعی حالت پر ہو۔ جیسے سمندر، دریا، نہر، چشمہ، کنوئیں اور بارش کا پانی۔ یہ پانی پاک ہے اور اس سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔

(الف) ارشاد ربانی ہے : "وينزل عليكم من السماء ماء ليطهر كم به"

(انفال. ١١)

اور اللہ تعالیٰ نے آسمان سے تم پر پانی اتارا ہے تا کہ اس کے ذریعے تمہیں پاک کردے۔

وأنزلنا من السماء ماء طهوراً. (فرقان. ۴۸)

اور ہم نے آسمان سے اتارا پانی، جس سے پاکی حاصل کی جاتی ہے۔

(ب) ارشاد نبوی ہے : "ھو الطھور ماء ہ ." (ترمذی)

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کی بابت پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "سمندر کا پانی پاک ہے۔"

(۲) ناپاک پانی

اس سے مراد وہ پانی ہے جو اپنی طبعی حالت پر نہ ہو، بلکہ اس کا رنگ، ذائقہ یا بو بدل گئی ہو اور اس پر علماء امت کا اجماع ہے۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں :

الإجماع على أن المغير بالنجاسة ريحاً أو لوناً أو طعماً نجس.

(نيل الأوطار. ج ا. ص ۳۵)

نجاست کی وجہ سے جس پانی کی بو، رنگ یا ذائقہ بدل جائے اس کے ناپاک ہونے پر امت کا اجماع ہے۔(۱)

(۳) استعمال شدہ پانی

یہ وہ پانی ہے جسے ایک دفعہ وضو یا غسل کے لئے استعمال کیا گیا ہو۔ یہ بذات خود پاک ہے لیکن اس سے دوبارہ پاکی حاصل نہیں ہوسکتی فقہاء کی اصطلاح میں اسے طاہر غیر مطہر کہتے ہیں۔

---

(۱) جب پانی زیادہ مقدار میں ہو، جیسے نہر، دریا، یا بڑا حوض تو وہاں یہ تبدیلی ہی بنیاد ٹھہرے گی، لیکن اگر پانی تھوڑی مقدار میں ہو۔ جیسے بالٹی، مٹکے وغیرہ کا پانی تو ذرا سی نجاست گرنے سے بھی ناپاک ہو جائے گا۔ گو کسی وصف میں تبدیلی نہ ہوئی ہو۔ ارشاد نبوی ہے۔

عن ابی ھریرة رضی الله عنه ان النبی صلی الله علیه وسلم قال إذا استيقظ أحدكم من نومه فلا يغمس يده فى الاناء حتى يغسلها فإنه لا يدرى اين باتت يده.

(مسلم. كراهية غمس المتوضى)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جب کوئی صبح کو بیدار ہو تو اپنا ہاتھ برتن میں ڈالنے سے پہلے تین دفعہ دھوئے چونکہ اسے معلوم نہیں کہ سوتے میں ہاتھ کہاں کہاں لگتا رہا۔

معلوم ہوا کہ تھوڑا پانی اس قدر معمولی نجاست سے بھی ناپاک ہو جاتا ہے جس کا ہاتھ پر لگا ہونا محتمل ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے پانی کا کوئی وصف نہیں بدلتا۔

(ج) عن أبی موسیٰ رضی الله عنه قال دعا النبی صلی الله علیه وسلم بقدح فیه ماء فغسل یده ووجهه فیه ومج فیه ثم قال لهما اشربا منه وافرغا علی وجوهکما ونحورکما.

(بخاری الغسل والوضوء فی المخضب)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ میں پانی منگوایا، اس میں اپنا دست مبارک اور چہرہ انور دھویا۔ اُسی میں کلی کی۔ پھر ان (ابوموسیٰؓ وبلالؓ) سے فرمایا کہ اس میں سے کچھ پی لو، اور باقی اپنے چہرہ اور گریبان پر بہالو۔

(د) عن ابی هریرة رضی اللّٰه عنه ان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال لا یغتسل أحدکم فی الماء الدائم وهو جنب. فقالوا یا أبا هریرة کیف یفعل؟ قال یتناوله تناولا. (مسلم النهی عن الاغتسال)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کوئی بھی شخص ٹھہرے پانی میں غسل جنابت نہ کرے۔

لوگوں نے پوچھا، ابوہریرہؓ پھر کیا کرے؟ فرمایا ''ضرورت کا پانی باہر نکال لے۔''

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ استعمال شدہ پانی پاک ہے، اس کو پینا، یا جسم پر بہانا درست ہے۔ جب کہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ استعمال شدہ پانی دوبارہ استعمال کے قابل نہیں رہتا۔ یعنی طاہر تو ہے مطہر نہیں۔

یہی مسلک ہے امام اعظم ابوحنیفہؒ، حسن بصریؒ، زہریؒ اور دیگر فقہاء امت کا۔

آداب استنجاء

(۱) بیت الخلاء میں ایسے اوراق وغیرہ نہ لے جائے جن میں اللہ کا نام یا متبرک کلام ہو۔

(۲) نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ صحرا میں ہو تو ساتھیوں سے دور چلا جائے آبادی میں ہو تو بیت الخلاء استعمال کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت کے لئے اتنی دور نکل جاتے کہ سب کی نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ (ابوداؤد: کتاب الطہارۃ)

(۳) بیت الخلاء میں بایاں پاؤں داخل کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھے۔

"بسم اللہ اللھم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ ﷺ بیت الخلاء جانے سے پہلے یہ دعا پڑھتے۔

(بخاری: مایقول عند الخلاء۔ (مسلم: مایقول اذا اراد الخلاء)

اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں۔ خبیث شیاطین اور خبیث عادات سے۔

بیت الخلاء سے نکلتے وقت دایاں پاؤں پہلے نکال کر کہے۔ غفرانک۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ بیت الخلاء سے نکل کر کہتے :

اے اللہ تیری مغفرت کا طالب ہوں۔ (ترمذی: مایقول اذا خرج)

(۴) غسل خانہ میں پیشاب نہ کرے۔ ہاں اگر غسل خانہ میں علیحدہ جگہ بنائی ہو تو ہرج نہیں، چونکہ اس میں وساوس کا اندیشہ نہیں رہتا۔

حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ہرگز تم میں سے کوئی بھی حمام میں پیشاب نہ کرے پھر اس میں وضو کرے چونکہ اکثر وساوس کا سبب یہی ہے۔ (ابوداؤد: البول فی المستحم)

(۵) ٹھہرے ہوئے یا جاری پانی میں پیشاب نہ کرے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹھہرے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔

(مسلم : النھی عن البول فی الماء۔ بخاری: الماء الدائم)

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جاری پانی میں پیشاب کرنے سے بھی منع فرمایا۔ (طبرانی)

(۶) راستہ میں یا سایہ والی جگہ میں پیشاب نہ کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ان دو جگہوں سے بچو جو لعنت کا سبب ہیں صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون سی ہیں؟ ارشاد فرمایا جو شخص رستہ یا سایہ میں رفع حاجت کرے۔

(مسلم: کراھۃ التبرز فی الطریق)

(۷) جانور کے بل میں پیشاب نہ کرے۔ مبادا کہ سوراخ میں موجود جانور کو تکلیف ہو تو وہ اس کو تکلیف دے۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا۔ (ابوداؤد: النھی عن البول فی الحجر)

(۸) اس حالت میں بات چیت نہ کرے حتیٰ کہ سلام کا جواب بھی نہ دے۔ اگر چھینک آئے تو الحمدللہ دل میں کہے۔ اگر دعا پڑھنا بھول جائے تو بھی دل میں پڑھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رفع حاجت میں تھے کہ ایک گزرنے والے نے سلام کیا۔ آپ ﷺ نے اس کا جواب نہ دیا۔

(حسن صحیح) (ترمذی : کراھیۃ رد السلام)

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب دو آدمی ستر کھولے رفع حاجت کی حالت میں باہم گفتگو کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر سخت ناراض ہوتے ہیں۔ (ابوداؤد: کراھیۃ الکلام)

معلوم ہوا کہ اس حالت میں گفتگو کرنا غضب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے، لہٰذا اس بری عادت سے بچنا چاہئے۔

(۹) اپنے جسم اور کپڑوں کو نجاست سے بچائے رکھے۔ چونکہ اس سے نہ بچنا عذاب قبر کا باعث ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں پر سے ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ یہ دونوں عذاب میں مبتلا ہیں اور عذاب کا سبب کوئی بڑی چیز نہیں۔ ان میں سے ایک چغل خور تھا جب کہ دوسرا پیشاب سے نہ بچتا تھا۔

(مسلم: الدلیل علی نجاسۃ البول)

حضرت عبدالرحمان سے روایت ہے کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے کہا گیا۔ تمہارے نبی ﷺ نے تو تمہیں ہر چیز کی تعلیم دی ہے حتیٰ کہ بول و براز کی بھی۔ حضرت سلمانؓ نے فرمایا، ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں رفع حاجت میں قبلہ کی طرف منہ یا پشت کرنے سے روکا ہے۔ دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے روکا ہے۔ تین ڈھیلوں سے

کم استعمال کرنے سے روکا ہے اور لید یا ہڈی کے ساتھ استنجا کرنے سے روکا ہے۔
(مسلم : الاستطابة)

(۱۰) قبلہ کا احترام کرے کہ اس حالت میں نہ تو اس طرف منہ کرے نہ پشت۔

(۱۱) استنجا بائیں ہاتھ سے کرے چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے ساتھ استنجا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

دایاں ہاتھ تو صاف ستھرے کاموں کے لئے ہے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ رفع حاجت کے وقت اپنے عضو کو دایاں ہاتھ نہ لگائے اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجا ہی کرے۔
(بخاری : لایمسک ذکرہ بیمینہ مسلم بحبہ للتیامن)

(۱۲) تین ڈھیلے استعمال کرے یا جن سے صفائی حاصل ہو سکے اور پھر پانی کو مزید نظافت کے لئے استعمال کرے۔

فیہ رجال یحبون ان یتطھروا واللہ یحب المطھرین.
(التوبہ. ۱۰۸)

اس بستی میں ایسے لوگ ہیں جو نظافت کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب صاف ستھرا رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے پوچھا کہ طہارت کی بابت تمہارا خاص عمل کیا ہے تو انہوں نے کہا ہم ڈھیلے کے بعد پانی استعمال کرتے ہیں۔

(۱۳) ہڈی اور گوبر لید وغیرہ کو صفائی کے لئے استعمال نہ کرے۔

(۱۴) بچہ کا پیشاب ناپاک ہے۔

دودھ پیتے بچہ کا پیشاب ناپاک ہے اور اس پر اسلاف امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے لہٰذا اس کو دھونا ضروری ہے۔

قال النووی : اعلم أن ھذا الخلاف إنما ھو فی کیفیة تطھیر الشیء الذی بال علیہ الصبی ولا خلاف فی نجاسته وقد نقل بعض اصحابنا اجماع العلماء علی نجاسة بول الصبیّ. (شرح مسلم للنووی : باب

حکم بول طفل الرضیع)

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ جس چیز پر بچہ نے پیشاب کیا ہے اس کو پاک کرنے کی کیفیت میں تو اختلاف واقع ہوا ہے، لیکن اس کے ناپاک ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں اور بعض علماء نے بچہ کے پیشاب کی نجاست پر اجماع امت نقل کیا ہے۔

(۱۵) اگر بچی کپڑے پر پیشاب کردے تو اس کو پاک کرنے کے لئے زیادہ اہتمام سے دھونا چاہئے جب کہ بچہ کے پیشاب کو دھونے میں اتنے زیادہ مبالغہ کی ضرورت نہیں۔

عن علی رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قال فی الرضیع یغسل بول الجاریۃ. وینضح(۱) بول الغلام.

(طحاوی : حکم بول الغلام والجاریۃ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیتے بچے کی بابت فرمایا۔ بچی کا پیشاب مبالغہ سے دھویا جائے گا اور بچہ کے پیشاب کو ہلکا سا دھونا کافی ہے۔

جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔ عن عائشۃ رضی اللّٰہ عنہا قالت اُتی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بصبی یرضع فبال فی حجرہٖ فدعا بماء فصبہ علیہ. (مسلم : حکم بول الطفل الرضیع)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دودھ پیتا بچہ لایا گیا جس نے آپ ﷺ کی گود میں پیشاب کردیا، آپؐ نے پانی منگوایا اور اس پر بہادیا۔

(۱۶) اس مسئلہ پر بھی علمائے امت کا اجماع ہے کہ جب بچہ کھانے پینے لگ جائے

---

(۱) بچہ کے پیشاب سے کپڑے کو پاک کرنے کے بارے میں جتنی روایات آئی ہیں ان میں مندرجہ ذیل الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ نمبر۱۔ فصبہ علیہ (پانی بہایا)۔ نمبر۲۔ فاتبعہ' بالماء۔ (پانی بہایا) نمبر۳۔ ینضح۔ نمبر۴۔ یرش۔ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ پانی بہانے کا لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے، جب اس چیز کو دھونے میں زیادہ مبالغہ نہ کیا ہو۔ اسی طرح احادیث میں ینضح

تو اس کے پیشاب کو بقیہ نجاستوں کی طرح اچھی طرح دھویا جائے۔

قال النووی : اما اذا اکل الطعام علی جهة التغذية فانه يجب الغسل بلا خلاف. (شرح مسلم)

کہ بچہ جب غذا کے طور پر کھانا کھانے لگ جائے تو اس کے پیشاب کو دھونا ہی واجب ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اور رش کے معنی بھی دھونا ہے۔

نمبر۳۔نضح، بمعنی دھونا عن اسماء قالت جاء ت امرأة إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت احد انا یصیب ثوبها من دم الحيضة كيف تصنع به۔

قال تحته، ثم تقرصه بالماء ثم تنضحه ثم تصلی فیه۔

(مسلم : باب نجاسة الدم و كيفية غسله)

(قال النوویؒ : تنضحه' ای تغسله)

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں نضح کے معنی ہے دھونا کہ جب ایک عورت نے حیض کے خون کی بابت پوچھا تو آپؐ نے اسے دھونے کا حکم دیا۔

قال ابن حجر والخطابی فی روایة اسماءؓ بان معنیٰ النضح الغسل۔

علامہ ابن حجر اور علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ حضرت اسماء والی روایت میں نضح کے معنی دھونا ہے۔

۴۔"رش "بمعنی دھونا۔

عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا ان امرأة سالت النبي صلی اللہ علیہ وسلم عن الثوب يصيبه الدم من الحيضة فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتيه، ثم اقرصيه بالماء، ثم رشيه وصلی فيه۔ (ترمذی، ما جاء فی غسل دم الحيض من الثوب)

قال المبار کفوری رحمہ اللہ : قرص کا معنی ہے انگلیوں سے کپڑے کو ملنا تا کہ وہ خون تحلیل ہو کر نکلنے کے قابل ہو جائے۔

ثم رشيه ای صبی الماء علیه۔

پھر اس پر رش کرے یعنی اس پر پانی بہائے۔ (تحفۃ الاحوذی۔ج ا۔ص ۴۲۴)

الغرض دودھ پیتے بچے کے پیشاب کو دھونا ضروری ہے اور بعض کا یہ کہنا کہ اس پر چھینٹے مار دینا کافی ہے، صحیح نہیں ہے۔ نیز یہ کہ پیشاب ناپاک ہے اور چھینٹے مارنے سے تو وہ کپڑے میں باقی رہے گا۔ وہ کپڑا جوں کا توں ناپاک رہے گا۔

غسل کا بیان

۲۳۔ غسل کا مسنون طریقہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غسل جنابت فرماتے تو ابتداءً ہاتھ دھوتے، پھر دائیں ہاتھ سے پانی ڈال کر بائیں ہاتھ سے مقام مخصوص کو دھوتے پھر وضو فرماتے، جیسے نماز کے لئے وضو کیا جاتا ہے پھر پانی ڈال کر انگلیوں سے بالوں کو جڑوں تک پہنچاتے۔ جب بال تر ہو جاتے تو پھر تین چلو پانی لیتے پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہاتے پھر پاؤں دھوتے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے، پھر انگلیوں سے بالوں کو جڑوں تک پانی پہنچاتے جب جلد تر ہو جاتی تو پھر جسم پر تین مرتبہ پانی بہاتے۔

(مسلم : صفۃ غسل الجنابۃ۔ بخاری : تخلیل الشعر)

(۲۴) فرائض غسل

۱۔ کلی کرنا۔ ۲۔ ناک میں پانی ڈالنا۔ ۳۔ سارے جسم پر ایک دفعہ پانی بہانا کہ ذرا سی جگہ بھی خشک نہ رہے۔ ارشاد ربانی ہے :

وان كنتم جنبا فاطهروا .... (المائدۃ. ٦)

اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو خوب اہتمام سے طہارت حاصل کرو، ارشاد نبوی ہے :

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے

غسل جنابت میں بال برابر جگہ بغیر دھوئے چھوڑ دی تو اس کے ساتھ آگ سے ایسا اور ایسا کیا جائے گا۔(ابوداؤد: الغسل من الجنابۃ)

(۲۵) جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے وہ یہ ہیں

۱-جماع۔ ۲-خروج منی۔ ۳-حیض۔ ۴-نفاس۔

(۲۶) جماع

جماع سے غسل واجب ہو جاتا ہے چاہے انزال ہو یا نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اذا جلس بین شعبها الاربعة ثم جهدها فقد وجب الغسل وفی روایة لمسلم وان لم ینزل.

(مسلم: بیان أن الغسل - بخاری : اذا التقی الختانان)

جب کوئی چار اعضاء کے درمیان بیٹھے اور کوشش کرے تو اس پر غسل واجب ہو گیا چاہے انزال نہ ہو۔

(۲۷) خروج منی

شہوت کی حالت میں تیزی کے ساتھ منی نکلنے (۱) سے غسل واجب ہو جاتا ہے، اس میں نیند اور بیداری کی دونوں حالتیں برابر ہیں۔ نیز مرد و عورت کا بھی ایک ہی حکم ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کی

---

(۱) منی، مذی اور ودی میں فرق:

منی : سفید گاڑھا لیسدار مادہ ہے جو بوقت شہوت دفق کے ساتھ خارج ہوتا ہے اس کے خروج کے بعد عضو میں سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے خروج سے غسل واجب ہوتا ہے۔

مذی : وہ بے رنگ لیسدار مادہ ہے جو لوازمات جماع کے وقت شہوت کی حالت میں بغیر دفق کے نکلتا ہے اور کبھی اس قطرہ کا خروج محض شہوانی خیال کی وجہ سے بھی ہو جاتا ہے اس کے بعد طبیعت میں کاہلی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کے خروج سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

ودی : سفید مادہ ہے جو گاڑھا ہونے میں منی کے مشابہ ہے۔ اس کا خروج کبھی پیشاب سے پہلے یا بعد ہوتا ہے۔ اس کے خروج سے صرف وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

بابت پوچھا تو آپؐ نے فرمایا۔ مذی نکلے تو وضو کافی ہے اور منی نکلے تو غسل کرنا ہوگا۔

(حسن صحیح)(ترمذی: ماجاء فی المنی والمذی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفت حیا حق بیان کرنے میں مانع نہیں ہوتی۔ تو کیا جب عورت کو احتلام ہو تو اس پر غسل واجب ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: ہاں غسل واجب ہوگا۔ جب وہ احتلام کے آثار دیکھے۔

(بخاری: اذا احتلمت۔ مسلم: وجوب الغسل علی المرأۃ)

احتلام کی تین صورتیں

(۲۸)(الف) واضح رہے کہ احتلام کے بعد خواب یاد ہو اور منی کے آثار بھی ہوں تو غسل واجب ہوگا اور اگر خواب یاد ہو منی کے آثار نہ ہوں تو غسل واجب نہ ہوگا اور اگر خواب یاد نہ ہو صرف منی کے آثار ہوں تو بھی غسل واجب ہوگا۔

(ب) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شخص کی بابت دریافت کیا جو کپڑوں کو بھیگا ہوا پائے، لیکن اس کو خواب یاد نہ ہو؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس پر غسل لازم ہے۔ نیز پوچھا کہ جس شخص نے خواب دیکھا ہو لیکن کپڑا خشک ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس پر غسل نہیں ہے۔

(ترمذی : فیمن یستیقظ فیری)

(۲۹)(الف) احادیث نبویہ کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ منی ایک ناپاک مادہ ہے۔ اگر کپڑے کو لگ جائے تو اس کا ازالہ ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

(ب) عن عمرو بن میمون قال سألت سلیمان بن یسار عن المنی یصیب ثوب الرجل أیغسله ام یغسل الثوب؟ فقال أخبرتنی عائشة رضی اللہ عنہا أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغسل المنی ثم یخرج إلی الصلوۃ فی ذلک الثوب وأنا انظر إلی اثر الغسل فیه.

(مسلم: باب حکم المنی)

وفی روایة قالت عائشةؓ کنت اغسله من ثوب رسول اللہ صلی اللہ

علیه وسلم فیخرج إلی الصلوة و اثر الغسل فی ثوبه بقع الماء.
(بخاری: باب غسل المنی وفرکہ)

حضرت عمرو بن میمون نے حضرت سلیمان بن یسار سے پوچھا کہ اگر منی کپڑے میں لگ جائے تو صرف ناپاک جگہ کو دھوئے یا کہ پورے کپڑے کو؟ حضرت سلیمان نے کہا کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منی کو دھوتے پھر اسی کپڑے میں نماز کے لئے تشریف لے جاتے اور کپڑے پر دھونے کا نشان مجھے نظر آ رہا ہوتا۔

ایک دوسری روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے منی کو دھوتی پھر آپ ﷺ نماز کے لئے تشریف لے جاتے اور کپڑے پر دھونے کا نشان ہوتا۔

(ج) اکثر صحابہؓ اور جمہور فقہاءؒ کا بھی یہی مسلک ہے کہ منی ناپاک ہے۔ حتی کہ علامہ شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ (فالصواب أن المنی نجس ویجوز تطهیره باحدی الأمور.) صحیح بات یہ ہے کہ منی ناپاک ہے اور کسی ایک طریقے سے اس کو پاک کرنا جائز ہے۔ (نیل الاوطار۔ ص ۶۷)

علامہ مبارک پوریؒ فرماتے ہیں : کلام الشوکانی هذا حسن جید کہ شوکانی کی بات بہتر ہے اور وزنی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی۔ ج ۱۔ ص ۳۷۵)

(۳۰) ازالہ منی کا طریقہ

اگر منی کسی ایسے کپڑے پر خشک ہو جائے کہ کھرچنے سے مکمل زائل ہو جائے تو صرف کھرچنا ہی کافی ہے اور اگر کپڑا گیلا ہو تو اس کو دھونا ضروری ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا یہی مسلک ہے اس سلسلہ میں جتنی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ اس سے ان سب پر عمل ہو جائے گا۔

قالت عائشة رضی الله عنها وانی لأحکه من ثوب رسول الله صلی الله علیه وسلم یابساً بظفری. (مسلم : باب حکم المنی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سے خشک منی کو کھرچ دیا کرتی تھی۔

قالت عائشة رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم

كان يغسل المنى ثم يخرج إلى الصلوة. (مسلم : باب حكم المنى)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منی کو دھو کر پھر نماز کے لئے جاتے۔

اور ایک دوسری روایت میں ان دونوں حالتوں کی وضاحت ہے۔

عن عائشة رضى الله عنها قالت كنت أفرك من ثوب رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا كان يابساً وأغسله اذا كان رطباً. (دارقطنى)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر منی اگر خشک ہوتی تو میں کھرچ دیتی اور اگر تر ہوتی تو میں دھو دیتی۔

واضح رہے کہ کھرچ کر زائل کرنے سے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ منی پاک ہے چونکہ علامہ مبارکپوریؒ فرماتے ہیں :

من قال بطهارة المنى مستدلاً برواية الفرك اجيب بان ذلك لا يدل على طهارة انما يدل على كيفية التطهير. (ملخص تحفة الاحوذى)

کہ کھرچنے والی روایت منی کی پاکی پر دلالت نہیں کرتی، بلکہ یہ تو خود اس کو پاک کرنے کی ایک کیفیت ہے۔

(۳۱) جب عورت ماہانہ ایام سے فارغ ہو تو غسل کرے اور پھر سے نمازیں شروع کر دے اس پر ایام حیض کی نمازوں کی قضا واجب نہیں۔

ولا تقربوهن حتى يطهرن فإذا تطهرن فاتوهن من حيث امركم الله.

(البقرة. ۲۲۲)

اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے قربت نہ کرو، پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ اللہ نے تمہیں اجازت دے رکھی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت فاطمہ بنت ابی جیشؓ کو استحاضہ کی بیماری تھی۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ تو رگ کا خون ہے حیض کا نہیں۔ البتہ جب حیض آئے تو نماز چھوڑ دو جب ختم ہو جائے تو غسل کر کے نماز پڑھو۔ (بخاری : اقبال الحیض)

(۳۲) ماہانہ ایام میں شرعی پابندیاں

حائضہ عورت اپنے ماہانہ ایام میں نماز روزہ چھوڑ دے۔ پاک ہونے کے بعد روزہ کی قضا کرے نماز کی قضا نہیں ہے۔ نیز اس حالت میں قرآن پاک پڑھنا۔ اس کو ہاتھ لگانا، مسجد میں داخل ہونا۔ طواف کعبہ کرنا منع ہے اور خاوند سے ہمبستری بھی جائز نہیں۔

حضرت معاذۃ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا۔ ”کیا سبب ہے کہ حائضہ عورت روزہ قضا کرتی ہے نماز نہیں۔“

(مسلم: وجوب قضاء الصوم لا الصلوۃ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ”کیا تم حروریہ ہو“؟ میں نے عرض کیا نہیں لیکن مسئلہ کی وضاحت چاہتی ہوں“۔ آپؓ نے فرمایا۔ ”جب ہماری یہ حالت ہوتی تو بس ہمیں روزہ کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا نماز کی قضا کا نہیں۔“

(۳۳) مستحاضہ عورت کا مسئلہ

جس عورت کے ایام دس سے متجاوز ہو جائیں تو اس کو چاہئے کہ وہ دس دن کے بعد غسل کر کے نماز شروع کر دے۔ پھر ہر نماز کے لئے وضو کر لیا کرے۔ بار بار غسل کی ضرورت نہیں۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت جاء ت فاطمة ابنة ابي جبش إلى النبي صلى الله عليه وسلم فقالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم إني امرأة استحاض فلا اطهر أفادع الصلوة؟ قال لا انما ذلك عرق وليست بالحيضة فإذا أقبلت الحيضة فدعي الصلوة وإذا أدبرت فاغسلي عنك الدم وصلي قال أبو معاوية في حديثه وقال توضأي لكل صلوة حتى يجيء ذالك الوقت. (ترمذی باب المستحاضه)

وفي البخاري ثم توضأي لكل صلوة حتى يجيء ذالك الوقت.

(بخاری: باب غسل الدم)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ”فاطمہ بنت ابی جبیشؓ آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مستحاضہ عورت ہوں کبھی اس سے پاک نہیں ہوتی کیا نماز چھوڑ

دوں؟ آپؐ نے فرمایا ’’نہیں چونکہ یہ رگ کا خون ہے حیض کا نہیں، لہٰذا صرف ایام حیض میں نماز چھوڑو بعد ازاں غسل کر کے نماز شروع کر دو اور ہر نماز کے لئے وضو کر لیا کرو۔‘‘

(۴۴) نفاس

وضع حمل کے بعد جتنے دن خون آئے وہ نفاس کے ایام شمار ہوں گے۔ اس دوران عورت پر ایام حیض والی پابندیاں عائد رہیں گی۔ واضح رہے کہ نفاس کی کم از کم مدت کا تعین مشکل ہے۔ لہٰذا جونہی خون آنا بند ہو جائے تو غسل کر کے نماز وغیرہ شروع کر دے۔ البتہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔ جب کہ چالیس دن تک خون آتا رہے۔ اگر اس کے بعد بھی خون آئے تو وہ نفاس کا نہیں بلکہ کسی اور عارضہ کی وجہ سے ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عہد نبوی میں نفاس والی عورتیں چالیس دن تک شرعی پابندیوں سے مستثنیٰ رہتیں اور ہم اپنے چہروں پر زرد بوٹی ملا کرتی تھیں۔

(ترمذی: کم تمکث النفساء)

امت کا اجماع

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے بعد تمام علماء کا اجماع ہے کہ نفاس والی عورتیں چالیس دن کی نماز چھوڑ دیں گی۔ البتہ جو عورت اس مدت سے پہلے ہی طہر محسوس کرے وہ غسل کر کے نماز شروع کر دے۔

(ترمذی: باب کم تمکث النفساء)

وضو کا بیان

(۳۵) وضو کی فضیلت واہمیت

(الف) شریعت اسلامیہ کا ہر ہر عمل اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ وضو کی اہمیت کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ وضو کئے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی، بلکہ ایسا کرنے والا گنہگار ہوتا ہے اور وضو کی فضیلت کے لئے اتنا کافی ہے کہ نمازی کے اعضائے وضو قیامت کے دن چمک رہے ہوں گے۔

(ب) حضرت مصعب بن سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت کے مال میں سے صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ (مسلم: وجوب الطہارۃ)

(ج) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں کہ "بے وضو کی نماز قبول نہیں ہوتی تا آنکہ وہ وضو کرے۔" (بخاری: لاتقبل صلوٰۃ بغیر طہور)

(د)۔ حضرت نعیم مجمر کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مسجد کی چھت پر چڑھا آپؓ نے وضو کر کے فرمایا: کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ قیامت کے دن میری امت اس حال میں بلائی جائے گی کہ اس کے اعضاء وضو روشن چمکدار ہوں گے۔ لہٰذا تم میں سے جو بھی اپنی اس چمکدار جگہ کو مزید لمبا کرنا چاہے کر لے۔ (کہ اعضائے وضو کو مقررہ مقام سے آگے تک دھوئے)

(بخاری: فضل الوضوء) (مسلم: استحباب إطالۃ الغرۃ)

(۳۶) فرائض وضو

۱- پیشانی سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک دھونا۔ ۲- کہنیوں سمیت ہاتھوں کو دھونا۔ ۳- سر کا مسح کرنا۔ ۴- ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا۔

وضو کرتے وقت ان چار فرائض کا اہتمام ضروری ہے ورنہ وضو نہیں ہوگا۔

ارشاد ربانی ہے:

يا ايها الذين امنوا اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم وأيديكم

إلى المرافق وامسحوا برؤسكم وأرجلكم إلى الكعبين. (المائدہ۔٦)

سنن وضو

(۳۷) تسمیہ : وضو کرنے سے پہلے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" پڑھنی چاہئے۔

(۳۸)(الف) مسواک کرنا :

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "اگر مجھے امت کے مشقت میں پڑ جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں ضرور انہیں حکم دیتا کہ ہر نماز کے وقت مسواک کیا کریں۔ (مسلم: باب السواک)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مسواک منہ کو پاک صاف کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا سبب ہے۔ (نسائی: الترغیب فی السواک)

(ب) روزہ کی حالت میں مسواک کرنا سنت ہے۔ عن عامر بن ربيعةؓ قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم مالا احصى يتسوك وهو صائم.

(حسن، ترمذی: ماجاء فی السواک للصائم)

حضرت عمرو بن ربیعہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بے شمار دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روزہ کی حالت میں مسواک کرتے دیکھا۔

(۳۹) تین بار ہاتھ دھونا۔

(جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو سنت نبویہ کے مطابق وضو کر کے دکھلایا تو آپؓ نے شروع میں تین مرتبہ ہاتھوں کو دھویا۔ (مسلم: صفۃ الوضوء)

(۴۰) تین دفعہ کلی کرنا۔ "ثم مضمض" (مسلم)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کلی کی۔

(۴۱) تین دفعہ ناک صاف کرنا۔ "واستنثر" (مسلم)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ناک صاف کی۔

(۴۲) اعضاء وضو کو تین تین دفعہ دھونا۔

ثم غسل وجهه ثلاث مرات ثم غسل يده اليمنىٰ إلى المرفق ثلاث مرات ثم غسل يده اليسرى ثم مسح رأسه ثم غسل رجله اليمنى إلى

الکعبین ثلاث مرات ثم غسل الیسری مثل ذلک.

(مسلم: صفة الوضوء)

پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چہرہ اور دائیں بائیں ہاتھ کو کہنیوں تک تین تین دفعہ دھویا پھر سر کا مسح کر کے دائیں بائیں پاؤں کو تین دفعہ دھویا۔

(۴۳) داڑھی کا خلال کرنا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کا خلال کیا کرتے تھے۔ (حسن صحیح، ترمذی: ماجاء فی تخلیل اللحیة)

(۴۴) انگلیوں کا خلال کرنا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم وضو کرو تو ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کا خلال کر لیا کرو۔"

(حسن صحیح ترمذی: جاء فی تخلیل الأصابع)

(۴۵) دائیں اعضاء کو پہلے دھونا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپؐ جوتا پہننے، کنگھی کرنے، وضو، غسل اور دیگر تمام معاملات میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے۔ (بخاری: التیمن فی الوضوء۔ مسلم یحبہ للتیامن)

(۴۶) اعضاء کو مل کر اہتمام سے دھونا۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اعضاء کو ملتے ہوئے فرمانے لگے "اس طرح" کرنا چاہئے۔

(۴۷) ترتیب سے اور پے در پے وضو کرنا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا مسلسل عمل اس کی واضح دلیل ہے۔

(۴۸) کانوں کا مسح: سر کا مسح کر لینے کے بعد اسی پانی سے کانوں کا مسح کرنا۔ کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینے کی ضرورت نہیں، چونکہ کان بھی تو سر کا ایک جزو ہیں۔ جیسا کہ عمل نبوی اور ارشاد نبوی سے معلوم ہوتا ہے۔

عن الربیع انها رأت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ قالت مسح

راسه ومسح ما اقبل منه وما ادبر وصدغيه واذنيه مرة واحدة

(حسن صحيح. ترمذى : ان المسح مرة)

حضرت ربیعؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتی ہیں کہ آپ سر کے اگلے پچھلے حصہ اور کانوں کا مسح ایک ہی دفعہ کرتے۔

ارشاد نبوی ہے : "الاذنان من الرأس."

(حسن، ترمذی۔ ما جاء أن الاذنين من الرأس)

کہ "کان سر کا حصہ ہیں۔"

(۴۹) گردن کا مسح کرنا : سر اور کانوں کا مسح کر لینے کے بعد اسی پانی سے گردن کا مسح کرنا۔

عن موسى بن طلحة قال من مسح قفاه وقى الغل يوم القيامة. قال ابن حجر هذا وان كان موقوفاً فله حكم الرفع لان هذا لا يقال من قبل الراى. (التلخيص الحبير. ج ١. ص ٩٢)

حضرت موسیٰ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے گردن سمیت سر کا مسح کیا وہ قیامت کے دن گردن میں بیڑیاں پہنانے سے بچ گیا۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ موقوف حدیث مرفوع حدیث کے حکم میں ہے۔ چونکہ ظاہر ہے کہ ایسی بات اپنی طرف سے تو نہیں کہی جا سکتی۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ، ابن سید الناس رحمہ اللہ، شوکانی رحمہ اللہ کا میلان بھی اس طرف ہے۔ (نیل الاوطار۔ ج ا۔ ص ۲۰۴)

نواب صدیق حسن خانؒ نے بھی اسی کی تائید کی ہے اور کہا ہے کہ گردن پر مسح کرنے کو بدعت کہنا غلط ہے۔ نیز یہ کہ تلخیص الحبیر کی مندرجہ بالا روایت اور اس سلسلہ کی دیگر روایات قابل استدلال ہیں۔ خصوصاً جب کہ کوئی حدیث ان کے مخالف نہیں ہے۔

(بدور الأہلۃ۔ ص ۲۸)

(۵۰) وضو کے بعد کلمہ شہادت پڑھنا

عن عمر رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم مامنكم من احد يتوضأ فيسبغ الوضوء ثم يقول "اشهد أن لاإله إلا الله

وحدہ لا شریک لہ واشھد أن محمداً عبدہ ورسولہ" إلا فتحت لہ أبواب الجنۃ الثمانیۃ یدخل من أیھا شاء.

(مسلم : باب الذکر المستحب عقب الوضوء)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میں سے جو وضو کرے اور خوب اہتمام سے کرے پھر یہ کلمات کہے "اشھد ان لا إلہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ ' یقیناً اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے جس میں سے چاہے داخل ہو۔

(۵۱) تحیۃ الوضو

وضو کے بعد دو رکعتیں تحیۃ الوضوء کے طور پر ادا کرنا۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو بھی وضو کرے اور خوب اچھی طرح وضو کرے۔ پھر ظاہر و باطن کی مکمل توجہ و انہماک کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے یقیناً اس کے لئے جنت واجب ہو گئی۔

(مسلم : الذکر المستحب عقب الوضوء)

نواقض وضو

(۵۲) پاخانہ یا پیشاب کرنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

ارشاد ربانی ہے : او جاء احد منکم من الغائط. (سورۃ المائدہ. ۶)

یا تم میں سے کوئی شخص بول و براز کر کے آئے۔

(۵۳) ریاح کا خروج بھی ناقض وضو ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد میں نماز کا انتظار کرنے والے شخص کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو ایک عجمی شخص نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حدث سے کیا مراد ہے تو انہوں نے بتایا کہ ہوا کا خارج ہونا۔ (بخاری: من لم یر الوضوء)

(۵۴) مذی اور ودی کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے بعد وضو کر لینا کافی

ہے غسل کرنا ضروری نہیں (ان کی تفصیل موجبات غسل کے دوسرے سبب کے حاشیہ میں گزر گئی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذی کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا "مذی سے وضو اور منی سے غسل لازم ہوتا ہے۔"

(ترمذی: ما جاء فی المنی والمذی)

(٥٥) نیند ناقض ہے

عن صفوان بن عسال قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يأمرنا إذا كنا سفراً ان لا ننزع خفافنا ثلاثة ايام ولياليهن إلا من جنابة لكن من غائط وبول ونوم.

(حسن صحیح۔ ترمذی: المسح علی الخفین)

حضرت صفوان کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تلقین کرتے کہ سفر کی حالت میں تین دن تک موزے اتارنے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر جنابت ہو جائے تو موزے اتار دیں (اور غسل کریں) البتہ پیشاب پاخانہ اور نیند کی وجہ سے موزے اتارنے کی ضرورت نہیں ہے (بلکہ وضو کے وقت مسح کر لینا کافی ہے) اس حدیث میں پیشاب و پاخانہ اور نیند کا ایک ہی حکم بیان ہوا ہے کہ ہر دو کی طرح نیند بھی ناقض وضو ہے۔

(ب) کھڑے کھڑے یا بغیر سہارا لگائے یا نماز کی کسی ہیئت پر سونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

عن أنس رضى الله عنه قال كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ينتظرون العشاء الاخرة حتى تخفق رؤسهم ثم يصلون ولا يتوضئون.

(ابو داؤد : باب الوضوء من النوم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ نماز عشاء کے انتظار میں ہوتے۔ اسی اثناء میں نیند کی وجہ سے ان کے سر جھک جاتے پھر وہ یونہی نماز پڑھتے اور وضو نہ کرتے تھے۔"

(٥٦) قے اور نکسیر ناقض وضو ہے

عن أبى الدرداء رضى الله عنه إن رسول الله صلى الله عليه وسلم

قاء فتوضأ. (أصح شيء في الباب)

قال الترمذی "وقد رأى غير واحد من أهل العلم من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وغيرهم من التابعين الوضوء من القيء والرعاف".

(ترمذی : باب الوضوء من القيء والرعاف)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قے آ گئی تو آپ نے وضو فرمایا۔"

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر حضرات صحابہ اور تابعین کا مسلک یہی ہے کہ قے اور نکسیر سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(ب) عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا رعف احدكم في صلاته فلينصرف فليغسل عنه الدم ثم ليعد وضوء ه وليستقبل صلاته. (معجم طبرانی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"اگر نماز میں کسی کو نکسیر آ جائے تو وہ نماز توڑ دے پھر خون دھو کر وضو کرے اور نئے سرے سے نماز پڑھے۔"

اور خود نواب صدیق حسن خاں بھی لکھتے ہیں :

قيئ ورعاف وقلس ناقض وضواست وحديث قاء فتوضأ حسن است. (بدور الأهلة. ص ۳۰)

قے، نکسیر اور ابکائی سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور حدیث "قاء فتوضأ" حسن درجہ کی ہے۔

(۵۷) خون استحاضہ ناقض وضو ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک استحاضہ عورت حضرت فاطمہ بنت ابی جیش کو حکم دیا........ "ثم توضأى لكل صلوة" (بخاری : باب غسل الدم)

"کہ پھر ہر نماز کے لئے مستقل وضو کیا کر" چونکہ استحاضہ کے خون سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور غسل واجب نہیں ہوتا۔

موزوں پر مسح کا بیان

(۵۸) چمڑے کے وہ موزے جن میں پاؤں ٹخنوں تک چھپے رہیں یا وہ اونی سوتی جرابیں جن پر چمڑا لگایا گیا ہو۔ یا وہ جرابیں جو چمڑے کی طرح سخت و موٹے کپڑے کی ہوں تو اسلاف محدثین وفقہاء امت نے ان کو بھی موزوں کے حکم میں شمار کیا ہے۔ ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔

حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا آپ نے وضو کے دوران موزوں پر مسح کیا، حضرت مغیرہ نے عرض کیا تو آپ نے فرمایا میں نے یہ موزے باوضو حالت میں پہنے تھے۔ (مسلم: المسح علی الرأس والخفین) (بخاری: اذا ادخل رجلیہ)

علامہ مبارک پوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقہاء نے جرابوں پر مسح کے لئے کچھ شرطیں لگائی ہیں تا کہ وہ موزوں کے حکم میں ہو کر ان احادیث کے ضمن میں داخل ہو جائیں جو موزوں کی بابت وارد ہوئی ہیں لہذا بعض نے شرط لگائی کہ اُن پر چمڑا لگا ہو اور بعض نے کہا کہ موٹے سخت کپڑے کے ہوں تو مسح جائز ہے۔ ایک اور دوسری جگہ پر علامہ نے خود اس تفصیل کو راجح قرار دیا ہے۔ (تحفۃ الاحوذی)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔ (بخاری : المسح علی الخفین)

(۷۰) علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موزوں کے مسح پر تمام صحابہ متفق ہیں اور یہ مسئلہ ستر سے زیادہ صحابہ سے منقول ہے اور جس کسی نے اس مسئلہ میں مخالفت کی۔ ان کی موافقت بھی منقول ہے۔" (فتح الباری۔ ج ۱۔ ص ۳۰۵۔ باب المسح علی الخفین)

(۵۹) مدت مسح

مسافر کے لئے مسح کی مدت تین دن تین راتیں اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسافر کے لئے مسح کی مدت تین دن تین راتیں مقرر فرمائی اور مقیم کے لئے ایک دن ایک رات۔
(مسلم : التوقیت فی المسح علی الخفین)

(۶۰) مسح کا طریقہ

ہاتھ کی انگلیاں پانی سے بھگو کر تین انگلیاں پاؤں کے پنجے پر رکھ کر اوپر کی طرف کھینچے۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دینی مسائل کی بنیاد صرف عقل پر ہوتی تو موزے کا زیریں حصہ بالائی حصہ کی نسبت مسح کے لئے زیادہ موزوں تھا۔ حالانکہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ موزوں کے بالائی حصہ پر مسح فرمایا کرتے تھے۔
(قال فی التلخیص اسنادہ صحیح) (ابوداؤد: کیف المسح)

جرابوں پرمسح کا بیان

(۶۱)(الف) اونی، سوتی، نائیلون وغیرہ کی جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں۔(۱) چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت نہیں۔ لہٰذا جرابوں پر مسح کرنے سے وضو صحیح نہ ہوگا۔ نتیجۃً نماز نہیں ہوگی۔

---

(۱) اس اہم مسئلہ میں چونکہ عام لوگ غلطی میں مبتلا ہیں لہٰذا ذیل میں اس کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔
جرابوں پرمسح کے جواز میں چھ قسم کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

۱—عن مغیرۃ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومسح علی الجوربین والنعلین. (ترمذی)

۲—عن ابی موسی ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم توضأ و مسح علی الجوربین والنعلین. (بیھقی. ابن ماجہ)

۳—عن بلال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یمسح علی الخفین والجوربین (طبرانی)

۴—قال ابن حجر رواہ الطبرانی بسندین، رواۃ احدھما ثقات.

۵—استدل ابن القیم بعمل بعض الصحابۃ.

۶—عن ثوبان قال بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سریۃ فأصابھم البرد فلما قدموا علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم شکوا الیہ ما أصابھم من البرد فأمرھم أن یمسحوا علی العصائب والتساخین. (ابوداؤد)

ذیل میں ان دلائل کا ترتیب وار جائزہ بحوالہ تحفۃ الأحوذی پیش کیا جاتا ہے۔

پہلی دلیل کا جائزہ :

عن مغیرۃ قال توضأ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومسح علی الجوربین والنعلین۔
علماء محدثین رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قطعاً استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ

۱- امام بیہقی اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ : یہ حدیث منکر ہے۔ سفیان ثوری

قال المبارکفوریؒ والحاصل عندی أنه لیس فی باب المسح علی الجوربین حدیث صحیح مرفوع خالٍ عن الکلام.

(تحفة الاحوذی. ج ١. ص ٣٣٣)

علامہ مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پوری تحقیق کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جرابوں پر مسح کرنا کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں جو محدثین کی جرح وتنقید سے خالی ہو۔ ہوں کہ جرابوں پر مسح کرنا کسی مرفوع حدیث سے ثابت نہیں جو محدثین کی جرح

عبدالرحمٰن ابن مہدی۔ امام احمد بن حنبل، ابن المدینی اور امام مسلم جیسے جلیل القدر علماء نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔

امام مسلم فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی ابوقیس اور ہذیل نے اس حدیث کے بقیہ تمام راویوں کی مخالفت کی ہے۔ چونکہ سب نے صرف موزوں پر مسح کو نقل کیا ہے۔ لہٰذا ابوقیس وہذیل جیسے راویوں کی وجہ سے قرآن کو نہیں چھوڑا جاسکتا۔

٢- علامہ نووی فرماتے ہیں کہ حفاظ حدیث اس روایت کے ضعیف ہونے پر متفق ہیں لہٰذا امام ترمذی کا یہ کہنا قبول نہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

٣- عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث میرے نزدیک غیر مقبول ہے۔

٤- امام نسائی فرماتے ہیں کہ کسی ایک راوی نے بھی ابوقیس کی طرح اس روایت کو نقل نہیں کیا حضرت مغیرہ سے صحیح طور پر صرف موزوں پر مسح کرنا منقول ہے۔

٥- امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن ابن مہدی اس حدیث کو بیان نہیں کیا کرتے تھے چونکہ حضرت مغیرہ سے جو مشہور روایت منقول ہے اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موزوں پر مسح کرنا منقول ہے۔ اس میں جرابوں کا تذکرہ نہیں ہے۔

٦- حضرت علی ابن المدینی فرماتے ہیں کہ اس روایت کو حضرت مغیرہ سے اہل مدینہ اہل کوفہ اور اہل بصرہ نے نقل کیا، لیکن جب ہذیل نے نقل کیا تو اس میں جرابوں پر مسح کا اضافہ کردیا۔ اور سب لوگوں کی مخالفت کی۔

٧- علامہ مبارک پوری فرماتے ہیں کہ ابوقیس نے تمام راویوں کی مخالفت کی ہے۔ نیز بہت سے علماء حدیث نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے باوجود یہ کہ انہیں ثقہ راوی کی زیادتی والا مسئلہ معلوم تھا۔ لہٰذا میرے نزدیک ان کا ضعیف قرار دینا مقدم ہے۔ ترمذی کے حسن صحیح کہنے پر۔ (تحفۃ الاحوذی)

وتنقید سے خالی ہو۔

مشہور غیر مقلد عالم میاں نذیر حسین دہلویؒ سے پوچھا گیا کہ اونی، سوتی جرابوں پر مسح جائز ہے یا نہیں ہے.......؟ وہ جواب کے شروع میں لکھتے ہیں "مذکورہ جرابوں پر مسح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس کی صحیح دلیل نہیں اور مجوزین نے جن چیزوں سے استدلال کیا ہے اس میں خدشات ہیں"۔(آگے خدشات کا ذکر ہے....)

آخر میں فرماتے ہیں :

والحاصل أنه لم يقم على جواز المسح على الجوربة المسئولة عنه دليل لا من الكتاب ولا من السنة ولا من الإجماع ولا من القياس الصحيح كما عرفت.

الغرض مندرجہ بالا جرابوں پر مسح کی کوئی دلیل نہیں نہ تو قرآن کریم سے نہ سنت سے

دوسری دلیل کا جائزہ

عن ابی موسی أن رسول الله صلى الله عليه وسلم توضأ ومسح على الجوربين والنعلين۔ (ابن ماجہ۔بیہقی)

۱- علامہ مبارک پوریؒ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ بن سنان کو اختلاط ہو جایا کرتا تھا وہ ضعیف الحدیث ہے۔

۲- امام بیہقی فرماتے ہیں اس روایت میں دو کمزوریاں ہیں۔(ا) امام احمد، ابن معین، ابوزرعہ نسائی نے عیسیٰ سنان کو ضعیف قرار دیا ہے۔

۳- نیز امام بیہقی فرماتے ہیں کہ ضحاک بن عبدالرحمٰن کا سماع ابوموسیٰ سے ثابت نہیں لہذا روایت منقطع ہے۔

۴- امام ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ روایت نہ تو متصل ہے نہ قوی ہے۔

تیسری دلیل کا جائزہ

عن بلال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح على الخفين والجوربين۔ (طبرانی)

۱- زیلعی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے اور وہ ضعیف ہے۔

۲- حافظ ابن حجر تقریب میں فرماتے ہیں کہ ضعیف ہے بڑھاپے میں اس کی حالت بدل گئی تھی اور وہ شیعہ تھا۔

۳- اس کی سند میں اعمش راوی مدلس ہے۔اس نے عنعن سے روایت کی ہے اور اس کا سماع حکم سے ثابت نہیں ہے۔

نہ اجماع سے اور نہ قیاس صحیح سے جیسے کہ آپ نے دیکھ لیا۔

(محمد نذیر حسین۔ فتاویٰ نذیریہ۔ ج ا۔ ص ۳۲۷۔ ص ۳۳۴)

چوتھی دلیل کا جائزہ

قال ابن حجر رواہ الطبرانی بسندین رواۃ احدھما ثقات۔

ا- علامہ مبارکپوریؒ فرماتے ہیں گوکہ اس روایت کی ایک سند کے راوی ثقہ ہیں، لیکن اس میں بھی اعمش راوی ہے جو کہ مدلس ہے اور اس نے عـــن عـــن سے روایت کی ہے اور مدلس راوی کا عنعنہ قبول نہیں ہے۔

۲- تمام راوی ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس روایت کا متن بھی صحیح ہو۔ چونکہ یہاں ثقہ راوی مدلس ہے اور وہ اپنے استاد سے عنعنہ کے ساتھ روایت کرتا ہے۔

پانچویں دلیل کا جائزہ

استدل ابن القیم بعمل بعض الصحابۃ۔

ا- علامہ مبارکپوریؒ فرماتے ہیں کہ موزوں پر مسح کی بابت بہت سی احادیث منقول ہے جن کے صحیح ہونے پر علماء کا اجماع ہے۔ اس معیار کی احادیث کی وجہ سے ظاہر قرآن کو چھوڑ کر ان پر بھی عمل کیا گیا۔ جب کہ جرابوں پر مسح کی بابت جو روایات منقول ہیں ان پر جو تنقید ہوئی ہے وہ آپ دیکھ چکے ہیں پس اس قسم کی ضعیف روایت کی وجہ سے ظاہر قرآن کو کیونکر چھوڑا جا سکتا ہے؟

۲- بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو جرابیں استعمال فرماتے تھے۔ وہ اتنی باریک نہ ہوتی تھیں کہ پاؤں پر خود بخود ٹھہر نہ سکیں۔ اور ان کو پہن کر طویل مسافت پیدل طے نہ ہو سکے، بلکہ وہ موٹی اور سخت ہوا کرتی تھیں۔ جو موزوں کے حکم میں تھیں۔ لہٰذا وہ موزوں پر مسح والی احادیث کے ضمن میں شامل ہیں اور میرے نزدیک یہی بات واضح ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی کہنا ہے کہ ان حضرات نے جن جرابوں پر مسح کیا وہ موزوں کی مانند تھیں۔

الغرض جب حضرات صحابہؓ کی جرابوں کی تفصیل معلوم ہوگئی تو اب موٹی باریک ہر قسم کی جراب پر مسح کو جائز کہنا صحیح نہیں رہا۔

چھٹی دلیل کا جائزہ

عن ثوبان قال بعث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم سریۃ فأصابھم البرد فلما قدموا علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم شکوا إلیہ ما أصابھم من البرد

(ب) نیز یہ صورتحال ایک سخت وعید کے ضمن میں آتی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے وضو میں ایڑیوں کو نہیں دھویا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔

"ویل للأعقاب من النار". (مسلم : وجوب غسل الرجلین)

"ایسی خشک ایڑیوں کے لئے ہلاکت ہو آگ سے....."

جب ایڑیاں خشک رہ جانے پر اتنی سخت وعید ہے تو جرابوں پر مسح کرنے سے پورا پاؤں خشک رہ جاتا ہے۔

فامرهم أن يمسحوا على العصائب والتساخين۔

بعض حضرات تساخین کے لفظ سے استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر یہ صحیح نہیں۔

۱- یہ حدیث منقطع ہے ابن ابی الحاکم کتاب المراسیل ص ۲۲ میں امام احمد بن حنبل کا قول نقل کرتے ہیں کہ راشد بن سعد کا سماع ثوبان سے ثابت نہیں ہے۔ (ملخص تحفۃ الاحوذی۔ ج ۱۔ ص ۳۳۰ تا ۳۴۰)

۲- نیز لغۃً بھی تساخین کے تین معنی کیے گئے ہیں۔ لہٰذا صرف جرابوں کے مسح پر استدلال کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

۱- ابن اثیر کتاب النھایہ میں فرماتے ہیں کہ تساخین سے مراد موزے ہیں۔

۲- حمزہ اصفہانی فرماتے ہیں کہ یہ ٹوپی کی ایک قسم ہے۔ علماء اسے پہنا کرتے تھے۔

۳- دوسرے علماء لغت کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس سے پاؤں کو گرمایا جائے چاہے وہ موزے ہوں جراب ہوں یا کوئی اور چیز۔

۴- بلوغ المرام میں اس روایت کے بعد خود راوی کی وضاحت موجود ہے کہ تساخین سے مراد موزے ہیں۔ (بلوغ المرام : مسح الخفین)

الغرض اسی لئے علامہ مبارکپوریؒ بھی فرماتے ہیں کہ:

والحاصل عندی أنه ليس في باب المسح على الجوربين حديث صحيح مرفوع خالٍ عن الكلام۔ (تحفة الاحوذی۔ ج ۱۔ ص ۳۳۳)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جرابوں پر مسح کے بارہ میں کوئی صحیح مرفوع حدیث موجود نہیں جو جرح وتنقید سے خالی ہو۔

اور خود غیر مقلد عالم مولانا ابوسعد شرف الدینؒ بھی معترف ہیں کہ "یہ (جرابوں پر مسح) نہ قرآن سے ثابت ہوا نہ حدیث مرفوع صحیح سے نہ اجماع نہ قیاس صحیح سے نہ چند صحابہ کے نقل اور اس کے دلائل سے اور غسل رجلین (پاؤں کا دھونا) نص قرآنی سے ثابت ہے لہٰذا خف چرمی (موزہ) کے سوا جراب پر مسح کرنا ثابت نہیں۔ (ثناء اللہ امرتسری۔ فتاویٰ ثنائیہ۔ ج ۱۔ ص ۴۲۳)

تیمم کا بیان

(۶۲) جب وضو یا غسل کے لئے پانی نہ ملے، یا پانی کے استعمال سے بیمار ہو جانے یا مرض بڑھ جانے کا اندیشہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے۔

ارشاد ربانی ہے : **وإن كنتم مرضى او على سفر أو جاء أحد منكم من الغائط أو لمستم النساء فلم تجدوا ماءً فتيمموا صعيدا طيباً فامسحوا بوجوهكم وأيديكم منه ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم وليتم نعمته عليكم لعلكم تشكرون. (مائده . ۶)**

اور اگر تم بیمار ہو جاؤ، یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی طبعی حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا تم جماع کر کے آؤ اور پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کر لیا کرو، (وہ یوں کہ) چہرہ اور ہاتھوں پر مٹی مل لو، چونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں حرج میں مبتلا کرنا نہیں چاہتا، بلکہ وہ تو تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے نیز اس طرح اپنی نعمت کی تکمیل چاہتا ہے۔ تاکہ تم اس کا شکریہ ادا کرو۔

(۶۳) تیمم کا طریقہ

تیمم کی نیت کر کے دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر انہیں جھاڑ دے اور دونوں ہاتھوں کو منہ پر اس طرح پھیرے کہ کوئی جگہ باقی نہ رہ جائے۔ پھر دوسری مرتبہ دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر بائیں ہاتھ کی چاروں انگلیاں دائیں ہاتھ کی انگلیوں کے سروں کے نیچے رکھ کر کھینچتا ہوا کہنی تک لے جائے پھر بائیں ہاتھ کی ہتھیلی دائیں ہاتھ کے اوپر کی طرف کہنی سے انگلیوں تک کھینچتا ہوا لائے، اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندر کی جانب کو دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کی پشت پر پھیرے۔ پھر اسی طرح دائیں ہاتھ سے انگوٹھے کی پشت پر پھیرے پھر انگلیوں

کا خلال کرے، اگر انگوٹھی پہنی ہو تو اس کے نیچے بھی ہاتھ پھیرنا ضروری ہے چونکہ اگر بال برابر جگہ بھی یونہی چھوٹ گئی تو تیمم صحیح نہ ہوگا۔

عن جابر رضی اللّٰه عنه قال جاء رجل فقال اصابتنی جنابة وانی تمعكت فی التراب فقال صلی الله علیه وسلم اضرب، وضرب بیدیه الارض فمسح وجهه ثم ضرب بیدیه فمسح بهما إلی المرفقین. قال البیهقی اسناده صحیح. (بیهقی : کیف التیمم)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا کہنے لگا مجھے غسل جنابت کی حاجت ہوگئی (تو پانی نہ ہونے کے سبب بطور تیمم) مٹی میں لوٹ پوٹ ہوگیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس طرح ہاتھ مار، اور خود دونوں ہاتھ زمین پر مار کر چہرہ کا مسح کیا۔ پھر دونوں ہاتھ مار کر کہنیوں سمیت ہاتھوں کا مسح کیا۔

اوقات نماز

(۶۴) (الف) فجر کا وقت : صبح صادق سے طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔

ظہر کا وقت : زوال آفتاب سے اشیاء کا سایہ دوگنا ہونے تک رہتا ہے۔

عصر کا وقت : وقت ظہر کے اختتام سے غروب آفتاب تک رہتا ہے۔

مغرب کا وقت : غروب آفتاب سے غروب شفق ابیض تک رہتا ہے۔

عشاء کا وقت : شفق ابیض کے غروب سے طلوع صبح صادق تک رہتا ہے۔

(ب) حضرت بریدہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے اوقات نماز کی بابت دریافت کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو دن کی نمازیں ہمارے ساتھ پڑھ۔ زوال آفتاب ہوا۔ تو حضرت بلالؓ نے آپؐ کے حکم سے اذان دی۔ پھر اقامت کہی۔ پھر ابھی سورج سفید ہی تھا کہ حضرت بلالؓ نے آپؐ کے حکم سے عصر کی اذان و اقامت کہی۔ پھر

غروب آفتاب پر مغرب کی اور غروب شفق پر عشاء کی نماز پڑھی۔

دوسرے دن حضرت بلالؓ نے آپ کے ارشاد کے مطابق ظہر کو مؤخر کیا تا آنکہ موسم نسبتاً ٹھنڈا ہو گیا اور عصر کی نماز کو پہلے دن سے مؤخر کیا تاہم سورج ابھی بلند ہی تھا اور مغرب کی نماز غروب شفق سے پہلے پڑھی جب کہ عشاء کو رات کے تہائی حصہ تک مؤخر کیا اور فجر کی نماز خوب روشنی ہونے پر ادا فرمائی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اوقات نماز کی بابت پوچھنے والا کہاں ہے؟ سائل حاضر ہوا تو آپؐ نے فرمایا، ان اوقات کے درمیان تمہاری نمازوں کا وقت ہے۔(مسلم : اوقات الصلوۃ الخمس)

(ج) عن عبدالله بن رافع أنه سأل اباهريرة رضي الله عنه عن وقت الصلوة فقال ابوهريرة أنا أخبرك، صل الظهر إذا كان ظلك مثلك والعصر اذا كان ظلك مثليك والمغرب إذا غربت الشمس والعشاء ما بينك وبين ثلث الليل وصل الصبح بغبش يعني الغلس.

(موطا مالک : باب وقوت الصلوة)

حضرت عبداللہ بن رافع نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نماز کے اوقات کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا۔ میں تمہیں بتلاتا ہوں، جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے، تو ظہر کی نماز ادا کر اور جب یہ سایہ دوگنا ہو جائے تو عصر کی نماز ادا کر اور غروب آفتاب پر مغرب کی نماز پڑھ۔ جب کہ عشاء کا وقت رات کے تہائی حصہ تک ہے اور فجر کی نماز اندھیرے میں ادا کر۔

ظہر کا مسنون و مستحسن وقت

(۶۵)(الف) نمازوں کے مجموعی اوقات کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کے مسنون و مستحب وقت کو بھی بیان کر دیا جائے۔

موسم سرما ہو تو زوال آفتاب کے بعد نماز ظہر کا جلد ادا کرنا مسنون ہے جب کہ گرمی کے موسم میں اتنی تاخیر مسنون ہے کہ گرمی کی تیزی کم ہو جائے۔

(ب) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گرمیوں کا عمل

عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال أذن مؤذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الظھر فقال أبرد، ابرد، أو قال انتظر انتظر وقال شدۃ الحرمن فیح جھنم فإذا اشتد الحر فابردوا عن الصلوۃ حتی رأینا فئی التلول.

(بخاری : باب ابراد الظھر فی شدۃ الحر)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مؤذن بارگاہ رسالت نے ظہر کی اذان دینا چاہی تو ارشاد نبوی ہوا، موسم کو ٹھنڈا ہونے دو، ٹھنڈا ہونے دو، یا فرمایا "مزید انتظار کرو، مزید انتظار کرو، چونکہ گرمی کی شدت جہنم کے اثرات میں سے ہے لہٰذا جب گرمی شدت اختیار کر جائے تو موسم ٹھنڈا ہونے پر نماز پڑھا کرو (یونہی ہم نماز کو مؤخر کرتے رہے) تا آنکہ ہمیں ٹیلوں کے سائے بھی نظر آنے لگے۔

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ أنہ قال إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال إذا اشتد الحر فابردوا الصلوۃ فإن شدۃ الحر من فیح جھنم.

(مسلم : استحباب الابراد بالظھر فی شدۃ الحر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گرمی زیادہ ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھا کرو چونکہ گرمی کی شدت جہنم کے اثر سے ہے۔

نیز امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ اس موضوع کی روایات حضرت ابوسعیدؓ حضرت ابوذرؓ حضرت ابن عمرؓ حضرت صفوانؓ حضرت ابوموسیٰؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ سے بھی

مروی ہیں۔(ترمذی : تاخیر الظہر)

(ج) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سردیوں کا عمل

عن أنس رضی اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم صلی الظهر حین زالت الشمس. (وهو احسن حدیث فی الباب)

(ترمذی : ما جاء فی تعجیل ظهر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب زوال آفتاب ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھی۔

عن انس رضی اللّٰہ عنه قال کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إذا کان الحر أبرد بالصلوة وإذا کان البرد عجل.(۱)

(نسائی : تعجیل الظهر فی البرد)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ گرمیوں میں نماز تاخیر سے، اور سردیوں میں جلدی پڑھتے۔

---

(۱) الغرض تمام احادیث شریفہ کو پیش نظر رکھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ سردیوں میں نماز ظہر کو جلدی ادا کرنا اور گرمیوں میں کچھ تاخیر کرنا پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت ہے۔ لیکن علم حدیث سے سطحی تعلق رکھنے والے بعض لوگ سردی وگرمی میں نماز ظہر جلدی ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ نواب صدیق حسن خانؒ کے صاحبزادہ اور مشہور غیر مقلد مصنف مولانا نور الحسن خانؒ لکھتے ہیں۔

"وافضل اوقات اول وقت ہر نماز است مگر آنچہ دلیل تخصیصش پرداختہ مثل تاخیر عشاء وابراد ظہر درحر۔(العرف الجادی۔ص۲۳)

کہ تمام نمازوں کو ابتدائی وقت میں پڑھنا افضل ہے سوائے ان نمازوں کے جن کی تاخیر دلائل سے ثابت ہے۔ جیسے عشاء کو مؤخر کرنا اور نماز ظہر کو گرمیوں میں ٹھنڈے وقت پڑھنا۔

(ب) نیز علامہ وحید الزمانؒ لکھتے ہیں :

"وافضل الصلوٰة الصلوٰة فی اول وقتها إلا صلوٰة العشاء فالأفضل تاخیرها عند عدم المشقة والا صلوٰة الظهر فیبرد بها فی شدة الحر۔

(نزول الأبرار۔ ج ۱۔ص۵۷)

کہ ابتدائی وقت میں نماز پڑھنا افضل ہے۔ جب کہ عشاء کو مؤخر کرنا اور گرمیوں میں نماز ظہر کو ٹھنڈے وقت پڑھنا بہتر ہے۔

عصر کا مسنون وقت

(٦٦) (الف) جب ہر چیز کا سایہ (اصل سایہ کے علاوہ) دو گنا ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے، لیکن جب آفتاب بہت نیچا اور زرد ہو جائے تو اس وقت نماز مکروہ ہوتی ہے۔

(ب) عن علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینۃ فکان یؤخر العصر ما دامت الشمس بیضاء نقیۃ".

(ابو داؤد : وقت صلاۃ العصر)

حضرت علی بن شیبانؓ کہتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ بارگاہِ رسالتؐ میں حاضر ہوئے تو آپ کا معمول یہ تھا کہ آپ عصر کی نماز کو مؤخر فرماتے۔ جب تک کہ سورج سفید اور صاف رہتا۔

(ج) عن أبی ھریرۃ رضی اللّٰہ عنہ صل الظھر إذا کان ظلک مثلک والعصر إذا کان ظلک مثلیک... الحدیث (موطا مالکؒ : وقوت الصلوۃ)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب تیرا سایہ تیرے برابر ہو جائے تو ظہر کی نماز پڑھ اور سایہ دو گنا ہو جائے تو عصر کی نماز پڑھ۔

(د) عن انس بن مالک قال کنا نصلی العصر ثم یذھب الذاھب إلی قباء فیأتیھم والشمس مرتفعۃ. (مسلم : استحباب التبکیر بالعصر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم عصر کی نماز پڑھ چکتے، پھر قبا جانے والا جب وہاں پہنچتا تو سورج ابھی اونچا ہی ہوتا۔

(٦٧) مغرب کا مسنون وقت

آفتاب غروب ہوتے ہی نماز مغرب کی ادائیگی مسنون ہے اور بلا عذر تاخیر مکروہ ہے۔

عن سلمة رضي الله عنه قال : كنا نصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم المغرب إذا توارت بالحجاب. (بخاری : وقت المغرب)

حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورج چھپتے ہی ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مغرب کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔

عشاء کا مسنون وقت

(٦٨) تقریباً ایک تہائی رات تک مستحب وقت ہے، اسی وقت میں رہتے ہوئے جس قدر زیادہ تاخیر ہو وہ مسنون ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر مجھے امت کے مشقت میں مبتلا ہونے کا خدشہ نہ ہوتا تو میں انہیں ضرور حکم دیتا کہ نماز عشاء کو رات کے ایک تہائی یا نصف حصہ تک مؤخر کیا کریں۔''

(حسن صحیح، ترمذی: تاخیر صلوٰۃ العشاء)

فجر کا مسنون وقت

(٦٩) فجر کا وقت صبح صادق سے شروع ہو کر طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ اگر اس وقت کے دو حصے کئے جائیں تو اصطلاح شریعت میں پہلا نصف غلس اور دوسرا اسفار کہلاتا ہے۔ اکثر و بیشتر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسفار میں نماز پڑھتے تھے۔ نیز آپ کا فرمان ہے کہ اسفار میں نماز پڑھنے کا اجر وثواب بہت زیادہ ہے۔

عن رافع بن خديج قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسفروا بالفجر فإنه اعظم للاجر.

(حسن صحيح، ترمذی : ماجاء في الاسفار بالفجر)

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فجر کی نماز کو خوب روشنی ہونے پر (اسفار میں) پڑھو کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔

نواب صدیق حسن خان اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

پس بدرستیکہ اسفار بہ فجر بزرگ تراست برای فرد ثواب شارزیرا کہ ثواب نماز بقدر ثواب جماعت است و جماعت در اسفار زیادہ می باشد از تغلیس غالباً۔

(مسک الختام۔ج ا۔ص ۲۴۳)

یہ صحیح ہے کہ فجر کی نماز اسفار کی حالت میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ چونکہ نماز کا ثواب جماعت کے ثواب کی مناسبت سے ہوتا ہے اور اسفار میں نماز پڑھنے سے عموماً شرکائے جماعت کی تعداد غلس میں نماز پڑھنے کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔

(ب) اسلاف امت کا عمل

وقد رأى غير واحد من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم والتابعين الاسفار بصلاة الفجر. (ترمذی : باب ماجاء فی الاسفار بالفجر)

اور اسی پر جمہور حضرات صحابہ کا عمل تھا اور اکثر صحابہ اور تابعین نماز فجر کو اسفار میں پڑھنے کے قائل تھے۔

اوقات مکروہہ

(۷۰) مندرجہ ذیل اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔
(الف) فجر کی نماز کی بعد سے سورج نکلنے تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔البتہ فوت شدہ فرض نماز کی قضا پڑھ سکتے ہیں۔
(ب) طلوع آفتاب سے اس کے بلند ہونے تک (یہ تقریباً بیس منٹ کا وقت ہے) اس دوران نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔حتی کہ فرض نماز کی قضا بھی جائز نہیں۔
زوال کے وقت بھی نوافل اور فرائض پڑھنا مکروہ ہے۔
(ج) نصف النہار کے وقت بھی نوافل وفرائض پڑھنا مکروہ ہے۔
(د) عصر کی نماز کے بعد دھوپ کے زرد ہونے تک نوافل پڑھنا مکروہ ہے۔
(ہ) دھوپ زرد ہونے کے بعد سے غروب آفتاب تک نوافل وفرائض پڑھنا مکروہ ہے۔

حضرت عمرو سلمیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔"اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسی چیز بتلایئے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بتائی ہو اور مجھے معلوم نہ ہو۔خاص طور پر نماز کے متعلق بتلایئے۔" آپؐ نے ارشاد فرمایا"صبح کی نماز پڑھ کر کوئی اور نماز پڑھنے سے رکے رہو تا آنکہ آفتاب طلوع ہو کر بلند ہو جائے۔چونکہ آفتاب شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اور اس وقت سورج پرست کفار اسے سجدہ کرتے ہیں۔جب سورج کچھ بلند ہو جائے تو پھر نماز پڑھو، چونکہ ہر نماز بارگاہ الٰہی میں پیش کی جاتی ہے البتہ جب نیزہ بے سایہ ہو جائے (نصف النہار کے وقت) تو نماز نہ پڑو، چونکہ یہ جہنم کو دہکانے کا وقت ہے۔اور جب سایہ بڑھنا شروع ہو جائے تو پھر نماز پڑھو چونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کی جاتی ہے۔جب عصر کی نماز پڑھ چکو تو پھر دوسری نماز

سے رک جاؤ تا آنکہ سورج ڈوب جائے چونکہ سورج شیطان کے دوسینگوں کے درمیان غروب ہوتا ہےاوراس وقت سورج پرست کفار سورج کوسجدہ کرتے ہیں۔"(۱)

(مسلم: الاوقات التی نھی عن الصلوۃ فیھا)

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنه یقول سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یقول، لا صلوة بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوة بعد العصر حتی تغیب الشمس.

(بخاری : لا یتحری الصلوة قبل الغروب)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے۔"صبح کی نماز کے بعد آفتاب کے بلند ہونے تک اورکوئی نماز نہیں ہےاور عصر کی نماز کے بعد غروب آفتاب تک اورکوئی نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔

---

(۱) طلوع آفتاب کے وقت ہر بستی کا بڑا شیطان اس طرح کھڑا ہو جاتا ہے کہ سورج اس کے دوسینگوں کے درمیان سے طلوع ہوتا نظر آئے تا کہ وہ دیگر شیاطین وجنات کو تاثر دے سکے کہ یہ سورج پرست عناصر مجھے سجدہ کررہے ہیں۔

اذان کا بیان

(۷۱) اذان کی فضیلت واہمیت

حضرت طلحہ کے چچا کہتے ہیں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا کہ مؤذن نے آ کر نماز کی اطلاع دی تو حضرت معاویہؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "اذان دینے والوں کی گردنیں قیامت کے دن سب سے لمبی ہوں گی۔" (مسلم: باب فضل الاذان)

(۷۲) تاریخ اذان

ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ نماز کی اطلاع کے لئے کون سا طریقہ عمل میں لایا جائے؟ اس دور کے وسائل کے مطابق بعض نے یہ رائے دی کہ جب نماز کا وقت آئے تو پہاڑ کی چوٹی پر آگ جلادی جائے۔ یہ دیکھ کر ہم سب جمع ہو جایا کریں گے۔ بعض نے کہا کہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر یا گلیوں میں گھوم کر کوئی بلند آواز شخص نماز کا اعلان کرے، بعض نے ناقوس کی آواز پر جمع ہونے کا مشورہ دیا۔

ایک رات حضرت عبداللہ بن زیدؓ اور بعض دیگر حضرات صحابہؓ کو خواب میں اذان کا منظر دکھایا گیا۔ انہوں نے آ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی، آپؐ نے اس طریقہ کو پسند فرمایا اور حضرت بلالؓ کو اسی نہج پر اذان دینے کا حکم دیا۔

قرآن کریم۔ نے اس طریق کار کے منجانب اللہ ہونے پر مہر تصدیق ثبت کردی۔
ارشاد ربانی ہے۔

واذا ناديتم إلى الصلوة اتخذوها هزوا ولعبا ذلك بانهم قوم لايعقلون. (سورة المائده . ۵۸)

اور جب تم لوگوں کو نماز کی طرف بلاتے ہو تو یہ لوگ (اس آواز پر لبیک کہنے کے بجائے) اس کو ہنسی اور کھیل بنالیتے ہیں۔ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ عقل سے کام نہیں لیتے۔

(۷۳) کلمات اذان

(الف) اذان کے یہ کلمات اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر و متعین ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پسندیدہ ہیں، آپ کی حیات طیبہ میں یہی اذان حرمین شریفین کی فضاؤں میں گونجتی رہی۔ حضرات صحابہ وتابعین واسلاف امت کا مسلسل عمل گواہ ہے کہ انہوں نے اسی اذان کو اپنائے رکھا اور اس میں اپنی طرف سے کوئی ترمیم واضافہ نہ کیا۔ (۱)

(۱) ہمارا ایمان ہے کہ ہماری نجات اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت اور اولیاء واسلاف اور فقہاء امت کی مکمل اتباع میں ہے۔ اہل سنت وجماعت کا مسلک یہی ہے۔ لہٰذا ہمیں صرف وہی اذان دینی چاہئے جو مسنون ومنقول ہے۔ بعض شیعہ نے اذان کے وسط میں اور بعض مبتدعین نے اذان کے شروع میں جو اضافہ کیا ہے وہ قرآن وسنت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اظہار محبت کے لئے بعض شیعہ نے اذان میں "اشہد ان امیر المؤمنین وامام المتقین علیاً ولی اللّٰہ" الخ وغیرہ کلمات کا اضافہ کیا ہے۔ ذخیرہ احادیث میں کہیں ان الفاظ کا پتہ نہیں ملتا۔ نیز داخلی شہادت کے طور پر پتہ چلتا ہے کہ یہ الفاظ دور نبوی میں موجود نہ تھے۔ اس کے بعد خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں موجود نہ تھے۔ خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں موجود نہ تھے۔ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے زمانے میں موجود نہ تھے۔

خلیفہ چہارم حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور میں موجود نہ تھے۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا تقاضا ہے کہ وہی اذان دی جائے جو ان کے دور خلافت میں دی جاتی تھی۔

لہٰذا ایسے الفاظ جو خیر القرون میں نہیں یقیناً سیاسی یا مذہبی گروہ بندی کا نتیجہ ہیں اور اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ مشہور شیعہ محقق شیخ طوسی نے کتاب الاستبصار کے باب عدد الفصول فی الاذان والا قامۃ

صاحب مجالس فرماتے ہیں :

قد غيرت هذه السنة في هذا الزمان في اكثر البلدان لأن أهلها يؤذنون بانواع النغمات والإلحان.... ثم انهم لحرصهم على التغني لم يكتفوا بكلمات الاذان بل زادوا عليها بعض الكلمات من الصلوة والتسليم على النبي صلى

(کلمات اذان واقامت) کی حدیث نمبر۲، ۳، ۴، ۵، میں کلمات اذان واقامت کا ذکر کیا ہے لیکن مندرجہ بالاکلمات شہادت کا ذکر نہیں۔ (محمد بن حسن طوسی الاستبصار۔ ج ا۔ ص ۳۰۵)

بلکہ شیعہ کے رئیس المحدثین ابو جعفر محمد علی الصدوق المتوفی ۳۸۱ھ نے من لا یحضره الفقيه باب الاذان والإقامة کی حدیث نمبر ۳۵ میں پوری اذان درج کی ہے جس میں حی علی الفلاح کے بعد صرف حی علی خیر العمل کا اضافہ ہے اس کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

"قال مصنف هذا الكتاب هذا هو الأذان الصحيح لا يزاد فيه ولا ينقص منه، والمفوضة لعنهم الله قد وضعوا أخباراً وزادوا في الأذان محمد وآل محمد خير البرية مرتين وفي بعض رواياتهم بعد اشهد أن محمداً رسول الله اشهد أن علياً ولي الله مرتين ومنهم من روىٰ بدل ذلك اشهد أن عليا امير المؤمنين حقاً مرتين۔ ولا شك في أن عليا ولي الله وأنه امير المؤمنين حقاً وأن محمداً وآله صلوات الله عليهم خير البرية ولكن ليس ذلك في اصل الأذان۔

ابو جعفر الصدوق : فقيه من لا يحضر الفقيه۔ ج ا ص ۱۸۸۔

اس کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ یہی وہ صحیح اذان ہے جس میں کمی بیشی جائز نہیں ہے اللہ تعالیٰ شیعہ کے فرقہ مفوضہ پر لعنت بھیجے کہ انہوں نے احادیث گڑھی ہیں اور اذان میں محمد وآل محمد خیر البریۃ کا اضافہ کیا ہے اور بعض میں انہوں نے اشھد ان محمدا رسول اللہ کے بعد اشھد أن علیا ولی اللہ کا جملہ دو دفعہ بڑھا لیا ہے۔ جب کہ بعض نے اشھد ان علیا امیر المومنین حقا کا جملہ دو دفعہ بڑھایا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ علی اللہ کے ولی ہیں اور وہ برحق امیر المومنین ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل مخلوق میں بہتر ہیں، لیکن یہ کلمات اذان کا حصہ بالکل نہیں۔

الغرض سابقہ تحقیق سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ شہادت علی کے مروجہ کلمات اذان کا حصہ نہیں بلکہ شیعہ محدث نے تو ایسا کرنے والوں پر لعنت بھیجی ہے۔

اب اہل تشیع کی اذان کے ردعمل میں اگر کوئی شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف ومنقبت کے طور پر اذان میں اضافہ کرے تو یقیناً یہ اضافہ بھی بدعت اور غیر مسنون شمار ہوگا چونکہ اسلام نے

اللہ علیہ وسلم وإن كان مشروعا بنص الكتاب والسنة وكان من اكبر العبادات واجلها لكن اتخاذها عادة في الاذان على المنارة لم يكن مشروعاً اذ لم يفعلها أحد من الصحابة والتابعين ولاغيرهم من أئمة الدين وليس لأحد أن يضع العبادات إلا في مواضعها التي وضعها فيها الشرع ومضى عليها السلف ألاترى أن قراءة القرآن مع كونها من أعظم العبادات لا يجوز للمكلف أن يقرأها في الركوع ولا في السجود ولا في القعدة لأن كلا منها ليس محلاً. (مجالس الأبرار. ص ۳۰۷)

آج کل اکثر مقامات پر مسنون اذان میں تبدیلی ہو چکی ہے۔ اولاً تو یوں کہ مؤذن لوگ اذان کے کلمات کو گا گا کر مختلف لہجوں میں ادا کرتے ہیں۔ پھر جب راگ ورنگ کے دلدادہ طبقہ کے ذوق کی تکمیل نہ ہوئی تو انہوں نے اذان کے موجودہ کلمات کو ناکافی سمجھا

سنت وبدعت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ مسلک ومشرب اور شخصیات کی جکڑ بندیوں سے بالاتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی سنی بھی اسلامی عبادات میں اضافہ کرے گا تو یہ اضافہ بدعت اور خلاف سنت ہی ہوگا۔

اذان سے پہلے درود

پاک وہند میں بعض مبتدعین نے اذان سے قبل درود شریف کا اضافہ کیا۔

۱- جائزہ ازروئے قرآن : ارشاد ربانی ہے: إن اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا أیھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ (الاحزاب آیت نمبر ۵۶)

اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود وسلام پڑھا کرو۔

یہ آیت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور کون ہے جو آپ سے زیادہ بڑھ کر اس کے مفہوم ومراد سے واقف ہو۔ آپ نے حسب عادت یہ آیت بھی حضرات صحابہؓ کو سمجھائی۔ صحابہؓ نے آپ کی تعلیمات کے مطابق اس پر عمل کیا۔ اگر اس آیت کے مفہوم میں اذان سے قبل درود شریف پڑھنا بھی ہوتا تو یقیناً آپ ضرور بتلاتے اور حضرات صحابہؓ ضرور اس پر عمل پیرا ہوتے، لیکن آپ کی حیات طیبہ میں اذان سے قبل درود شریف نہ پڑھا گیا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرات صحابہؓ قرآنی مفاہیم سے بخوبی واقف تھے۔ جن میں ابن عباسؓ جیسے سید المفسرین بھی موجود تھے۔ اس کے باوجود حضرات صحابہؓ نے اذان سے قبل درود

اور درود شریف کا اضافہ کرلیا (اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ہندو پاک میں اذان سے قبل یہ اضافہ لاؤڈ سپیکر کے بعد کی پیداوار ہے) گوکہ درود شریف کا پڑھنا قرآن وسنت کی رو سے مستحسن اور بہت بڑی عبادت ہے، لیکن اسے اذان کا جزو بنالینا جائز نہیں۔ اس لئے شریف نہ پڑھا۔ معلوم ہوا کہ اذان سے قبل درود شریف قرآنی نقطہ نظر سے صحیح نہیں۔ اب اگر اس دور میں کوئی شخص اس درود کو آیت کے مفہوم میں داخل کرے تو بارگاہِ الٰہی کی گستاخی ہوگی، کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذان کے جو کلمات عطا ہوئے۔ ان میں ایک چیز کی کمی تھی جسے اب پورا کیا گیا۔ نیز اس سے بارگاہِ رسالت کی گستاخی ہوگی کہ یا تو اللہ کے رسول کو آیت کا مکمل مفہوم معلوم نہ تھا یا معلوم تھا، مگر آپؐ نے امت کو نہیں بتلایا۔ نیز یہ کہ آپ کی حیات طیبہ میں جو اذان دی جاتی تھی وہ قدرے قابل اصلاح تھی اور درود شریف کے اضافے کی متقاضی تھی۔

نیز اس سے شان صحابہؓ میں گستاخی ہوگی کہ یا تو وہ قرآنی مراد سے ناواقف تھے یا واقف ہونے کے باوجود انہوں نے اس محبوب عمل کو چھوڑے رکھا۔

۲- جائزہ از روئے سنت

(الف) مسنون اذان کی تمام تفصیلات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلادی تھیں۔ مؤذن کا انتخاب، اذان کے دوران جواب، اذان کے بعد کی دعا وغیرہ۔

اگر اذان سے قبل درود شریف مسنون ومستحب ہوتا تو آپؐ امت کو یہ بھی بتادیتے، لیکن ذخیرہ احادیث میں کہیں بھی اس کا پتہ نہیں ملتا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا تقاضا ہے کہ ہمیں بھی وہی اذان پسند ہو جو خود آپؐ کو پسند تھی۔ ہم وہی مسنون اذان دیں جو آپ کی حیات طیبہ میں حرمین شریفین ودیگر مساجد کی مقدس فضاؤں میں گونجتی رہی۔

(ب) عشق ومحبت کے زبانی داعی نہیں بلکہ کردار وعمل کے غازی اپنے تن من دھن کو قربان کردینے والے سچے محب اور عاشق رسولؐ تمام حضرات صحابہؓ تھے۔ اگر اذان میں یہ اضافہ کسی درجہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا سبب ہوتا تو سب سے پہلے یہ کام حضرات صحابہؓ کرتے۔ خصوصاً بارگاہِ رسالت کے مؤذنین جن میں حضرت بلالؓ، حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ، سلمۃ بن الاکوعؓ، حضرت ابو محذورہؓ چونکہ وہ بارگاہِ رسالت کے مزاج آشنا تھے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ سچی محبت کے تقاضوں کو پورا کیا کہ وہی مسنون اذان دیتے رہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی۔ الغرض اذان میں اس اضافہ کو محبت کا لبادہ اوڑھانے کی کوشش نہیں کی جاسکتی۔

(ج) اذان میں اس قسم کا اضافہ تو بڑی دور کی بات ہے، سنت رسولؐ کے دلدادہ حضرات صحابہؓ تو عام

کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، حضرات تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور دیگر ائمہ وفقہاء امت میں سے کسی نے بھی ایسا نہیں کیا۔ شریعت اسلامیہ نے عبادات کو جس مقام و جس کیفیت پر رکھا ہے، خصوصاً جس پر اسلاف امت کا عمل جاری ہے اس میں تبدیلی کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی توضیح کے لئے یہ مثال کافی ہے کہ "تلاوت کلام پاک باوجود یہ کہ بہت بڑی عبادت ہے، لیکن کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ رکوع، سجدہ یا قعدہ، میں قرآن پڑھے چونکہ ان میں سے کوئی جگہ بھی تلاوت کا محل نہیں ہے۔"

مسنون اوراد واذکار میں بھی ذرہ بھر آمیزش کو برداشت نہ کرتے تھے گو کہ وہ آمیزش بظاہر کتنی ہی دلآویز کیوں نہ ہو۔ ملاحظہ فرمائیں۔ عن نافع أن رجلا عطس إلى جنب ابن عمر فقال الحمد لله والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابن عمرو أنا أقول الحمد لله والسلام على رسول الله وليس هكذا علمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم علمنا أن نقول الحمد لله على كل حال۔

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے چھینک مار کر کہا۔ الحمد لله والسلام على رسول الله، اس پر فوراً ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حمد وسلام کا تو میں بھی قائل ہوں، لیکن اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسا نہیں سکھایا۔ آپؐ نے بتلایا کہ ہم اس موقع پر صرف الحمد للہ کہا کریں۔

غور طلب امر یہ ہے کہ بذات خود السلام علی رسول اللہ کوئی قابل اعتراض جملہ نہیں۔ جب ایک صحابی رسولؐ کو ایک عام مسنون ذکر الحمد لله پر السلام على رسول الله کا اضافہ منظور نہیں تو خود صاحب سنت صلی اللہ علیہ وسلم کو اذان جیسے اہم معاملہ میں الصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ کا اضافہ کیونکر منظور ہوگا؟

علماء امت اور علماء بریلویہ کا تجزیہ

گزشتہ سطور سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی، کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اذان سے پہلے اور بعد یہ اضافہ نہیں تھا، اس طرح خلافت راشدہ، خلافت بنی امیہ، خلافت عباسیہ اور پھر قریب زمانہ میں خلافت عثمانیہ تک اذان اپنی اصلی حالت میں باقی رہی۔ اس دوران آٹھویں صدی میں بعض لوگوں نے اذان میں اضافہ کیا تو علماء امت نے ان کو سختی سے روک دیا اور اس کے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا، ملاحظہ ہو۔ علامہ ابن حجر مکی ہیثمی لکھتے ہیں :

وردت احاديث أخر بنحو تلك الاحاديث السابقة ولم نر في شئ منها

(د) صاحب مجالس کا یہ اصول بڑا وزنی اور واضح ہے کہ جن عبادات کی کیفیت وحیثیت متعین ہے ان میں حذف یا زیادت کا اختیار کسی کو نہیں۔ اس کی ایک اور واضح مثال یہ ہے کہ جو شخص نماز ظہر کے پہلے قعدہ میں تشہد کے بعد عمداً درود شریف پڑھے گا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر بھول کر پڑھے تو سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

چونکہ قعدہ اولیٰ میں درود شریف نہیں قعدہ ثانیہ میں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ شریعت اسلامیہ نے جہاں درود شریف متعین کیا ہے اس کو وہاں سے ہٹانا جائز نہیں اور جہاں متعین نہیں وہاں بڑھانا جائز نہیں۔

مشہور حنفی محقق علامہ ابن ہمامؒ نے فتح القدیر شرح ہدایۃ میں اس بات کی تصریح کی ہے ملاحظہ ہو : **أو تاخیر القیام إلی الثالثة بسبب الزیادة علی التشهد ساهیاً ولو بحرف من الصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم.**

(فتح القدیر. ج ١. ص ٥٠٢)

اگر تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے میں تاخیر ہوگئی اور بھول کر درود شریف

التعرض للصلاة علیه صلی الله علیه وسلم قبل الأذان ولا إلی محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم بعده ولم نر ایضاً فی کلام ائمتنا تعرضا لذلك ایضاً فحینئذ كل واحد من هذین لیس بسنة فی محله المذكور فیه فمن اتی بواحد منهما فی ذلك معتقدا سنیته فی ذلك المحل المخصوص نهی عنه ومنع منه لانه تشریع بغیر دلیل ومن شرع بلا دلیل یزجر عن ذلك وینهی عنه۔ (الفتاویٰ الكبریٰ الفقهیة، ج ١۔ص ١٣١)

اس قسم کی اور احادیث بھی ہیں، لیکن کسی بھی حدیث میں اذان سے قبل درود شریف اور اذان کے بعد محمد رسول اللہ کہنے کا ذکر تک نہیں، نیز ہمارے ائمہ کے کلام میں بھی اس مسئلہ کا نشان نہیں ملتا۔ اس طرح یہ دونوں چیزیں اذان میں مسنون نہیں ہیں، لہٰذا جو شخص بھی اس مقام پر یہ عمل سنت سمجھ کر کرے گا اُسے روکا جائے گا۔ چونکہ یہ تو بلا دلیل ایک مسئلہ کو شریعت کی طرف منسوب کرنا ہے اور ایسا کرنے والے کو سختی کے ساتھ روک دیا جائے گا۔

علامہ مفتی محمد حسین نعیمی لکھتے ہیں : اذان کے کلمات مقرر ہیں۔ اس میں کمی بیشی کرنا یا ان کے آگے پیچھے درود شریف یا قرآن کریم کی آیات بلا فصل ملانا بدعت ہے اور عبادت میں خلل ڈالنے

پڑھ لیا تو سجدہ سہو کرنا پڑے گا۔

مسنون اذان کے کلمات

(۷۴) اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اشھد أن لا إلٰہ الا اللّٰہ، اشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ، اشھد أن محمداً رسول اللّٰہ، اشھد أن محمداً رسول اللّٰہ، حی علی الصلوۃ ،حی علی الصلوۃ ،حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لاإلٰہ إلا اللّٰہ.

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقوس بنانے کا حکم دیا تا کہ ناقوس بجا کر لوگوں کو نماز کے لئے جمع کیا جائے۔ تو میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو ناقوس اٹھائے ہوئے ہے۔ میں نے کہا یہ ناقوس بیچو گے؟ اس نے کہا کہ تم اس کو کیا کرو گے؟ میں نے کہا اس سے نماز کے لئے لوگوں کو جمع کریں گے۔ اس نے کہا تمھیں اس سے بہتر چیز نہ بتا دوں؟ میں نے کہا ضرور! اس نے کہا اچھا تو پھر تم یہ کہا کرو (ترجمہ) اللہ سب سے بڑا ہے (۴ دفعہ) میں (صدق دل) سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے علاوہ اور کوئی عبادت کے قابل نہیں۔ (۲ دفعہ) میں (میں

کے مترادف ہے۔ اذان کے ساتھ اول درود شریف کو لازم قرار دینا یا اہل سنت کا شعار بنانا بھی بدعت ہے اور عبادت معہودہ میں تحریف کرنے کی کوشش ہے۔ (ملخص) فتویٰ مفتی محمد حسین نعیمی، جامعہ نعیمیہ، لاہور انوار الصوفیہ میں ہے: قرون اولیٰ میں بلکہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے سے پہلے کہیں بھی اذان سے پہلے بلند آواز سے تسمیہ یا صلاۃ وسلام پڑھنا مشروع نہیں ہے۔ دراصل یہ زوائد وہابیوں دیوبندیوں کی ضد سے یا نعت خواں قسم کے مؤذنین نے پیدا کئے ہیں، یہ رسم جو اسلام میں معہود نہیں تھی جہلاء پڑھاتے چلے جا رہے ہیں اور علماء کرام خاموش ہیں، پتہ نہیں کیا وجہ ہے؟ (ملخص انوار الصوفیہ ترجمان استانہ علی پور شریف) جنوری ۱۹۷۸ء۔ دار العلوم حزب الاحناف کا فتویٰ: فجر ہونے سے پہلے لاؤڈ اسپیکر پر بلند آواز سے درود شریف پڑھنا جائز نہیں۔ فتویٰ دار العلوم حزب الاحناف، لاہور۔ ۲۲ را کتوبر ۱۹۷۸ء

الغرض اذان سے پہلے یا بعد درود شریف وغیرہ کا اضافہ قرآن وسنت واقوال صحابہؓ سے ثابت نہیں ہے اور خود بریلوی مکتب فکر کے علماء نے بھی اس کو بدعت اور ناجائز قرار دیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ تمام بریلوی حضرات گروہی رجحانات کو بالائے طاق رکھ کر ان حقیقت پسندانہ تعلیمات پر عمل کریں۔

صدق دل سے) گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں (۲دفعہ) نماز کے لئے آؤ (۲دفعہ) کامیابی کی طرف آؤ (۲دفعہ) اللہ سب سے بڑا ہے (۲دفعہ) اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ (الحدیث)

(قال الزیلعی ھذا ثابت صحیح) (ابوداؤد: باب کیف الأذان)

(۷۵) فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو دفعہ الصلوٰۃ خیر من النوم کہنا چاہئے۔

عن أبی محذورة وفیه. قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فإن کان صلوة الصبح قلت الصلوة خیر من النوم. الصلوة خیر من النوم. (الحدیث)

(قال العظیم آبادی حدیث صحیح) (ابو داؤد : کیف الأذان)

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر صبح کی نماز کا وقت ہو تو دو دفعہ الصلوة خیر من النوم کہا کرو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسنون یہ ہے کہ فجر کی اذان میں مؤذن جب حی علی الفلاح کہہ لے تو الصلوة خیر من النوم کہے۔

(قال البیہقی اسنادہ صحیح) (بیہقی: التثویب فی اذان الصبح)

اذان کا جواب دینا

(۷۶) اذان کے آداب کا تقاضا ہے کہ اس دوران ادھر ادھر کی بات چیت نہ کرے بلکہ کلمات اذان پر غور کرے اور مؤذن کے ساتھ ساتھ یہ کلمات دہراتا جائے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جب تم اذان سنو تو وہی کلمات دہراؤ جو مؤذن کہتا ہے۔“

(مسلم: استحباب القول مثل قول المؤذن۔ بخاری: مایقول اذا سمع المنادی)

اذان کے بعد دعا

(۷۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اذان سننے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اس کے لئے میری شفاعت حلال

ہوگئی۔(بخاری:الدعاءعندالنداء)

دعا یہ ہے :

اللّٰھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ والصلوۃ القائمۃ آت محمداً الوسیلۃ والفضیلۃ وابعثہ مقاماً محمودا الذی وعدتہ۔"

اقامت کا بیان

(۷۸)(الف) اقامت کے مسنون کلمات یہ ہیں

اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، اشھد أن لا إلہ الا اللّٰہ، اشھد أن لا إلہ إلا اللّٰہ، اشھد أن محمداً رسول اللّٰہ، اشھد أن محمداً رسول اللّٰہ، حی علی الصلوۃ، حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، حی علی الفلاح، قد قامت الصلاۃ، قد قامت الصلاۃ، اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر، لاإلہ إلا اللّٰہ.

(ب) مؤذن رسول حضرت ابومحذورۃ کا عمل

عن ابن محیریز انہ سمع ابا محذورۃ یقول "علمنی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الاقامۃ سبع عشرۃ کلمۃ."

ابن محیریز نے حضرت ابومحذورۃ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامت کے سترہ کلمات سکھائے تھے۔

واضح رہے کہ ترمذیؒ نے حضرت ابومحذورہؓ سے جو مرفوع روایت نقل کی ہے اس میں بھی سترہ کلمات اقامت کا ذکر ہے۔ امام ترمذیؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(ج) مؤذن رسول حضرت سلمۃ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کا عمل بھی یہی تھا۔

عن عبید مولی سلمۃ بن الاکوع أن سلمۃ بن الأکوع کان یثنی الإقامۃ. (طحاوی : الإقامۃ کیف ھی؟)

حضرت عبید فرماتے ہیں کہ سلمۃ بن الاکوع اقامت کے دوہرے کلمات کہا کرتے تھے (یعنی اشھد ان لا إلہ إلا اللّٰہ سے آخری اللّٰہ اکبر تک تمام کلمات دودفعہ کہا کرتے تھے)

(د) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا آخری عمل (۱)

عن الأسود بن يزيد أن بلالاً كان يثنى الأذان ويثنى الاقامة.

(مصنف عبدالرزاق، اسناده صحيح، آثار السنن. ج ۱. ص ۵۳)

حضرت اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان واقامت کے کلمات دو دو دفعہ کہا کرتے تھے۔

---

(۱) عن انس رضى الله عنه قال امر بلال أن يشفع الأذان ويؤتر الاقامة.

(مسلم : الأمر بشفع الأذان)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دوہرے اور اقامت کے کلمات اکہرے کہا کریں۔

لہٰذا حضرت بلالؓ ابتدائی ایام میں اقامت کے کلمات ایک ایک دفعہ کہتے تھے، لیکن جب یہ حکم منسوخ ہوا تو پھر آپ آخری عمر تک اقامت کے کلمات دودفعہ کہا کرتے تھے۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں :

ثم ثبت هو من بعد على التثنية فى الإقامة بتواتر الاثار فى ذلك فعلم أن ذلك هو ما أمر به . (طحاوى : الإقامة كيف هى؟)

پھر حضرت بلالؓ کا مستقل عمل اقامت دہری کہنے کا رہا جس پر روایات متواترہ دلالت کرتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ حضرت بلالؓ کو اسی کا حکم دیا گیا تھا۔

خود علامہ شوکانیؒ حضرت ابومحذورۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بنیاد بناتے ہوئے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے ابتدائی عمل کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

وهو متاخر عن حديث بلال الذى فيه الا مر بايتار الاقامة لأنه بعد فتح مكة لأن أبا محذورة من مسلمة الفتح وبلالاً امر بافراد الإقامة اول ما شرع الأذان فيكون ناسخاً وقد روى ابو الشيخ أن بلالاً اذن بمنى ورسول الله صلى الله عليه وسلم ثم مرتين مرتين وأقام مثل ذلك إذا عرفت هذا تبين لك أن احاديث تثنية الإقامة صالحة للإحتجاج بها لما أسلفناه واحاديث إفراد الإقامة وان كانت

(۷۹) تکبیر کہنے والے کے ساتھ انہی کلمات کو دہراتے جانا مسنون ہے

عن أبی أمامة رضی الله عنه أن بلالاً أخذ فی الإقامة فلما أن قال قد قامت الصلوة قال النبی صلی الله علیه وسلم أقامها الله وأدامها الله وقال فی الإقامة کنحو حدیث عمر رضی الله عنه فی الأذان.

(ابو داؤد : مایقول إذا سمع الإقامة)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اقامت شروع کی جب وہ قد قامت الصلوٰۃ پر پہنچے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: "اقامها الله وأدامها الله" اور باقی اقامت کا جواب اذان کی طرح دیا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ذکر ہوا۔

انگوٹھے چومنا

(۸۰) مسنون اذان مسنون اقامت اور اس دوران مسنون اعمال کا ذکر ہوا۔ الغرض جو اعمال بھی مستحسن تھے وہ ہمیں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتا دیئے۔ اب اس

أصح منها لکثرة طرقها وکونها فی الصحیحین لکن أحادیث التثنیة مشتملة علی الزیادة فالمصیر الیها مع تأخر تاریخ بعضها کما عرفناک.

(شوکانی: نیل الأوطار۔ ج۔۲۔ ص۲۴۔ باب صفة الأذان....)

حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ والی روایت حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی ایک روایت سے مؤخر ہے جس میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اکہری اقامت کہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ چونکہ حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اکہری اقامت کہنے کا حکم شروع شروع میں دیا گیا تھا۔ لہٰذا حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ والی روایت نے سابقہ حکم کو منسوخ کر دیا، بلکہ ابوالشیخ نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں اذان دی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں موجود تھے۔ تو وہ اذان واقامت ایک جیسی تھی اور اس میں دو دو دفعہ کلمات کو دہرایا گیا ہے۔ جب تمہیں یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو واضح ہو گیا کہ جن احادیث میں دہری اقامت کا ذکر ہے وہ دلیل بن سکتی ہیں اور اکہری اقامت والی احادیث طرق مختلفہ اور صحیحین میں وارد ہونے کی وجہ سے گو کہ زیادہ صحیح ہیں لیکن دہری اقامت والی احادیث میں ایک زیادہ چیز کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا ان کی طرف رجوع کرنا لازم ہے۔ خاص طور پر اس لئے بھی کہ ان میں آخری زمانہ کا تذکرہ ہے جیسے کہ ہم بتا چکے ہیں۔

میں اپنی طرف سے پیوند لگانا ہم اہلسنت وجماعت کو زیب نہیں دیتا کہ یہ شانِ نبوت میں گستاخی ہے جیسا کہ بعض مبتدعین اذان واقامت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر انگوٹھے چومتے ہیں۔ذخیرہ (۱) احادیث میں کہیں اس کا پتہ نہیں ملتا۔

---

(۱) ذخیرۂ قرآن وسنت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر انگوٹھے چومنے کا ذکر نہیں ملتا۔یہی وجہ ہے کہ اس کو جائز ثابت کرنے کے لئے من گھڑت قصوں کا سہارا لیا جاتا ہے۔
ایک قصہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ جسے علامہ سخاوی رحمہ اللہ المقاصد الحسنہ باب المیم میں نقل کر کے خود فرمایا کہ "ولا یصح" یہ واقعہ سرے سے صحیح ہی نہیں ہے۔
علامہ سخاویؒ کی پوری عبارت درج ذیل ہے۔ذکره الديلمي في الفردوس من حديث أبي بكر لما سمع قول المؤذن اشهد أن محمداً رسول الله قال هذا وقبل باطن الأنملتين السبابتين ومسح على عينيه فقال صلى الله عليه وسلم من فعل مثل ما فعل خليلي فقد حلت له شفاعتي "ولا يصح."
ایک اسی قسم کا قصہ حضرت خضر علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس کی بابت خود علامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وكذا ما أورده أبو العباس أحمد بن أبي بكر الرداد اليماني المتصوف في كتابه موجبات الرحمة وعزائم المغفرة بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام. (المقاصد الحسنه : باب الميم)
ترجمہ:"اور اسی طرح وہ قصہ بھی غلط ہے جس کو ابوالعباس یمنی صوفی نے اپنی کتاب "موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ" میں درج کیا ہے، چونکہ اس کی سند میں بہت سے نامعلوم (مجہول) لوگ ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کہ خضر علیہ السلام کے ساتھ سرے سے راوی کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔"
ایک اور قصہ حضرت طاؤس کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے شمس بن نصر سے سنا کہ جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر انگوٹھے چومے وہ اندھا نہیں ہوگا۔
خود علامہ سخاوی اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ" ولا يصح في المرفوع من هذا شئ ۔"
ان سب باتوں میں سے ایک بھی مرفوعاً ثابت نہیں۔
اور جناب احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ انگوٹھے چومنا کسی بھی صحیح مرفوع حدیث سے ثابت نہیں تو آجا کے بعض ضعیف اور مجروح قصے ہیں جن کا سہارا لیا جاتا ہے اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ اسلامی تعلیمات کی بنیاد ٹھوس حقائق اور مضبوط دلائل پر رکھی گئی ہے۔من گھڑت قصے کہانیوں پر نہیں۔ملاحظہ ہو۔وہ لکھتے ہیں:
"اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا

نماز کی مسنون ترکیب

(۸۱) جب نماز پڑھنے لگو تو قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو جاؤ، پھر جو نماز پڑھنی ہے اس کی نیت دل سے کرو، مثلاً یہ کہ "فجر کی نماز اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھتا ہوں۔" پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ، ہتھیلیاں اور انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے

"اذان میں وقت استماع نام پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھوں کے ناخن چومنا آنکھوں پر رکھنا کسی حدیث صحیح مرفوع سے ثابت نہیں۔ یہ جو کچھ اس میں روایت کیا جاتا ہے کلام سے خالی۔ پس جو اس کے لئے ایسا ثبوت مانے یا اسے مؤکد جانے یا نفس ترک کو باعث زجر وملامت کہے وہ بے شک غلطی پر ہے۔ ہاں بعض احادیث ضعیفہ مجروحہ میں تقبیل ابہامین وارد ہے۔" (احمد رضا خاں۔ مجموعہ رسائل۔ ج ۲۔ ص ۱۵۵)

یہاں بعض علماء کو ایک غلطی لگی کہ "یہ باتیں ضعیف ہیں اور فضائل میں ضعیف کمزور روایتوں پر بھی عمل کر لیا جاتا ہے" لیکن اگر ان باتوں کے ثبوت کا ضعیف احتمال بھی ہو تو شاید ان کا کہنا درست ہوگا۔ جب کہ یہ باتیں سرے سے من گھڑت اور موضوع ہیں تو کسی درجہ میں بھی عمل کی بنیاد نہیں بن سکتیں۔ ملاحظہ ہو:

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الأحاديث التي رويت في تقبيل الأنامل وجعلها على العينين عند سماع اسمه صلى الله عليه وسلم عن المؤذن في كلمة الشهادة كلها موضوعات۔ (تيسر المقال)

کہ دوران اذان کلمہ شہادت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر انگوٹھے چومنے کی تمام روایات من گھڑت (موضوع) ہیں۔

مقابل ہوں۔ اس وقت اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لو۔ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھو اور نظر سجدہ کی جگہ رہے ہاتھ باندھ کر آہستہ سبحانک اللّٰھم پڑھو، پھر اعوذ باللّٰہ.... بسم اللّٰہ. پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھو۔ پھر آہستہ سے آمین کہہ کر کوئی سورت یا ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیات پڑھو۔ لیکن اگر تم امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہو تو سبحانک اللّٰھم پڑھ کر خاموش کھڑے رہو۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں جاؤ۔ پیٹھ کو سیدھا رکھو اور انگلیوں کو کھول کر ان سے گھٹنوں کو پکڑ لو، رکوع میں تین یا پانچ مرتبہ تسبیح پڑھو، پھر سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور ربنا لک الحمد کہو۔ اگر امام کے پیچھے ہو تو امام صرف سمع اللّٰہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے، پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں جاؤ۔ پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی رکھو، ہاتھوں کی انگلیاں قبلہ رخ رہیں۔ کہنیاں پسلیوں سے اور پیٹ رانوں سے علیحدہ رہے۔ کہنیاں زمین پر مت بچھاؤ۔ سجدے میں تین یا پانچ مرتبہ تسبیح کہو، پھر پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہتے ہوئے بیٹھ جاؤ۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کرو، پھر تکبیر کہتے ہوئے اٹھو، اٹھنے میں پہلے پیشانی پھر ناک پھر ہاتھ پھر گھٹنے اٹھا کر پنجوں کے بل سیدھے کھڑے ہو جاؤ کھڑے ہو کر ہاتھ باندھ لو اور بسم اللہ اور سورہ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھو۔ اگر امام کے پیچھے ہو تو خاموش کھڑے رہو۔ پھر اسی طرح رکوع، قومہ، سجدہ، جلسہ، دوسرا سجدہ کرو۔ دوسرے سجدے سے اٹھ کر بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جاؤ۔ دایاں پاؤں کھڑا رہے اور ہاتھوں کو رانوں پر رکھو اور التحیات پڑھو۔ جب اشھد ان لا الٰہ پہنچو تو سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے اور بڑی انگلی سے حلقہ باندھ لو اور چھنگلیا اور اس کے پاس والی چھوٹی انگلی کو بند کر لو اور

اور علامہ سخاویؒ ابن حجرؒ سے نقل کرتے ہیں کہ:

ویجوز ویستحب العلم فی الفضائل والترغیب والترھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً وقال "اما الموضوع فلا یجوز العمل بہ بحال" (القول البدیع۔ ص ۹۵ تا ۱۹۶)

کہ فضائل اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف روایت پر عمل کرنا جائز اور مستحسن ہے۔ بشرطیکہ من گھڑت نہ ہو۔ چونکہ من گھڑت (موضوع) بات پر عمل کرنا کسی حال میں جائز نہیں۔

شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کرو لا إلٰہ پر انگلی اٹھاؤ اور إلا اللّٰہ پر جھکا لو اور یہ حلقہ اخیر تک باندھے رکھو، اگر دو رکعت والی نماز ہے تو تشہد ختم کر کے درود شریف پڑھو، پھر دعا پڑھ کر دائیں بائیں سلام پھیر دو اور اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہو تو تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کے بجائے تکبیر کہتے ہوئے کھڑے ہو جاؤ اور تیسری یا چوتھی رکعت پوری کر کے سلام پھیر دو۔

فرائض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد کوئی سورت پڑھنا ضروری نہیں۔ البتہ سنن ونوافل کی تیسری، چوتھی رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ ملانا ضروری ہے۔

اس اجمال کے بعد ذیل میں اہم نقاط کی تفصیل اور دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

کپڑے پہننا

(۸۲) صاف ستھرے کپڑے پہن کر نماز پڑھنی چاہئے۔ واضح رہے کہ مرد کے لئے کم از کم ناف سے گھٹنوں تک جسم کو چھپانا ضروری ہے۔ جب کہ عورت کے لئے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے علاوہ بقیہ سارا بدن چھپانا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔

ارشاد ربانی ہے۔ یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد.

(الأعراف ۳۱)

اے آدم کی اولاد ہر نماز کے وقت آرائش اختیار کرو۔

حضرت ابن عباسؓ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”ران ستر ہے (یعنی اس کو چھپانا ضروری ہے) حضرت ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے گھٹنے کو ڈھانپ دیا۔“

(بخاری: ما یذکر فی الفخذ)

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کپڑا وسیع ہو تو پورے جسم پر لپیٹ لیا کرو ورنہ لنگی کی طرح باندھ لیا کرو۔

(بخاری: باذا کان الثوب ضیقا)

سر ڈھانپنا

(۸۴) نماز کے آداب میں سے یہ ہے کہ پورا لباس پہن کر نماز پڑھے اور سر کو بھی ڈھانپ کر رکھے بلکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ہر شخص کو عام حالات میں سر ڈھانپ کر رکھنا چاہئے۔ ہاں اگر مجبوری کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی، لیکن کپڑا ہوتے ہوئے بھی ننگے سر نماز پڑھنا اور ننگے سر رہنا خلاف سنت ہے۔ (۱)

عن أنس بن مالک قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یکثر القناع..... (شمائل ترمذی. ص ۷۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات اپنے سر مبارک کو کپڑے سے ڈھانپ کر رکھتے تھے۔

---

(۱) خود مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ فرماتے ہیں :

صحیح مسنون طریقہ نماز کا وہی ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بالدوام ثابت ہوا ہے یعنی بدن پر کپڑے اور سر ڈھکا ہوا ہو پگڑی سے یا ٹوپی سے۔

(ثناء اللہ امرتسریؒ : فتاویٰ ثنائیہ۔ ج ۱۔ ص ۵۲۵)

نیز مولانا ابوسعید شرف الدینؒ لکھتے ہیں :

(ننگے سر) نماز ادا ہو جائے گی مگر سر ڈھانپنا اچھا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اکثر عمامہ یا ٹوپی رکھتے تھے..... مگر یہ بعض کا جو شیوہ ہے کہ گھر سے پگڑی یا ٹوپی سر پر رکھ کر آئے ہیں اور ٹوپی یا پگڑی قصداً اتار کر ننگے سر نماز پڑھنے کو اپنا شعار بنا رکھا ہے اور پھر اس کو سنت کہتے ہیں بالکل غلط ہے۔ یہ فعل سنت سے ثابت نہیں ہاں اس فعل کو مطلقاً ناجائز کہنا بھی بیوقوفی ہے ایسے ہی برہنہ سر کو بلاوجہ شعار بنانا بھی خلاف سنت ہے اور خلاف سنت بے وقوفی ہی تو ہوتی ہے۔

(ثناء اللہ امرتسری: فتاویٰ ثنائیہ۔ ج ۱۔ ص ۵۲۳)

مولانا غزنویؒ فرماتے ہیں :

اگر ننگے سر نماز فیشن کی وجہ سے ہے تو نماز مکروہ ہے اگر خشوع کے لئے ہے تو تشبہ بالنصاریٰ ہے، اسلام میں سوائے احرام کے ننگے سر رہنا خشوع کے لئے نہیں ہے، اگر سستی کی وجہ سے ہے تو منافقین کی عادت ہے، غرض ہر لحاظ سے ناپسندیدہ ہے۔ (فتاویٰ علماء اہل حدیث۔ ج ۴۔ ص ۲۹۱)

استقبال قبلہ

(۸۴)(الف) نماز پڑھتے وقت ضروری ہے کہ نمازی کا رخ قبلہ کی طرف ہو، مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہے۔

ارشادربانی ہے :

قد نری تقلب وجهک فی السماء فلنولینک قبلة ترضها فول وجهک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوهکم شطره .... (الآیة. بقرة. ۱۴۴)

بیشک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف تو یقیناً پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے، اب پھیر اپنا منہ مسجد حرام کی طرف اور جس جگہ تم ہوا کرو اپنا منہ اس کی طرف پھیرو.....

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ جب نماز پڑھنے کا ارادہ ہو تو کامل وضو کرو پھر قبلہ رو ہو کر نماز پڑھو۔ (مسلم: واجبات الصلوٰۃ)

(ب) استقبال قبلہ نماز کی بنیادی شرط ہے جیسے باوضو ہونا، کپڑوں، بدن، جگہ کا پاک ہونا، نماز کی بنیادی شرائط ہیں، اسی اہمیت کے پیش نظر ارشاد ربانی ہے کہ "تم جہاں کہیں بھی ہو (نماز پڑھتے وقت) قبلہ رخ ہو جاؤ"

یہی وجہ ہے کہ اگر نمازی کا رخ لحہ بھر کے لئے بھی جہت قبلہ سے پھر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ بس اور ریل گاڑی وغیرہ میں نماز پڑھتے وقت استقبال قبلہ (۱) اور دیگر تمام شرائط وارکان کا خیال رکھنا ضروری ہے ورنہ نماز نہ ہو گی۔

---

(۱) بعض لوگ گاڑی میں نماز پڑھنے کے لئے تیمم کر لیتے ہیں، حالانکہ اگر نماز کے مقرر وقت میں پانی ملنا ممکن ہو تو تیمم کرنا صحیح نہ ہو گا اور اگر حالات کا اندازہ ہو کہ راستہ میں وضو کا انتظام نہ ہو سکے گا تو دیگر ضروریات سفر کی طرح پانی بھی ساتھ رکھا جائے، نیز قبلہ رخ ہوئے بغیر جس طرف بھی رُخ ہو نماز پڑھ لیتے ہیں یہ نماز صحیح نہیں۔ اس پر مزید کہ یہ نماز بیٹھ کر اشاروں سے پڑھی جاتی ہے، جو صحیح نہیں چونکہ قیام فرض ہے اور دیگر ارکان کی تصحیح اور مکمل ادائیگی بھی ضروری ہے اور اشاروں سے نماز پڑھنا

قیام

(۸۵) صحت مند آدمی کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص اس سے معذور ہو تو بیٹھ کر نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور اگر بیٹھنے کی ہمت بھی نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھے۔ ایسی حالتوں میں سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ جھکے۔ اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو نماز کو مؤخر کرنے کی اجازت ہے چونکہ اس کے بعد اور کوئی مرحلہ نہیں اور آنکھوں کے اشارہ سے نماز نہیں ہوتی۔

واضح رہے کہ نوافل میں اختیار ہے چاہے کھڑے ہو کر ادا کرے یا بیٹھ کر۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر ورنہ لیٹ کر تو بہر حال نماز ادا کرو۔ (بخاری: اذا لم یطق قاعداً...)

نیت

(۸۶) نیت دل کا ارادہ ہے نماز پڑھنے سے پہلے متعین کرے کہ نماز فرض ہے یا سنت، یا جماعت ہے یا علحدہ، کتنی رکعات ہیں اور پانچ نمازوں میں سے کون سی نماز ہے؟ پس دل ہی دل میں ان امور کی تعیین کافی ہے۔ لیکن اگر کسی کو وساوس آتے ہوں اور وہ نماز شروع کر کے توڑ دیتا ہو یا نماز کے خشوع وخضوع اور دھیان میں کمی آتی ہو اس خیال سے کہ کہیں نیت میں غلطی تو نہیں ہو گئی؟ اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ زبان سے بھی یہ کلمات دہرا لے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ الحدیث (بخاری: کیف کان بدء الوحی)

اس وقت روا ہے جب اور کوئی ممکنہ صورت نہ رہے، جب کہ یہاں اولاً تو سفر کے لئے ایسے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے جس میں نمازیں بآسانی ادا ہو سکیں۔ ثانیاً نماز کے لئے بس وغیرہ رکوانے کی بات چیت بھی ہو سکتی ہے۔ ورنہ کم از کم مقررہ اسٹاپ پر جتنی دیر گاڑی رکتی ہے اس میں فرض رکعات تو ادا کی جا سکتی ہیں۔

تکبیر

(۸۷) اللہ اکبر کہتے ہوئے نماز شروع کرے، تکبیر کے بعد سلام پھیرنے تک نماز کے علاوہ خارجی کام حرام ہوگئے، اسی لئے اسے تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اور پھر ہر ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے تکبیر کہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ جب نماز کا ارادہ فرماتے تو نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت اللہ اکبر کہتے۔ پھر رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہتے اور رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے۔ پھر کھڑے ہو کر ربنا لك الحمد کہتے پھر دونوں دفعہ سجدہ میں جاتے ہوئے تکبیر کہتے اور نماز مکمل ہونے تک یونہی تکبیر کہتے اور دوسری رکعت میں تشہد کے بعد اٹھتے ہوئے بھی تکبیر کہتے۔ (بخاری: باب التکبیر اذا قام من السجود)

ہاتھوں کو اٹھانا

(۸۸) (الف) تکبیر کہتے ہوئے ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا چاہئے۔ اس طور پر کہ ہتھیلیاں اور انگلیاں قبلہ رخ رہیں اور انگوٹھے کانوں کی لو کے بالمقابل ہوں۔

عن براء بن عاذب قال كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا كبر لافتتاح الصلوة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريباً من شحمتي اذنيه.

(طحاوى : رفع اليدين فى افتتاح الصلوة)

حضرت براء بن عاذب فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ جب نماز شروع کرنے کی تکبیر کہتے تو ہاتھوں کو اتنا اٹھاتے کہ دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر ہو جاتے۔

(ب) يقول ابوهريرة رضى الله عنه كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا قام إلى الصلوة رفع يديه مداً.

(ترمذى : نشر الاصابع عند التكبير)

وفى رواية مسلم عن قتادة أنه رأى نبى الله صلى الله عليه وسلم

وقال حتى يحاذي بهما فروع أذنيه.

(مسلم : استحباب رفع اليدين حذو المنكبين)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو ہاتھوں کو اچھی طرح اٹھاتے اور صحیح مسلم میں حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبیؐ کو دیکھا وہ ہاتھوں کو کانوں کی لوتک اٹھاتے تھے۔ (۱)

دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا

(۸۹) (الف) اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ اس طور پر باندھے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی کی پشت پر رہے اور انگوٹھے اور چھنگلیا کا حلقہ بنا کر گٹے کو پکڑ لے اور باقی تین انگلیاں بائیں کلائی پر رہیں۔ (۲)

(۱) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے تھے جیسا کہ آپ کا عمل کانوں تک اٹھانے کا بھی تھا اور کانوں کی لوتک بھی۔ یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ صرف کندھوں تک ہاتھ اٹھاتے ہیں اور دوسرے طبقہ کی بابت علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ وہ ہاتھوں کو کانوں سے بھی اونچا اٹھاتے ہیں۔ (نیل الأوطار۔ج ا۔ص ۱۸۹)
مگر فقہاء حنفیہ کی نظر چونکہ صرف ایک حدیث پر نہیں بلکہ احادیث پر ہوتی ہے اس لئے وہ فرماتے ہیں کہ "تکبیر کہتے وقت اس طرح ہاتھ اٹھاؤ کہ تمام احادیث پر عمل ہو سکے کہ ہاتھ کی انگلیاں کانوں کے برابر انگوٹھے کانوں کی لو کے اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر ہوں۔

(۲) اس سلسلہ میں تین قسم کے عمل منقول ہیں۔
۱- دائیں کلائی کو بائیں کلائی پر رکھنا۔

عن سهل بن سعد قال كان الناس يؤمرون أن يضع الرجل اليد اليمنى علا ذراعه اليسرى في الصلوة- (بخاری : وضع اليمنى على اليسرى)

۲- دائیں ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی کی پشت پر رکھنا۔ ۳- دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا۔" یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ صرف پہلی حدیث پر عمل کر کے بقیہ احادیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن فقہاء حنفیہ کی نظر چونکہ احادیث پر وسیع ہے۔ لہٰذا ان کے ہاں مسنون و مستحسن ہے کہ ان تمام صورتوں کو جمع کیا جائے۔ چونکہ ابوداؤد کی روایت عاصم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تینوں صورتوں کو جمع فرمایا کہ دائیں ہاتھ کا کچھ حصہ بائیں ہتھیلی پر اور کچھ کلائی پر رکھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ کہ دوسری روایات میں ہاتھ کو پکڑنے کی وضاحت بھی ہے۔

عن عاصم بن كليب قال فيه..... ثم وضع يده اليمنى على ظهر كفه اليسرى والرسغ والساعد.... الحديث.

(ابو داؤد : رفع اليدين في الصلوة)

حضرت عاصم بن کلیبؒ فرماتے ہیں کہ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ کو اس طرح رکھا کہ وہ بائیں ہتھیلی کی پشت اور گٹے اور کلائی پر تھا۔

(ب) عن قبيصة عن أبيه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يئومنا فيأخذ شماله بيمينه.

(حسن ،ترمذی : ماجاء في وضع اليمين على الشمال)

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ کے والد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھاتے وقت اپنے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑا کرتے تھے۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا

(۹۰) (الف) حالت قیام میں ہاتھوں کو ناف کے نیچے باندھنا مسنون ہے۔(۱)

قال على رضى الله عنه السنة وضع الكف على الكف في الصلاة تحت السرة. (ابو داؤد : وضع اليمنى على اليسرى)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ نماز میں ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے باندھا جائے۔

(ب) عن أنس قال ثلاث من اخلاق النبوة تعجيل الافطار وتاخير

---

(۱) ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں یا سینہ پر؟ اس پر کوئی قطعی ویقینی نص موجود نہیں، البتہ دونوں طرف ایسی روایات موجود ہیں جس پر علمائے سند نے کلام کیا ہے، تاہم ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات نسبتاً زیادہ واضح اور ثابت ہیں۔ ذیل میں سینہ پر ہاتھ باندھنے کے دلائل اور ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

دلائل

۱ – عن وائل بن حجر قال صليت مع النبى صلى الله غليه وسلم فوضع يده اليمنىٰ على اليسرى على صدره۔ (ابن خزيمة)

السحور ووضع اليد اليمنى على اليسرى فى الصلاة تحت السرة.

(جوهر النقی. باب وضع اليدين على الصدر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین چیزیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق نبوت میں سے ہیں۔

۱- وقت ہونے پر جلد افطار کر لینا۔

۲- سحری آخری وقت میں کھانا۔

۳- نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر ناف کے نیچے باندھنا۔

۲- عن هلب قال رأيت النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يضع يده على صدره (مسند احمد)

۳- عن طاؤس قال كان النبی صلی اللّٰه عليه وسلم يضع يده اليمنى على يده اليسرى ثم يشد بينهما على صدره وهو فی الصلوة۔ (مراسيل ابی داؤد)

۴- عن ابن عباس رضی اللّٰه عنهما قال ضع يدك اليمنى على الشمال عند النحر۔

جائزہ

دلیل نمبر ۱ :عن وائل بن حجر قال صليت.. الحديث

یہ حدیث تین طرح سے منقول ہے۔(الف) مصنف بن أبی شیبہ میں وائل بن حجر کی اسی روایت میں "علی صدرہ" (سینہ پر) کے بجائے "تحت السرۃ" (ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے) کے الفاظ ہیں۔

(ب) ابن خزیمہ کی نقل کردہ روایت میں "علی صدرہ" کے الفاظ ہیں۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ اعلام الموقعین ۔ج ۳۔ص ۹ پر فرماتے ہیں۔"أنه لم يقل على صدره غير مؤمل بن اسماعيل" کہ اس حدیث کو نقل کرنے والوں میں مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ کسی نے بھی علی صدرہٖ کے الفاظ نقل نہیں کئے۔جس کی بابت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "منکر الحدیث" کہ اس کی بیان کردہ حدیثیں منکر ہیں۔

امام ابوزرعہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "وہ آخر عمر میں بہت غلطیاں کیا کرتا تھا۔" نیز یہ کہ اس روایت کی سند میں سفیان ثوریؒ بھی ہیں جن کا اپنا مسلک یہ ہے کہ ناف کے نیچے ہاتھ باندھے جائیں اگر یہ روایت قابل عمل ہوتی تو حضرت سفیان ثوریؒ ضرور اس پر عمل پیرا ہوتے۔

(ج) دلیل عقلی

عقلی دلیل اور فطری عادت کے مطابق جب انتہائے ادب و تعظیم مقصود ہو تو انسان ناف کے نیچے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

(د) امام ابوحنیفہؒ، سفیان ثوریؒ، اسحاق بن راہویہؒ، ابواسحاق المروزی الشافعیؒ سب ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ کا مشہور مسلک، امام شافعی رحمۃ اللہ سے ایک روایت بھی یہی ہے۔

(ج) وائل بن حجر کی روایت کو بزاز نے بھی نقل کیا ہے اس میں "علی صدرہٖ" کے بجائے "عند صدرہٖ" کے الفاظ ہیں۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک راوی محمد بن حجر ہے "لہ مناکیر" کہ جو بہت سی منکر روایات کا راوی ہے"۔

الغرض یہ روایت تین طرح سے منقول ہے ایک میں تو ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے۔ دوسرے میں مؤمل بن اسماعیل اور تیسرے میں محمد بن حجر جیسے راوی ہیں۔ پھر اس سے کیونکر استدلال ممکن ہے؟

جائزہ دلیل نمبر۲ : عن هلب قال رأيت........ الخ

(الف) تفرد به سماك بن حرب ولينه غير واحد وقال النسائي۔ إذا تفرد بأصل لم يكن حجة۔

اس کی روایت میں سماک بن حرب نے تفرد اختیار کیا ہے اور اس کو بہت سے محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سماک جب تفرد اختیار کرے تو اس کی روایت دلیل نہیں بن سکتی۔

(ب) اس روایت کی سند میں حضرت سفیان ثوریؒ ہیں۔ اگر یہ روایت قابل استدلال و عمل ہوتی تو وہ خود بھی اس پر عمل کرتے، جب کہ وہ بھی ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔

جائزہ دلیل نمبر۳ : عن طاؤس قال كان..... الحديث

(الف) علامہ نیموی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

(ب) یہ روایت مرسل ہے۔ (ملخص معارف السنن۔ ج۔ ص ۴۳۵ تا ۴۴۵)

جائزہ دلیل نمبر۴ :

عن ابن عباس رضی اللہ عنه قال ضع يدك اليمنىٰ.... الخ

ثناء

(۹۱) (الف) اللہ اکبر کہہ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھے امام ہو یا مقتدی آہستہ آواز سے یہ ثناء پڑھے۔

سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا إله غیرک.

اے اللہ تو شریکوں سے پاک ہے۔ بے عیب ہے تیری تعریف کرتا ہوں، تیرے نام میں بڑی برکت ہے، تیری شان سب سے اونچی ہے، اور تیرے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں۔

ارشاد ربانی ہے :

وسبح بحمد ربک حین تقوم. (الطور. ۴۸)

حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ ثناء پڑھا کرو۔

"سبحانک اللّٰھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إله

(الف) اس کی سند میں یحییٰ بن ابی طالب ہے جس کی بابت موسیٰ بن ہارونؒ فرماتے ہیں : "اشهد أنه يكذب" میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کی عادت جھوٹ بولنے کی تھی۔ "وخط ابوداؤد علی حدیثه"۔
امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے نقل کردہ احادیث کو حذف کر دیا تھا۔ (میزان الاعتدال : ج۳۔ ص۲۶۳)

(ب) اس کی سند میں "عمرو" راوی ہے جس کی بابت علامہ ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "منکر الحدیث .... جوهر النقي۔ ج ۲۔ ص ۳۰)
کہ اس کی بیان کردہ روایت منکر ہوتی ہے۔

(ج) اس کی سند میں "روح" راوی ہے جس کی بابت ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں
"یروی الموضوعات ولا تحل الروایة عنه۔"
کہ وہ من گھڑت روایتیں نقل کرتا ہے اس سے روایت کرنا حلال نہیں۔ قال الحاکم، لیس بالقوی۔"
امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ کوئی قوی نہیں ہے۔

غیرک".

(ابن الجوزی : زاد المسیر. ج٨. ص٦٠)

عن عبدة أن عمر رضی الله عنه کان یجهر بهؤلاء الکلمات یقول "سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إله غیرک".

(مسلم ، حجة من قال لایجهر بالبسملة)

رواه الدار قطنی وفیه یسمعنا ویعلمنا.

قال المنذری وقد روی هذا الکلام من عمر مرفوعاً إلی رسول الله صلی اللّٰه علیه وسلم قال الدار قطنی وهو الصحیح. (عون المعبود. ج. ٢. ص ٤٧٩)

حضرت عبدة سے منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (لوگوں کو تعلیم کے لئے) ان کلمات کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ "سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا إله غیرک".

دار قطنی کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ ہمیں سکھانے اور بتانے کے لئے سناتے تھے۔ منذری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ثناء حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً بھی منقول ہے۔ دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے۔

(ب) افضل ثناء

امام بن تیمیہؒ فرماتے ہیں :

فأفضل انواع الاستفتاح ما کان ثناء محضاً.

"سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا إله غیرک". (ابن تیمیہؒ : قاعده فی انواع الاستفتاح. ص ٢٨)

نماز کے شروع میں سب سے بہتر پڑھی جانے والی چیز وہ ہے جو محض ثناء ہی ثناء ہو اور وہ ہے سبحانک اللّٰهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک

ولا إله غيرك.

(ج) قال الشوكانى، قال المصنف وجهر به عمر احيانا بمحضر من الصحابة ليتعلمه الناس مع أن السنة إخفاء يدل على أنه الأفضل و أنه الذى كان النبى صلى الله عليه وسلم يداوم عليه غالباً.

(نيل الاوطار. ج ۲. ص ۲۱۲)

علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مصنف نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ صحابہ کی موجودگی میں کبھی کبھی بلند آواز سے ثناء پڑھ لیتے تا کہ لوگوں کو اس کا پتہ چل جائے باوجودیکہ اس کو آہستہ آواز سے پڑھنا ہی مسنون ہے اور یہ عمل دلالت کرتا ہے کہ یہی ثناء پڑھنا افضل ہے اور یہی وہ ثناء ہے جس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر پڑھا کرتے تھے۔

(د) عمل صحابہ رضی اللہ عنہم

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہی منقول ہے حضرت علیؓ حضرت عائشہؓ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت جابرؓ حضرت جبیر بن مطعمؓ اور حضرت بن عمرؓ سے۔

(ترمذی : مایقول عند افتتاح الصلوٰۃ)

شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی یہی ثناء پڑھا کرتے تھے۔ دار قطنی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور ابن المنذر نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہی نقل کیا ہے۔

(شوکانی : نیل الاوطار۔ ج ۲۔ ص ۲۱۱)

تعوذ

(۹۲) ثناء پڑھنے کے بعد منفرد اور امام کو چاہئے کہ پست آواز سے یہ تعوذ پڑھے۔ (۱) اور مقتدی ثناء پڑھ کر خاموش ہو جائے۔ اعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم۔ میں شیطانی پھندوں سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔

---

(۱) تعوذ کا معنی ہے "پناہ حاصل کرنا" منفرد وہ ہے جو بغیر جماعت کے اکیلا نماز پڑھے، مقتدی وہ ہے جو امام کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرے۔

ارشاد ربانی ہے :

فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطن الرجيم. (النحل. ۹۸)

جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود کے حملوں سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ حاصل کرلیا کرو۔

عن الحسن أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يتعوذ "اعوذ بالله من الشطين الرجيم." (تلخيص الجبير . ص ۲۳۰)

حضرت حسن فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پناہ حاصل کرنے کے لئے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتے تھے۔

تسمیہ

(۹۴) (الف) تعوذ کے بعد امام آہستہ آواز سے تسمیہ پڑھے اور مقتدی خاموش رہیں۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے نام کے ساتھ شروع کرتا ہوں جو نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل تسمیہ بلند آواز سے پڑھنے کا نہیں تھا۔

(ب) عن أنس رضي الله عنه قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وعمر وعثمان فلم اسمع احدا منهم يقرأ بسم الله الرحمن الرحيم. (مسلم :حجة من لايجهر بالبسملة)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں پڑھیں، لیکن کسی ایک کو بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے نہیں سنا۔

(ج) عن أنس رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم وأبا بكر و عمر كانوا يفتتحون الصلوة بالحمد لله رب العالمين.

(بخاری : ما يقرأ بعد التكبير)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ

عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز کی قرأت الحمد للہ رب العالمین سے شروع کیا کرتے تھے۔

عن البراء رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخفی بسم اللہ الرحمن الرحیم. (جامع المسانید. ج ا . ص ۳۴۷)

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آہستہ سے پڑھا کرتے تھے۔

خلفاء راشدین، دیگر صحابہ اور تابعین کا عمل

(د) قال الترمذی، والعمل علیہ عند اکثر اهل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منهم ابوبکر وعمر وعثمان وعلی وغیرهم ومن بعدهم من التابعین وبہ یقول الثوری وابن المبارک، واحمد واسحاق، لا یرون أن یجهر بسم اللہ الرحمن الرحیم قالوا ویقولها فی نفسہ. (ترمذی : ما جاء فی ترک الجهر بسم اللہ الرحمن الرحیم)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جمہور صحابہ کا عمل بھی یہی تھا۔ جن میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ بھی ہیں اور ان کے بعد تابعین کا بھی یہی مسلک تھا۔ سفیان ثوریؒ، ابن المبارکؒ، امام احمدؒ، اسحاقؒ، یہ سب کے سب تسمیہ اونچی پڑھنے کے قائل نہ تھے، بلکہ کہتے تھے کہ تسمیہ آہستہ پڑھی جائے۔

(۹۴) الغرض معلوم ہوا کہ نماز میں بلند آواز سے تسمیہ نہیں پڑھنی چاہئے چونکہ احادیث نبویہ کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت خلفاء راشدین کی سنت حضرات صحابہ تابعین اور بقیہ اسلاف امت کا عمل یہی ہے۔(۱)

---

(۱) بعض لوگ بلند آواز سے تسمیہ پڑھنے کے لئے نعیم مجمر کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

عن نعیم المجمر قال صلیت وراء أبی هریرة فقرأ بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم قرأ بام القرآن۔

جس کی بابت علامہ زیلعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

۱- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے آٹھ سو شاگردوں میں سے جن میں صحابہ اور تابعین بھی ہیں کسی نے

سورۃ فاتحہ

(۹۵) تسمیہ کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھے

اگر نمازی امام ہے تو فجر، مغرب، عشاء، کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ بلند آواز سے پڑھے اور ظہر و عصر کی نماز میں آہستہ۔

اگر نمازی امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہے تو خاموش رہے۔

اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو وہ بھی تسمیہ کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ، اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ، صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ. (الفاتحة)

بھی با آواز بلند تسمیہ پڑھنے کو نقل نہیں کیا، سوائے نعیم مجمر کے لہٰذا یہ حدیث معلول ہے۔

۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف یہ نسبت نعیم مجمر کا وہم ہے۔

۳- امام بخاری و مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں بسم اللہ کا ذکر نہیں کیا۔

۴- نعیم مجمر کی روایت میں تسمیہ کی زیادتی کو زیادتی ثقہ کہہ کر قبول نہیں کیا جا سکتا چونکہ اس مسئلہ میں صحیح مسلک یہ ہے کہ زیادتی تب قبول ہوتی ہے کہ اس کا راوی معتمد ہو اور جس نے یہ اضافہ نقل نہیں کیا، وہ اسی جیسا یا اس سے کم ہو، حالانکہ نعیم مجمر کی اس زیادتی کی بابت غالب گمان ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

۵- بالفرض اگر یہ روایت صحیح ہوتی تو بھی اس سے جہر تسمیہ پر استدلال نہیں ہو سکتا چونکہ اس میں مطلقاً تسمیہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ بلند آواز سے پڑھنے کا ذکر نہیں۔

(نصب الرایۃ۔ ص ۳۳۶)

۶- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام کی جہری نمازوں میں بلند آواز سے تلاوت کرتے تھے۔ اگر وہ تسمیہ بھی جہراً پڑھتے ہوتے تو یقیناً سب کو معلوم ہوتا، اور پھر حضرت انس رضی اللہ عنہ یہ کیوں فرماتے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین میں سے کسی نے بھی تسمیہ اونچی آواز سے نہیں پڑھی؟ پھر حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ اس کو بدعت شمار کیوں کرتے؟ اور پھر آج تک محراب نبوی میں اہل مدینہ کا مسلسل عمل ترک جہر پر کیوں ہے؟

ہر طرح کی تعریف کے لائق صرف اللہ ہے جو سارے جہانوں کو پالنے والا ہے۔ نہایت رحم کرنے والا مہربان ہے۔ قیامت کے دن کا مالک ہے۔ اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں تو ہم کو سیدھا راستہ دکھا، ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنا فضل کیا جو تیرے غضب سے محفوظ رہے اور جو بھٹکے ہوئے نہیں۔

الغرض اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ نعیم مجمر کی روایت سے جہر تسمیہ پر استدلال صحیح نہیں۔
اور اس کے علاوہ کوئی اور صحیح روایت بھی نہیں ملتی جس سے جہر تسمیہ سنت ثابت ہو۔
اس لئے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "فصحیح تلک الاحادیث غیر صریح و صریحها غیر صحیح۔" (زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۲۰۷)
اس سلسلہ میں جو احادیث صحیحہ وارد ہیں ان میں جہر تسمیہ کی تصریح نہیں ہے اور جن روایات میں جہر تسمیہ کی تصریح ہے وہ صحیح نہیں ہیں۔
نیز امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

وقد اتفق أهل المعرفة أنه ليس فى الجهر حديث صحيح ولم يرو اهل السنن من ذلك شيئاً وإنما يوجد الجهر بها فى أحاديث موضوعة وإنما كثر الكذب فى أحاديث الجهر لأن الشيعة ترى الجهر وهم من أكذب الناس فوضعوا أحاديث لبسوا بها على الناس أمر دينهم ولهذا يوجد فى كلام ائمة أهل السنة مثل سفيان الثوريؒ من السنة المسح على الخفين وترك الجهر بالبسملة، كما يذكرون تقديم أبى بكر وعمر رضى الله عنهما لأنهم كان عندهم شعار الرافضة۔

(مختصر فتاوى ابن تيمية۔ ص ۴۸۔ ص ۴۶)

اہل علم کا اتفاق ہے کہ تسمیہ اونچی پڑھنے کے بارے میں کوئی صحیح حدیث موجود نہیں جسے اہل سنن نے نقل کیا ہو، البتہ اونچی بسم اللہ پڑھنے کا تذکرہ من گھڑت روایات میں ضرور ملتا ہے، ابن تیمیہؒ اس کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، نماز کے دوران اونچی تسمیہ کے مسئلہ میں جھوٹی روایات اس لئے بہت ہیں کہ شیعہ کا نظریہ بھی یہی ہے اور وہ سب سے جھوٹے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے جھوٹی روایتیں گھڑ کر اس دینی مسئلہ کو مشتبہ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ سفیان ثوری اور دیگر ائمہ اہل سنت نے فرمایا کہ موزوں پر مسح کرنا اور تسمیہ آہستہ پڑھنا اہل سنت ہونے کی پہچان ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کو مقدم ماننا اہل سنت کی علامت ہے چونکہ ان کے برعکس دوسری چیزیں شیعہ کی نمایاں علامات ہیں۔

(۹۶) منفرد سورۃ فاتحہ پڑھے

منفرد وہ شخص ہے جو اکیلا نماز پڑھے۔ ایسے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھے۔

عن عبادة بن الصامت رضی الله عنه یبلغ به النبی صلی الله علیه وسلم لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب."

(صحیح مسلم : وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة)

حضرت عبادۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی تشریح کے لئے ہم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضرات تابعین و محدثینؒ کی طرف رجوع کرتے ہیں، چونکہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلوبہ مفہوم ومراد کو بخوبی سمجھتے تھے۔

۱۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اکیلا نماز پڑھے۔ اس کے لئے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، لیکن اگر امام کے پیچھے ہو تو ضروری نہیں ہے۔

نواب صاحب کا ارشاد

نیز خود نواب صدیق حسن خانؒ طریقہ نماز بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بسم اللہ آہستہ پڑھے۔ ملاحظہ ہو۔

"بعدہ بسملہ گوید آہستہ واحتیاط دریں است زیرا کہ روایت مختلف آمدہ است در بودن و نبودن بسملہ آیتی از فاتحہ وصحیح شدہ است از آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افتتاح کردن نماز بالحمد وعدم جہر بسم اللہ..." نواب صدیق حسن خاں : مسک الختام۔ ج ۱۔ ص ۲۷۹)

کہ نماز میں تعوذ کے بعد تسمیہ آہستہ پڑھے کہ احتیاط کا تقاضا یہی ہے چونکہ تسمیہ سورہ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں اس میں مختلف قسم کی روایات ملتی ہیں لیکن یہ بات تو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرأت کا آغاز الحمد سے کیا، نیز یہ کہ تسمیہ بلند آواز سے نہیں پڑھی۔"

اب رکعت کے شروع میں تسمیہ بلند آواز سے پڑھنے والے حضرات کو چاہئے کہ وہ اپنی مسلکی اور گروہی وابستگی کو بالائے طاق رکھ کر اپنی نمازوں کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی سنت کے مطابق کیا کریں۔

اسی لئے امام بخاریؒ کے استاد اور ایک عظیم محدث امام احمدؒ نے بھی حضرت عبادہؓ والی اس حدیث کو منفرد پر ہی محمول کیا ہے جسے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

معنی قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب إذا کان وحده، واحتج بحدیث جابر حیث قال من صلی رکعة لم یقرأ فیها بأم القرآن فلم یصل إلا أن یکون وراء الإمام قال احمد فهذا رجل من أصحاب النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم تأول قول النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب أن هذا إذا کان وحده.

(ترمذی : ترک القراءة خلف الإمام)

لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب کا مفہوم یہ ہے کہ جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر اس کی نماز نہیں ہوگی، اس کی دلیل حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ جس نے ایک رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوگی۔ إلا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام بخاریؒ کے استاد امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا مفہوم وہ ہے جو ایک جلیل القدر صحابیؓ نے سمجھا ہے کہ لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب والی حدیث منفرد کے بارے میں ہے۔

۲- حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت سفیانؒ سے بھی منقول ہے کہ حضرت عبادہؓ کی یہ حدیث منفرد کے بارہ میں ہے ملاحظہ ہو ابوداؤد شریف میں ہے۔

عن عبادة بن الصامتؓ یبلغ به النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فصاعداً، قال سفیان لمن یصلی وحده.

(ابوداؤد : من ترک القراءة)

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبادہؓ کی حدیث لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب فصاعداً اس شخص کی بابت ہے جو اکیلا نماز پڑھ رہا ہو۔

الغرض واضح ہو گیا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سلف صالحینؒ اور محدثینؒ کے نزدیک یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے۔ لہٰذا اس حدیث سے قطعاً یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ امام کے ساتھ مقتدی کو بھی سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔

(۹۷) مقتدی سورۃ فاتحہ نہ پڑھے

تعلیمات قرآنیہ اور ارشادات نبویہ کے مطالعہ سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ باجماعت نماز میں مقتدی کو سورۃ فاتحہ اور زائد سورۃ نہیں پڑھنی چاہئے۔

(۹۸) دلیل نمبرا : ارشاد ربانی ہے : **واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون** (اعراف ۲۰۴) اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

(الف) ذیل میں اس آیت کی تفسیر حضرات صحابہ کرامؓ حضرات تابعین اور حضرات مفسرینؒ و محدثینؒ کے حوالہ سے نقل کی جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن مغفلؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نماز اور خطبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

(تفسیر ابن کثیر۔ ج ۲۔ ص ۲۸۱)

امام بخاریؒ کے استاد امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس بات پر امت اسلامیہ کا اجماع ہے۔ **أجمع الناس على أن هذه الآية فى الصلوة.**

(المغنى. ج ۱. ص ۴۹۰)

اس بات پر سبھی متفق ہیں کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔

امام زید بن اسلمؒ اور ابو العالیہؒ فرماتے ہیں : **"كانوا يقرأون خلف الامام فنزلت واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون."**

(المغنى. ج ۱. ص ۴۹۰)

کہ بعض لوگ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے تو یہ حکم نازل ہوگیا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو۔

عن بشير بن جابرؓ قال صلى ابن مسعود رضى الله عنه فسمع ناساً يقرؤن مع الإمام فلما انصرف قال أما ان لكم ان تفهموا أما ان لكن ان تعقلوا واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا كما أمر.

(تفسير ابن كثير. ج ۲. ص ۲۸۰)

حضرت بشیر بن جابر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی تو انہوں نے محسوس کیا کہ بعض لوگ امام کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ نماز کے بعد آپ نے ایسے لوگوں کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا : اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو اس کے باوجود تم اس بات کو نہیں سمجھتے، کیا اب بھی تمہارے سمجھنے کا وقت نہیں آیا۔

اس تفصیل سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوگئی کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی لہٰذا جب امام قرآن پڑھ رہا ہو تو مقتدی خاموش رہیں۔

(ب) یہاں یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ اس آیت میں دو قسم کے حکم ہیں (۱) غور سے سنو (۲) خاموش رہو، ان دونوں پر عمل صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب مقتدی امام کے ساتھ سورۃ فاتحہ نہ پڑھے۔ چاہے امام اونچی قرأت کر رہا ہو۔ یا آہستہ، البتہ اتنا ضرور ہے کہ جو مقتدی جہری نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھے گا۔ اس نے مندرجہ بالا دونوں حکموں کی خلاف ورزی کی کہ نہ تو امام کی قرأت کو غور سے سنا اور نہ ہی خاموش رہا اور جو مقتدی سری نمازوں میں امام کے ساتھ پڑھے گا۔ اس نے دوسرے حکم کی مخالفت کی کہ خاموش نہیں رہا۔ اسی لئے مشہور مفسر امام ابوبکر جصاصؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :

دلت الأية علی النهي عن القراءة خلف الإمام فيما يجهر به، فهي دالة علی النهي فيما يخفی، لأنه أوجب الإستماع والإنصات عند قراءة القرآن ولم يشترط فيه حال الجهر من الإخفاء فإذا جهر فعلينا الإستماع والإنصات، وإذا خفی فعلينا الإنصات بحكم اللفظ لعلمنا بأنه قاریٔ للقرآن. (أحكام القران. ج ۳. ص ۳۹)

اس آیت کی رو سے جس طرح جہری نمازوں میں مقتدی کو امام کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ اس طرح سری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ پڑھنے سے روکا گیا ہے۔ چونکہ تلاوت قرآن کے وقت اس کو سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے۔ اس میں جہری نماز کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔ الغرض جب امام بلند آواز سے پڑھ رہا ہو تو ہم پر اس کا سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے اور جب وہ آہستہ پڑھ رہا ہو تو خاموش رہنا بہرحال ضروری ہے چونکہ ہمیں معلوم ہے کہ امام قرآن پڑھ رہا ہے۔

(ج) اس آیت سے یہ نتائج معلوم ہوئے۔

☆ یہ آیت قرآنیہ نماز میں فاتحہ خلف الامام کی بابت نازل ہوئی ہے۔

☆ جب امام بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو تو اس کو غور سے سننا اور خاموش رہنا واجب ہے۔

☆ جب امام آہستہ آواز سے قرآن پڑھ رہا ہو تو مقتدی کو خاموش رہنا چاہئے۔

☆ اس آیت میں خاموشی کا حکم ہے اور اس پر عمل اُسی صورت میں ممکن ہے جب مقتدی خود نہ پڑھے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اس شخص کی طرف متوجہ ہوتی ہے جو نماز میں قرآن کو غور سے سنے اور خاموش رہے۔

☆ جو مقتدی امام کے ساتھ قرأت کرتا ہے اس نے اس حکم پر عمل نہیں کیا۔

لہٰذا آج کل جو لوگ اپنی مسلکی مجبوریوں کی وجہ سے اس آیت پر عمل کرنے کے بجائے اس کی دور دراز خانہ ساز تاویلیں کرتے ہیں انہیں بھی چاہئے کہ وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کیا کریں۔

(۹۹) دلیل نمبر۲ : ارشاد ربانی ہے :

لا تحرک به لسانک لتعجل به إن علينا جمعه وقرآنه، فإذا قرأناه فاتبع قرآنه ثم إن علينا بيانه. (القيامة. ۱۶ تا ۱۹)

(اللہ کے نبی) آپ اس (قرآن) کو جلدی جلدی لینے کے لئے اس پر زبان نہ ہلایا کیجئے یہ تو ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوانا جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ پھر اس کا بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

امام بخاریؒ اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت نقل کرتے ہیں :

عن ابن عباسؓ في قوله لا تحرک به لسانک لتعجل به، قال كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يعالج من التنزيل شدة، وكان مما يحرک شفتيه.... فأنزل اللّٰه تعالى لا تحرک به لسانک لتعجل به إن علينا جمعه وقرآنه قال جمعه لک في صدرک وتقرء ه فإذا قرأناه قال

فاستمع له، ثم إن علينا بيانه ثم إن علينا أن تقرئه فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ذالك إذ أتاه جبريل استمع فإذا انطلق جبريل قرأه النبي صلى الله عليه وسلم كما قرأه. (بخاري : كتاب الوحي)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نزول قرآن کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت مشقت ہوتی اور (حضرت جبریل علیہ السلام کی ساتھ ساتھ پڑھنے کے لئے) آپؐ ہونٹ ہلاتے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی کہ آپ اس کو جلدی جلدی لینے کے لئے اس پر زبان نہ ہلایا کیجئے، یہ تو ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کر دینا اور پڑھوانا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے مراد ہے کہ قرآن کو سینہ میں جمع کر دینا اور پڑھوانا، جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کا معنیٰ یہ ہے کہ قرآن کو غور سے سنیں اور چپ رہیں پھر اس کا بیان کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے، یعنی اس کا پڑھوانا، اس آیت کے نزول کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب حضرت جبریل علیہ السلام آتے تو آپ غور سے قرآن سنتے جب وہ واپس چلے جاتے تو پھر آپ پڑھتے جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے پڑھا تھا۔ (بخاری شریف)

☆ **فإذا قرأناه فاتبع قرآنه.** جب ہم پڑھنے لگیں تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجئے۔ اس آیت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ جب ہم قرآن پڑھیں تو آپ اس کی اتباع کریں اور اس وقت خود نہ پڑھیں اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے بھی وضاحت کر دی کہ اتباع سے مراد یہ ہے کہ غور سے سنیں۔ اسی لئے اس آیت کے نزول کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو غور سے سنتے اور تکمیل جبریل کے بعد خود پڑھتے۔

☆ جب نماز سے باہر تلاوت قرآن کے موقع پر حکم الٰہی اور عمل نبوی بغور سننے اور خاموش رہنے کا ہے تو نماز کے دوران اس کا اہتمام اور بھی زیادہ ہونا چاہئے۔ واضح رہے کہ یہ خاصیت وآداب صرف قرآن کے لئے ہے۔ لہٰذا سورۃ فاتحہ اور زائد سورۃ کے علاوہ بقیہ تسبیحات وتکبیرات مقتدی کو بھی پڑھنی ہوں گی۔

(۱۰۰) دلیل نمبر ۳۔ مقتدی خاموش رہے

صحیح مسلم شریف کی درج ذیل حدیث میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام اور مقتدی کی ذمہ داریوں کا تعین فرمادیا ہے۔ بعض میں تو امام اور مقتدی شریک ہیں جب کہ بعض میں شریک نہیں۔ لہٰذا حکم نبویؐ کے مطابق امام اور مقتدی کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کرنی چاہئے۔ اس سلسلے میں مسلم شریف کی روایت بطریق حضرت قتادہؓ ملاحظہ ہو۔

عن أبي موسى قال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم خطبنا فبين لنا سنتنا وعلمنا صلوتنا فقال إذا صليتم فأقيموا صفوفكم ثم ليؤمكم أحدكم فإذا كبر فكبروا وإذا قرأ فانصتوا وإذا قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين يجبكم الله فإذا كبر وركع فكبروا واركعوا فإن الامام يركع قبلكم ويرفع قبلكم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فتلك بتلك وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللّٰهم ربنا لك الحمد يسمع الله لكم فإن الله تبارك وتعالى قال على لسان نبيه صلى الله عليه وسلم سمع الله لمن حمده وإذا كبر فسجد فكبروا واسجدوا.

(صحيح مسلم : التشهد في الصلاة)

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور راہِ سنت دکھائی ہمیں نماز پڑھنے کا طریقہ بتاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم نماز پڑھنے لگو تو اپنی صفوں کو سیدھا کرلیا کرو۔ پھر تم میں سے کوئی ایک امامت کرائے جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قرآن پڑھنے لگے تو تم خاموش ہوجاؤ اور جب وہ غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھ لے تو تم آمین کہو، اللہ تمہاری دعا قبول کرے گا اور جب وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو۔ واضح رہے کہ امام تم سے پہلے رکوع میں جاتا ہے اور تم سے پہلے اٹھتا ہے۔ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم اللّٰھم ربنا لک الحمد کہو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول کرے گا چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے یہ بتایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی تعریف کرکے دعا مانگے اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرتا ہے اور جب امام تکبیر

کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو۔ (مسلم شریف)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو امام احمد امام مسلم امام اسحاق نے صحیح قرار دیا ہے لہٰذا اس پر کسی طرح کا کلام اثر انداز نہیں ہوتا۔ (رسائل دینیہ سلفیہ۔ ص ۵۴)

☆ صحیح مسلم شریف کی یہ حدیث فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے، چونکہ اس میں نماز باجماعت کی تصریح ہے۔

باجماعت نماز کے دوران امام اور مقتدی کے کاموں کا تعین کردیا گیا اور جہاں دونوں میں کچھ فرق ہے اس کی بھی وضاحت کردی۔ مثلاً امام تکبیر تحریمہ کہے تو تم بھی تکبیر

چند بنیادی حقائق

فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ سمجھنے کے لئے یہ جان لینا ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں مختلف آراء ہیں۔ ذیل میں مختصراً ان آراء کو بیان کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ان کے قوی یا ضعیف ہونے کی بابت بھی ضروری وضاحت کی جاتی ہے۔

۱- پہلی رائے : سری وجہری تمام نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ نہ پڑھے۔

۲- دوسری رائے : سری نمازوں میں سورۃ فاتحہ پڑھے جہری نمازوں میں نہ پڑھے۔

۳- تیسری رائے : سورۃ فاتحہ پڑھنے کے دوران اور آخر میں امام جو وقفہ کرے، مقتدی اس میں سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔

۴- تمام نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔

تجزیہ : پہلا مسلک راجح ہے چونکہ قرآن کریم، احادیث شریفہ اور آثار صحابہؓ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ مندرجہ بالا دلائل سے واضح ہو گیا۔

دوسری رائے : درج ذیل وجوہ کی بناء پر دوسری رائے مرجوح ہے۔

۱- قرآنی تعلیمات کی رو سے جب نماز میں قرآن پڑھا جائے تو اس کو سننا اور خاموش رہنا ضروری ہے اس میں جہری اور سری نمازوں کی تفریق نہیں کی گئی۔ لہٰذا ہمیں بھی یہ تفریق نہیں کرنی چاہئے۔

۲- مسلم شریف میں حضرت زید بن ثابتؓ کی حدیث بڑی واضح ہے کہ کسی نماز میں بھی امام کے پیچھے نہیں پڑھنا چاہئے۔

۳- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں ہے کہ چاروں رکعات میں مقتدی نہ پڑھے اور ظاہر ہے چار رکعات والی نمازوں میں سے ظہر وعصر میں مکمل اور عشاء کی دو رکعات میں آہستہ قرأت کی جاتی ہے۔ الغرض جہری وسری دونوں طرح کی نمازوں میں مقتدی امام کے ساتھ نہ پڑھے اور ان میں تفریق کرنا صحیح نہیں کہ جہری نمازوں میں تو مقتدی نہ پڑھے اور سری نمازوں میں پڑھ لے۔

تیسری رائے : دلائل کے نقطۂ نظر سے یہ تیسرا قول بھی کمزور ہے۔ علامہ صنعانی نے غیر مقلد ہونے کے باوجود بلوغ المرام کی شرح سبل السلام میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

ملاحظہ ہو :

ثم اختلف القائلون بوجوب قرأتها خلف الامام فقيل في محل سكتاته بين الآيات وقيل في سكوته بعد تمام قراءة الفاتحة ولا دليل على هذين القولين.

(سبل السلام۔ج ا۔ص ۲۸۷)

فاتحہ خلف الامام کے قائلین کا بھی اختلاف ہے بعض کا کہنا ہے کہ (امام کی قرأت کے دوران) ہر آیت کے بعد والے وقفہ میں سورۃ فاتحہ پڑھتا جائے۔ جب کہ بعض یہ کہتے ہیں کہ امام سورہ فاتحہ پڑھ چکے تو مقتدی سورۃ فاتحہ پڑھے۔ لیکن یہ دونوں قول بلا دلیل ہیں۔

چوتھی رائے کا تجزیہ : پاک و ہند کے غیر مقلدین عوام کو اپنا یہ مسلک بتاتے ہیں کہ باجماعت نماز میں سری و جہری تمام نمازوں میں مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ یہ چوتھا قول دلائل کے اعتبار سے تو بہت زیادہ ہی کمزور ہے ذیل میں اس قول کا مرحلہ وار جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا مرحلہ: قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قول کی کوئی واضح وصریح دلیل قرآن کریم میں موجود نہیں ہے کہ مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے، جب کہ قرآن کریم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب امام قرآن پڑھے تو مقتدی غور سے سنے اور خاموش رہے۔

دوسرا مرحلہ حدیث شریف: قرآن کریم کے بعد دوسری دلیل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ ہیں اور حدیث کا علم رکھنے والوں پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ کوئی ایک صحیح حدیث بھی ایسی نہیں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہو کہ امام کے پیچھے ہر نماز میں مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اس سلسلہ میں حضرات غیر مقلدین جو دلیل بھی پیش کرتے ہیں وہ یا تو مرفوع نہیں ہے، یا وہ ضعیف ہے یا ان میں نماز باجماعت کی صراحت نہیں ہے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ امام بخاریؒ نے فاتحہ خلف الامام سے متعلق بعض روایات کو ایک رسالہ میں جمع کیا ہے جس میں بہت سی روایات ضعیف ہیں۔ نیز بہت سی روایات میں ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے۔ اب حضرات غیر مقلدین اکثر و بیشتر ان ضعیف روایات کو ذکر کرتے ہیں جن میں فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے، لیکن ان روایات کے ضعیف و کمزور ہونے کو چھپاتے ہیں بلکہ یہ مغالطہ دیتے ہیں کہ اس رسالہ کی روایات بھی صحیح بخاری شریف کے معیار کی ہیں۔ نیز یہ حضرات اسی رسالہ کی ان روایات کو بھی عوام سے چھپاتے ہیں جن میں جہری نماز کے دوران مقتدی کے لئے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے۔ الغرض ذیل میں ان حضرات کے اہم دلائل کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ سادہ لوح عوام متنبہ رہیں۔

۱۔حضرت عبادہؓ کی روایت : حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

اقتداء میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرأت گراں گزری تو آپ ؐ نے نماز کے بعد پوچھا شاید کہ تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو۔ ہم نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا صرف سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کرو چونکہ اس کو پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

تجزیہ : شروع میں یہ عرض کر دینا مناسب ہے حضرات غیر مقلدین کی مضبوط ترین دلیل یہ روایت ہے، جس کا تجزیہ آئندہ سطور میں پیش ہوگا اور اس سے اندازہ ہو سکے گا کہ جب ان کی مضبوط ترین دلیل کا یہ حال ہے تو بقیہ دلائل کا کیا حال ہوگا؟

ضعف کی پہلی وجہ : واضح رہے کہ یہ روایت مختلف طرق سے منقول ہے اور نسبتاً اس کا مضبوط سلسلہ سند وہ ہے جس میں محمد بن اسحاق ہے۔ لہٰذا ذیل میں اسی سلسلہ کا ضعف بیان کر دیا جاتا ہے تا کہ بقیہ طرق کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔

حضرت عبادہؓ والی روایت کی سند میں ایک راوی محمد بن اسحاق ہے جس کی بابت قال الدار قطني لا يحتج به، قال سليمان التيمي كذاب، قال مالك دجال من الدجاجلة قال يحيٰ القطان أشهد أن محمد بن اسحاق كذاب۔

(ميزان الإعتدال۔ ج ۳۔ص ۴۶۹ تا ۴۷۱)

دار قطنی فرماتے ہیں کہ محمد بن اسحاق کی بات قابل استدلال نہیں ہے، سلیمان تیمیؒ فرماتے ہیں کہ وہ بہت جھوٹا تھا۔ مالکؒ فرماتے ہیں کہ دجالوں میں سے ہے۔ یحیٰ قطانؒ فرماتے ہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحاق جھوٹا ہے۔

دوسری وجہ : امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ امامت کا یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کے مابین پیش نہیں آیا، بلکہ حضرت عبادہؓ اور بعض تابعین کے مابین پیش آیا ہے (لہٰذا سورۃ فاتحہ پڑھنے سے متعلق اس حکم کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا صحیح نہیں ہے) لیکن چونکہ اس واقعہ کے الفاظ دوسری مرفوع حدیث سے ملتے جلتے تھے تو بعض شامی راویوں کو مغالطہ ہوا اور انہوں نے اس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں حضرت عبادہؓ کی اس روایت کو اس طرح نقل نہیں کیا بلکہ اس میں امامت کا یہ تذکرہ ہی نہیں۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ۔ ج ۲۳۔ص ۲۸۷)

تیسری وجہ : مشہور محدث علامہ محمد یوسف بنوریؒ نے قرأت فاتحہ خلف الامام کی بابت حضرت عبادۃ والی اس روایت پر تفصیلی بحث کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سند میں آٹھ قسم کا اضطراب ہے اور اس کے متن میں تیرہ قسم کا اضطراب ہے۔ (معارف السنن۔ ج ۳۔ص ۲۰۲)

چوتھی وجہ : امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ وهذا الحديث معلل عند أئمة الحديث بأمور كثيرة ضعفه احمد وغيره من الأئمة۔ (فتاوى ابن تيمية۔ ج ۲۳۔ص ۲۸۶)

اس حدیث کو ائمہ حدیث نے مختلف وجوہ کی بنا پر ضعیف وکمزور قرار دیا ہے حتیٰ کہ امام بخاریؒ کے استاد امام احمدؒ اور دوسرے ائمہ نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

قال النیمویؒ حدیث عبادة بن الصامت فی التباس القراءة قد روی بوجوہ کلھا ضعیفة. (آثار السنن. ج ۱. ص ۷۹)

مشہور محدث علامہ نیمویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبادہؓ کی جس روایت میں التباس قرأت کا ذکر ہے اس کے سب طرق ضعیف اور کمزور ہیں۔ آثار السنن کے حاشیہ میں اس کی مکمل تفصیل موجود ہے۔

پانچویں وجہ : مشہور غیر مقلد عالم شیخ البانی صاحب کی تحقیقات کو حضرات غیر مقلدین حرف آخر سمجھتے ہیں ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبادہؓ والی یہ حدیث منسوخ ہے۔ ملاحظہ ہو: نسخ القرأة خلف الإمام (جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام منسوخ ہے) اس عنوان کے ذیل میں لکھتے ہیں

وکان قد اجاز مؤتمین أن یقرئوا بھا وراء الامام فی الصلوة الجھریة ثم نھاھم عن القراءة کلھا فی الجھریة..... وجعل الإنصات لقرأة الإمام من تمام الإتمام فقال انما جعل الإمام لیئوتم به فإذا کبر فکبروا وإذا قرء فانصتوا... شروع میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کی اجازت تھی (آگے حضرت عبادہ کی یہی حدیث بیان کرکے لکھتے ہیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہری نمازوں میں مقتدی کو ہر قسم کی قرأت سے روک دیا... اور امام کی قرأت کے وقت مقتدی کی خاموشی کو اقتدا کے لوازمات میں سے قرار دیا۔ ارشاد نبوی ہوا۔ امام کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے وہ یوں کہ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ (صفۃ صلاۃ النبیؐ ص ۹۳)

الغرض یہ حدیث منسوخ ہے نیز یہ اس قدر ضعیف ہے کہ اس کی بنیاد پر واضح قرآنی آیات ونبوی احادیث کو نہیں چھوڑا جاسکتا اور اس سے فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔

۲-حضرات غیر مقلدین کی دوسری دلیل : **"لا صلاۃ لمن یقرأ بفاتحة الکتاب"**

"جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔"

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جب حضرات غیر مقلدین کو قرآن کریم سے اور صریح ومرفوع احادیث سے کوئی دلیل نہیں ملتی تو اس حدیث کو فاتحہ خلف الامام کی بنیاد بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

تجزیہ : یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ دینی مسائل میں صرف ایک آدھ حدیث کو دیکھ کر بقیہ کو نظر انداز کرکے کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، بلکہ اس مسئلہ سے متعلق جتنی آیات واحادیث منقول ہوں، ان سب کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ فقہاء محدثین کا یہی امتیازی نشان ہوتا ہے۔ گو کہ محدود اور سطحی معلومات رکھنے والے لوگ ایک آدھ حدیث کو دیکھ کر اس کی صحیح مراد متعین کئے بغیر اپنے فہم وذوق کے مطابق اس پر عمل شروع کردیتے ہیں اور بزعم خویش اس خوش فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ ہم بھی حدیث پر عمل کررہے ہیں اور بس اسی نسبت سے اپنے آپ کو اہل حدیث سمجھنے لگتے ہیں۔ واضح

رہے کہ اصل اہل حدیث وہی لوگ ہیں جن کا علمی افق اتنا وسیع ہے کہ ہر مسئلہ سے متعلقہ آیات واحادیث وعمل صحابہؓ پر ان کی نظر ہے اور اسی کے مطابق اُن کا عمل ہے۔

اب فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں اگر صرف یہی ایک حدیث ہوتی تو شاید غیر مقلد حضرات کا مطلوبہ استدلال صحیح ہوتا، لیکن اس سلسلہ کی بقیہ روایات کو پیش نظر رکھنے سے اس حدیث کا جو مفہوم متعین ہوگا وہی صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱- ترمذی شریف میں ہے کہ امام بخاریؒ کے استاذ امام احمدؒ نے اس حدیث کو منفرد پر محمول کیا ہے چونکہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کا یہی مفہوم بتایا ہے قال احمدؒ فهذا رجل من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم تاول قول النبي صلى الله عليه وسلم لا صلاة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب أن هذا إذا كان وحده۔ (ترمذی : ترك القرأة)

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کا یہ مفہوم وہ ہے جو ایک جلیل القدر صحابی نے سمجھا ہے کہ لا صلوٰۃ لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب والی حدیث منفرد کے بارے میں ہے۔

۲- ابوداؤد شریف میں حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں یہ حدیث منفرد کے بارے میں ہے۔

لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً، قال سفيان لمن يصلي وحده.
(ابو داؤد شریف)

حضرت سفیانؒ فرماتے ہیں کہ لاصلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب فصاعداً والی حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کے بارے میں ہے۔

۳- الغرض اس حدیث شریف کا جو مفہوم ایک صحابی رسولؐ نے سمجھا، جس کو امام بخاریؒ کے استاد نے ترجیح دی ہے اور جسے ابوداؤد و ترمذی نے نقل کیا ہے، لہٰذا ہمیں تو وہی مفہوم زیادہ پسند ہے۔

۴- دوسری روایات کو سامنے رکھنے سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے اسی لئے ایسے وقت میں مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بجائے خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

دلیل نمبر۱، دلیل نمبر۲، دلیل ۴، دلیل نمبر۸، دلیل نمبر۹، الغرض مقتدی تو اس حدیث کی زد میں آتا ہی نہیں ہے۔ چونکہ اس حدیث میں اس شخص کی نماز کی نفی کی گئی ہے جس کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہئے تھی مگر اس نے نہیں پڑھی اور وہ منفرد ہے۔ جہاں تک مقتدی کا مسئلہ ہے تو اس کی طرف سے سورۃ فاتحہ پڑھی جاچکی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کو بھی شامل ہے۔ وقد ثبت بالكتاب والسنة وبالاجماع أن انصات المأموم لقرأة

إمامه يتضمن معنى القراءة معه وزيادة۔

(فتاوى ابن تيمية۔ ج ۲۳۔ ص ۲۹۰)

تحقیق یہ بات قرآن کریم حدیث شریف اور اجماع امت کے ساتھ ثابت ہے کہ امام کی قرأت کی وجہ سے مقتدی کا خاموش رہنا ہی اس کے پڑھنے کے حکم میں ہے، بلکہ اس کو قراءۃ کے ثواب کے ساتھ خاموش رہنے سے متعلق حکم کی تعمیل کا ثواب بھی ملتا ہے۔

نیز یہ کہ قرآن کریم وسنت نبویہ کی رو سے مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم مل چکا ہے۔ اب جو مقتدی ان تعلیمات کے مطابق خاموش رہے اور سورۃ فاتحہ نہ پڑھے تو اس پر یہ فتویٰ کیونکر لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی؟

۵- مسلم شریف میں اسی حدیث کی بعض سندوں میں فصاعداً کا لفظ بھی منقول ہے۔ یعنی جو شخص سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد کوئی سورۃ یا چند آیات زائد نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود حضرات غیر مقلدین بھی کہتے ہیں کہ مقتدی یہ زائد سورۃ نہ پڑھے، آخر ایک ہی حدیث میں یہ تفریق کیونکر ہے؟ کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ کو لازمی قرار دیتے ہیں اور زائد سورۃ پڑھنے سے روکتے ہیں؟ جب کہ حدیث میں دونوں کا ذکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرات غیر مقلدین سادہ لوح عوام کے سامنے حدیث شریف کا ایک حصہ بیان کرتے رہتے ہیں۔ "لا صلاة لمن يقرأ بفاتحة الكتاب" لیکن اس کے دوسرے حصہ کو چھپائے رکھتے ہیں چونکہ بیان کے مسلک کے خلاف ہے۔

۶- قرآن کریم احادیث نبویہ شریفہ اور اقوال صحابہ کو پیش نظر رکھ کر اس حدیث کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے اس سے تمام نصوص میں مطابقت وموافقت قائم رہتی ہے کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب والی حدیث منفرد کے بارے میں ہے اور دیگر آیات واحادیث میں مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اگر اس حدیث کا وہ مفہوم لیا جائے جو حضرات غیر مقلدین بیان کرتے ہیں تو پھر اس کا تقاضا ہوگا کہ امام کے پیچھے مقتدی بھی پڑھیں جب کہ قرآنی آیت اور دیگر احادیث میں خاموش رہنے کا حکم ہے، گویا کہ اس مفہوم سے نصوص میں تعارض وٹکراؤ پیدا ہوجائے گا۔ نتیجۃً دو رورازکی تاویلیں کرنی پڑیں گی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے جس میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو کہا گیا ہے۔

تجزیہ: امام بیہقی نے خود ہی اس روایت کی بابت تصریح فرمادی ہے ملاحظہ ہو۔

وقد قيل عن أبي قلابة عن أنس بن مالك وليس بمحفوظ.

(سنن بيهقي. ج ۲. ص ۱۶۶)

جو روایت ابو قلابہ نے حضرت انسؓ سے بیان کی ہے وہ محفوظ نہیں ہے۔

الغرض ان دلائل کے تجزیہ سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرات غیر مقلدین کے پاس ان کے موقف کی کوئی دلیل حدیث شریف میں نہیں اور جن سے وہ استدلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا تو وہ ضعیف ہیں یا ان سے مطلوبہ استدلال صحیح نہیں ہے۔

تیسرا مرحلہ : قرآن کریم اور سنت نبویہ شریفہ کی رو سے مسئلہ فاتحہ خلف الامام کے دلائل کا تجزیہ کردیا گیا۔ ذیل میں حضرات غیر مقلدین کے ان دلائل کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے جن کا تعلق آثار صحابہؓ کے ساتھ ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بنیادی حقیقت پیش نظر رہے کہ

۱- حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف آثار منقول ہیں اکثر میں تو امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے سے روکا گیا ہے جب کہ بعض میں پڑھنے کا ذکر بھی آیا ہے۔ اب وہ آثار یقیناً راجح ہیں جس میں امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کا ذکر ہے چونکہ ان کی تائید قرآن کریم اور احادیث صحیحہ مرفوعہ سے ہوتی ہے۔

۲- یہاں یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ اس تیسرے مرحلہ میں بھی حضرات غیر مقلدین کے اکثر دلائل سند کے اعتبار سے کمزور ہیں جیسے کہ آئندہ تفصیل سے واضح ہوگا۔

حدیث ابی ہریرہؓ :

۱- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نامکمل ہے۔ کسی نے حضرت ابوہریرہؓ سے پوچھا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو؟ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ "اقرأبها فی نفسك" اپنے نفس میں پڑھ لیا کرو.... (آگے سورۃ فاتحہ کی فضیلت کا بیان ہے)

۲- جزء القراءۃ میں حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے کہ جب امام پڑھے تو تم بھی پڑھو۔

تجزیہ : ۱- حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے دو طرح کی روایات منقول ہیں اس روایت سے بظاہر امام کے پیچھے پڑھنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے۔ جب کہ ان کی دوسری حدیث میں صراحت ہے کہ جب امام قرأت شروع کرے تو تم خاموش ہو جاؤ (امام مسلم نے صحیح مسلم شریف میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے) اور یہی قول راجح ہے چونکہ جب ایک ہی شخص سے دو طرح کی روایات منقول ہیں تو وہ روایت راجح ہوگی جس کی تائید قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ہوتی ہے۔

۲- یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ مسئلہ راجح ہے جس کے دلائل قوی ہیں اور دلائل سے یہ حقیقت معلوم ہو چکی کہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں امام کے پیچھے پڑھنے سے روکا گیا ہے اور صراحت کے ساتھ خاموش رہنے کا حکم دیا ہے جب کہ قرآن کریم کی کسی آیت اور کسی حدیث صحیح مرفوع میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ فاتحہ خلف الامام کے جو دلائل بیان کئے جاتے ہیں وہ ضعیف ہیں، امام ابن تیمیہؒ کی تصریح ملاحظہ ہو۔

لکن الذین ینهون عن القراءۃ مع الامام هم جمهور السلف والخلف ومعهم

الكتاب والسنة الصحيحة والذين أوجبوها على المأموم في حال الجهر هكذا فحديثهم قد ضعفه، الائمة ورواه ابو داؤد. (رسائل دينية، تنوع العبادات. ۵۴)

جمہور سلف صالحین قرأت خلف الامام سے روکتے ہیں۔قرآن کریم اوراحادیث صحیحہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور بعض لوگوں کا یہ دعویٰ کہ جہری نمازوں میں بھی امام کے ساتھ پڑھنا واجب ہےان کا استدلال ابوداؤد کی حدیث سے ہے جس کو ائمہ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے۔

معلوم ہوا کہ امام کے پیچھے نہ پڑھنا قرآن وسنت سے ثابت ہے جب کہ پڑھنے کے دلائل کمزور ہیں اور یہ حقیقت بھی معلوم ہے کہ صحابی قرآن کی آیت اور حدیث صحیح مرفوع کے مرتبے وپایہ کا نہیں ہے، لہٰذا جو موقف قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہے وہ قوی اور راجح ہے۔

۳- اگر حضرت ابو ہریرہؓ سے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کا ذکر ہے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہ کرامؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ انہوں نے فاتحہ خلف الامام سے روکا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت جابرؓ کی روایات میں گزرا اور قرآن وحدیث کے دلائل اس پر مستزاد ہیں۔

۴- آخر میں ایک اہم بات پیش نظر رہے کہ اس سارے استدلال کی بنیاد "اقرأ بها في نفسك" پر ہے۔جس کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ آواز سے پڑھا کرو۔لیکن اس جملہ کا یہ ترجمہ کوئی حتمی ویقینی نہیں اس کے اور معنی بھی آئے ہیں جیسا کہ بخاری ومسلم کی درج ذیل روایات میں غور کرنے سے واضح ہوگا جو کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی منقول ہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إن الله تجاوز عن أمتي ما حدثت به أنفسها مالم تعمل أو تكلم قال قتادة إذا طلق في نفسه فليس بشيء (بخاري : الطلاق في الإغلاق)

حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ ان کے دل ہی دل میں جو باتیں ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ان پر کوئی گرفت نہیں کرتے۔ الا یہ کہ وہ ان پر عمل کریں یا اپنی زبان سے ادا کریں۔حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے دل ہی دل میں بیوی کو طلاق کا سوچے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

☆ اس حدیث میں دل ہی دل کی گفتگو کو حدیث نفس قرار دیا گیا ہے جس پر مواخذہ نہیں ہے جب کہ انہی باتوں کا زبان سے ذکر کرنا قابل مواخذہ ہے۔

☆ حضرت قتادہؓ کے کلام میں بھی طلق فی نفسہ کے الفاظ ہیں یعنی دل میں طلاق کا سوچے۔

☆ معلوم ہوا کہ فی نفسہ کا اطلاق دل ہی دل میں کچھ کہنے پر بھی ہوتا ہے۔لہٰذا مندرجہ بالا حدیث ابی ہریرہؓ کے اس جملہ "اقرأ بها في نفسك" میں بھی دونوں احتمال ہیں۔پہلا تو یہ ہے کہ زبان کے ساتھ آہستہ آہستہ پڑھے اور دوسرا یہ ہے کہ دل ہی دل میں پڑھے تو معلوم ہوا کہ یہ حدیث

زبان کے ساتھ آہستہ پڑھنے کے بارے میں صریح نہیں ہے۔
مسلم شریف کی دوسری حدیث ملاحظہ ہو اس میں بھی فی نفسہ کا استعمال ہوا ہے۔
عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الله عز وجل انا عند ظن عبدي بي وأنا معه حين يذكرني ان ذكرني في نفسه ذكرته في نفسي وان ذكرني في ملاءٍ ذكرته في ملاءٍ هم خير منهم۔ (صحیح مسلم : الحث علي ذكر الله)
حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے فرمایا بندہ میرے بارے میں جس قسم کا گمان رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اپنے نفس میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ کسی مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں ایسے مجمع میں اس کا ذکر کرتا ہوں جو اس کے مجمع سے کہیں بہتر ہے۔
☆اس حدیث شریف میں بھی دل میں ذکر کرنا وارد ہے اور ذکرنی فی نفسہ کے الفاظ ہیں اس سے بھی معلوم ہوا کہ فی نفسہ ہی کا استعمال جہاں آہستہ پڑھنے میں ہوتا ہے۔ وہاں دل میں پڑھنے پر بھی ہوتا ہے لہٰذا حدیث ابی ہریرہؓ سے فاتحہ خلف الامام پر استدلال کرنا بہت ہی کمزور ہے۔
حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا اثر :
حضرات غیر مقلدین فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:
یحییٰ بکاء کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فاتحہ خلف الامام کی بابت پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ ان کے ہاں فاتحہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہ تھا۔ (جزء القراءۃ)
تجزیہ :۱- اس میں ایک راوی یحییٰ بن مسلم البکاء ہے جس کو علامہ ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (المیزان۔ ج۴۔ ص۴۰۹)
۲- دلیل نمبر۸ اور نمبر۹ کے ضمن میں روایات صحیحہ سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا مسلک نقل کر دیا گیا کہ وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں تھے اور دلیل نمبر۹ کے ضمن میں امام بیہقیؒ کی تصریح موجود ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہی قول صحیح ہے اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ ان کی طرف اس دوسرے قول کی نسبت صحیح نہیں ہے۔
حضرت ابی بن کعبؓ کا قول :
حضرت عبداللہ بن ہذیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھ لیا کروں تو انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ (جزء القراءۃ)
تجزیہ : اس میں ایک راوی عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ابوجعفر الرازی ہے جو کہ ضعیف ہے ملاحظہ ہو۔

کہو وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر رکوع کرو۔ وہ تکبیر کہہ کر سجدہ کرے تو تم بھی تکبیر کہہ کر سجدہ کرو۔

☆امام مقتدی کے متفرق کاموں کی وضاحت یوں کی کہ جب امام قرأت شروع کرے تو تم خاموش ہو جاؤ اور جب وہ سورۂ فاتحہ ختم کر کے **ولا الضالین** کہے تو تم آمین کہو، اس طرح جب امام **سمع اللہ لمن حمدہ** کہے تو تم **اللھم ربنا لک الحمد** کہو۔

☆اس حدیث مبارک کے الفاظ اور اسلوب میں غور کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ باجماعت نماز میں قرآن پڑھنا صرف امام کی ذمہ داری ہے۔ چونکہ ارشاد نبویؐ ہے جب امام پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ یہاں ایک طرف امام کو پڑھنے والا قرار دیا گیا ہے اور دوسری طرف مقتدیوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا مقتدی نہ تو سورۂ فاتحہ پڑھے نہ ہی کوئی اور سورۃ پڑھے۔ نیز اس حدیث میں ارشاد ہے کہ جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین پڑھے تو تم آمین کہو۔ یہاں بھی امام کو ہی پڑھنے والا قرار دیا گیا ہے۔

☆اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کی تصریح و تعیین بھی موجود ہے۔ جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جب وہ پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ۔ جب وہ **غیر المغضوب**

قال احمد والنسائی لیس بالقوی، قال الفلاس سیئ الحفظ قال ابن حبان ینفرد بالمناکیر عن المشاهیر وقال ابوزرعة یهم کثیراً (المیزان. ج۳. ص ۳۱۹)

امام احمدؒ اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں کہ ابو جعفر الرازی قوی نہیں ہے امام فلاسؒ فرماتے ہیں کہ اس کا حافظہ خراب ہے، ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ مشہور لوگوں کی طرف منکر روایتیں منسوب کرتا تھا ابوزرعہؒ فرماتے ہیں کہ اس کو وہم بہت ہوتا تھا۔

یہ تھے حضرات غیر مقلدین کے چند مشہور دلائل جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے بقیہ دلائل بھی کس قدر کمزور ہیں؟ ان میں وہ دلائل بھی ہیں جن کو امام بخاریؒ نے اپنے رسالہ میں نقل کیا ہے۔ اس مختصر تجزیہ سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ امام بخاریؒ کے اس رسالہ کی روایات کا وہ معیار نہیں جو صحیح بخاری شریف کا ہے۔ عموماً سادہ لوح عوام مغالطہ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان دلائل کا مختصر تجزیہ کر دیا گیا۔

علیھم ولاالضالین تک پہنچ جائے تو تم آمین کہو۔ اب ظاہر ہے کہ تکبیر کے بعد اور غیر المغضوب علیھم ولاالضالین تک جو کچھ پڑھا گیا ہے یہ سورۃ فاتحہ ہی تو ہے اور اسی دوران مقتدیوں کو خاموش رہنے کا حکم دیا ہے۔

☆ الغرض حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو یہی ہے کہ جب امام پڑھے تو تم خاموش ہو جاؤ ہم اہل سنت و جماعت اسی پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن اس حدیث کے مقابلہ میں حضرات غیر مقلدین کہتے ہیں کہ جب امام پڑھے تو تم بھی پڑھو۔ اب قارئین خود ہی فیصلہ کرلیں کہ کس کی بات ماننی چاہئے۔

(۱۰۱) دلیل نمبر ۴ : عن ابی ھریرة رضی اللّٰه عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم إنما جعل الإمام لیؤتم به فإذا کبر فکبروا وإذا قرأ فأنصتوا وإذا قال غیر المغضوب علیھم ولاالضالین فقولوا آمین واذا رکع فارکعوا....... (سنن ابن ماجه : باب إذا قرأ فأنصتوا)

فقال له ابوبکر فحدیث أبی ھریرةؓ فقال ھو صحیح یعنی وإذا قرأ فأنصتوا فقال ھو عندی صحیح.

(صحیح مسلم شریف : التشھد فی الصلاة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کا مقصد ہی یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور اس کی اقتداء یہ ہے کہ جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ پڑھنے لگے تو تم خاموش ہو جاؤ اور جب وہ غیر المغضوب علیھم ولاالضالین کہے تو تم آمین کہو جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔

امام مسلمؒ کے ایک شاگرد ابوبکر نے امام مسلمؒ سے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث کی بابت پوچھا تو امام مسلمؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے، یعنی جس میں وإذا قرأ فانصتوا کا جملہ آیا ہے وہ میرے نزدیک صحیح ہے۔

☆ اس حدیث کی تشریح حضرت ابو موسیٰؓ والی سابقہ روایت سے ملتی جلتی ہے۔

☆ اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیا کہ امام کا مقصد یہ ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے اور اقتداء یہ ہے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب وہ پڑھنے لگے

تو خاموش ہو جاؤ۔ معلوم ہوا کہ امام کے پڑھتے وقت جو شخص خاموش نہیں ہوتا اس نے امام کی صحیح اقتداء نہیں کی، اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص امام کی تکبیر کے وقت تکبیر نہ کہے، امام رکوع میں چلا جائے اور وہ کھڑا رہے تو ایسے شخص کی اقتداء کیونکر صحیح ہوگی؟ ایسے ہی وہ شخص ہے جو امام کے پڑھنے کے وقت خاموش رہنے کے بجائے پڑھنے لگے۔

(۱۰۲) دلیل نمبر ۵ : عن ابی هريرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله عليه وسلم قال إذا قال القارئ غير المغضوب عليهم و لا الضالين فقال من خلفه آمين، فوافق قوله أهل السماء غفر له ما تقدم من ذنبه.

(صحيح مسلم شريف : التسميع التأمين)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قرآن پڑھنے والا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے اور اس کے مقتدی آمین کہیں تو جس کی آمین آسمان والوں کی آمین کی موافق ہوگی اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

☆ یہ حدیث نماز باجماعت کے بارے میں بالکل واضح ہے۔

☆ اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھنے والوں کا اطلاق صرف امام پر کیا ہے، معلوم ہوا کہ باجماعت نماز میں قرآن پڑھنا صرف امام کی ذمہ داری ہے اور اگر امام و مقتدی سب کے ذمہ پڑھنا ہوتا تو امام کی تخصیص نہ کی جاتی۔

اس حدیث میں یہ بھی صراحت ہے کہ سورۃ فاتحہ صرف امام پڑھے گا۔ اسی لئے فرمایا کہ جب قرآن پڑھنے والا (امام) غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو مقتدی آمین کہے۔

(۱۰۳) دلیل نمبر ۶ : عن ابی هريرة رضی الله عنه عن النبی صلی الله عليه وسلم إذا أمن القارئ فأمنوا فإن الملائكة تؤمن.

(صحيح بخاری شريف : كتاب الدعوات. باب التأمين)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب قرآن پڑھنے والا آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، بے شک فرشتے بھی آمین کہتے ہیں۔

☆ گزشتہ حدیث کی طرح یہ حدیث بھی بڑی واضح ہے جو کہ نماز باجماعت کے

بارے میں ہے اور اس میں بھی صرف امام کو پڑھنے والا قرار دیا گیا ہے گویا امام کے علاوہ باقی سب خاموش رہیں، البتہ جب امام آمین کہے تو مقتدی بھی آمین کہیں، اب اگر امام کی طرح مقتدی بھی پڑھنے لگ جائیں تو ان دونوں حدیثوں کی مخالفت لازم آئے گی۔

☆ الغرض صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کی ان دو حدیثوں سے بھی واضح ہوگیا کہ صرف امام ہی پڑھنے والا ہوتا ہے۔ مقتدی خاموش رہتے ہیں۔

(۱۰۴) دلیل نمبر ۷ حالت رکوع میں شمولیت : جو شخص رکوع کی حالت میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے اس کی وہ رکعت مکمل شمار ہوتی ہے۔ حالانکہ اس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ یہ بڑی واضح اور صریح دلیل ہے۔ قرأت فاتحہ مقتدی پر فرض نہیں ہے۔ درج ذیل بخاری شریف کی روایت سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ نیز جمہور اسلاف امت کا مسلک بھی یہی ہے۔

(الف) عن أبی بکرة رضی اللہ عنه أنه انتهی إلی النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو راکع فرکع قبل ان یصل إلی الصف فذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیه وسلم فقال زادک اللہ حرصاً ولاتعد.

(صحیح بخاری : إذا رکع دون الصف)

ذکر ابن حجرؒ، عن الحسن عن الطبرانی فقال أیکم صاحب هذا النفس قال خشیت أن تفوتنی الرکعة معک.

(فتح الباری. إذا رکع دون الصف)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کی حالت میں تھے، تو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا تذکرہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالیٰ تمہارے اس شوق کو بڑھائے، آئندہ ایسا نہ کرنا (کہ صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کر دو)

حافظ ابن حجرؒ فتح الباری شرح بخاری میں اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں کہ طبرانی نے حضرت حسنؓ سے نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کس نے

ایسا کیا تو حضرت ابوبکرہؓ نے عرض کیا کہ میں نے ایسا کیا تا کہ آپ کے ساتھ میری یہ رکعت فوت نہ ہو جائے۔

☆اس روایت سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرہؓ کے شوق کو سراہتے ہوئے انہیں دعا دی اور آئندہ صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی نماز شروع کرنے سے روکا۔

☆حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ جلدی سے رکوع میں شریک ہو گئے تا کہ یہ رکعت فوت نہ ہو جائے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس بات کا ذکر کیا تو آپؐ نے انہیں نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مہر تصدیق ثبت فرمادی کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار ہوتی ہے۔

امام بیہقیؒ کا استدلال

مشہور محدث امام بیہقیؒ نے حضرت ابوبکرہؓ کی یہ روایت اور حضرت ابوبکرہؓ و حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی یہی عمل نقل کیا جاتا ہے اور ان روایات کا عنوان قائم کرتے ہوئے یوں استدلال کیا ہے: **باب من ركع دون الصف وفي ذلك دليل على إدراك الركعة ولولا ذلك لما تكلفوه.** (سنن بیهقی. ج ۲. ص ۹۰)

یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جنہوں نے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کرلیا اور یہ عمل دلیل ہے کہ اس سے ان کا مقصد اس رکعت کو حاصل کرنا تھا۔ ورنہ انہیں اس جدوجہد کی کیا ضرورت تھی؟

(ب) حضرات صحابہ کرامؓ کا نظریہ

ذیل میں رکوع کی حالت میں شامل ہونے والے مقتدی کی بابت حضرت زید بن ثابتؓ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے آثار نقل کئے جاتے ہیں۔ یہ حضرات بھی اسی کے قائل ہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کی وہ رکعت شمار ہوتی ہے۔

إن زيد ابن ثابت وابن عمر كانا يفتيان الرجل إذا انتهى إلى القوم وهم ركوع أن يكبر تكبيرة وقد أدرك الركعة قالا وإن وجدهم سجودًا

سجد معهم ولم يعتد بذلك. (مصنف عبدالرزاق. ج ۲. ص ۲۷۸)

حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ فتویٰ دیا کرتے تھے کہ جو شخص جماعت کو رکوع کی حالت میں پائے وہ تکبیر کہہ کر رکوع کرلے تو اس نے اس رکعت کو پالیا، البتہ اگر وہ سجدہ کی حالت میں شریک ہو تو اس کی یہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔

عن ابن مسعود رضی اللّٰه عنه قال من فاته الركوع فلا يعتد بالسجود. (مصنف عبدالرزاق. ج ۲. ص ۲۸۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا رکوع چھوٹ جائے۔ اور وہ سجدہ میں شریک ہو تو اس کی یہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔

☆ مندرجہ بالا روایات اس مسئلہ میں بالکل صریح ہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار ہوتی ہے اور اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مقتدی پر سورۃ فاتحہ ضروری نہیں ورنہ ایسے شخص کی رکعت کیونکر شمار ہو سکتی ہے جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی؟ مگر افسوس کہ ان صریح روایات کے باوجود بعض لوگ کہتے ہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارک اور حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ارشادات رکوع میں شامل ہونے والے مقتدی کی بابت صراحت سے منقول ہے جب کہ کسی ایک حدیث سے بھی اس صراحت کے ساتھ ثابت نہیں کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی اس رکعت کا اعتبار نہیں۔

(ج) جمہور علماء امت کا مسلک

امام ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ میں نواب صدیق حسن خانؒ نے بدور الأهلة میں علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے عون المعبود میں اور علامہ شوکانیؒ نے نیل الأوطار میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ جمہور علماء امت کا مسلک یہی ہے کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی وہ رکعت شمار ہوگی امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :

والمسبوق إذا لم يتسع وقت قيامه لقراءة الفاتحة فإنه يركع مع إمامه ولا يتم الفاتحة باتفاق الأئمة وإن كان فيه خلاف فهو شاذ.

(مختصر فتاوی ابن تیمیة. ص ۵۹)

جماعت میں تاخیر سے شامل ہونے والے شخص کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کا وقت نہ ملے تو وہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے اور فاتحہ نہ پڑھے۔ اس پر تمام ائمہؒ کا اتفاق ہے اور اس سلسلہ میں اختلاف کی حیثیت شذوذ کے مترادف ہے۔

نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں واعتداد لاحق برکعتے کہ رکوعش دریافتہ مذہب جمہور است مگر جماعتے از اہل علم درآن خلاف کردہ۔ (بدور الأہلۃ)

جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ رکوع میں ملنے والے کی پوری رکعت شمار ہوگی مگر بعض علماء اس کے مخالف ہیں :

الغرض موصوف کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ جمہور کا مسلک یہی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ موصوف اپنی مسلکی مجبوریوں کی وجہ سے جمہور علماء کا رستہ چھوڑ گئے ہیں۔

مشہور غیر مقلد عالم علامہ شمس الحق عظیم آبادیؒ نے عون المعبود میں لکھا ہے کہ علامہ شوکانیؒ نے ابتداء نیل الاوطار میں یہی فرمایا ہے کہ رکوع میں شامل ہونے سے وہ رکعت شمار نہیں ہوتی لیکن بالآخر فتح الربانی فی فتاوی الشوکانی میں اس قول سے رجوع کیا اور جمہور کے مسلک کو راجح قرار دیا چونکہ اس کے دلائل موجود ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

(عون المعبود : الرجل یدرک الإمام ساجداً)

الغرض بخاری شریف کی روایت حضرات صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ اور جمہور علماء امت کے مسلک سے معلوم ہو گیا کہ رکوع میں شامل ہونے والے کی رکعت شمار ہوتی ہے اور علامہ شوکانیؒ نے غیر مقلد ہونے کے باوجود بالآخر اسی موقف کو راجح قرار دیا چونکہ یہ موقف دلائل کے اعتبار سے بہت مضبوط ہے اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقتدی پر فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔

(۱۰۵) دلیل نمبر ۷ مقتدی بالکل قرأت نہ کرے

عن عطاء بن یسار انه اخبره انه سال زید بن ثابتؓ عن القراءۃ مع الإمام فقال لا قراءۃ مع الإمام فی شیءٍ۔

(صحیح مسلم : سجود التلاوۃ)

حضرت عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابتؓ سے پوچھا کہ امام کے ساتھ ساتھ مقتدی کو بھی قرأت کرنی چاہئے یا نہیں تو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ثابتؓ نے جواب دیا کہ کسی نماز میں بھی مقتدی کو امام کے ساتھ قرأت نہیں کرنی چاہئے۔

☆ صحیح مسلم شریف کی یہ روایت امام اور مقتدی کے مسئلہ میں بالکل واضح ہے۔

☆ اس حدیث میں مقتدی کو امام کے ساتھ پڑھنے سے صراحت کے ساتھ روک دیا گیا ہے۔

☆ فی شیء کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ امام کی موجودگی میں مقتدی کو کسی قسم کی قرأت نہیں کرنی چاہئے نہ تو سورۃ فاتحہ اور نہ ہی کوئی اور سورۃ۔

☆ نیز شیء کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ سری و جہری ہر قسم کی نماز میں مقتدی کو امام کے پیچھے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

(۱۰۶) دلیل نمبر ۸۔ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے

عن نافع أن ابن عمر رضی اللہ عنهما كان إذا سئل هل يقرأ خلف الإمام؟ قال إذا صلى أحدكم خلف الإمام فحسبه قراءة الامام وإذا صلى وحده فليقرء قال وكان عبداللہ بن عمر لا يقرء خلف الإمام.

(موطا امام مالک : ترک القراءة خلف الإمام)

حضرت نافع فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا جاتا کہ کیا مقتدی امام کے پیچھے قرأت کرے؟ تو آپؓ فرماتے کہ جب کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہے تو امام کی قرأت اس کے لئے کافی ہے، البتہ جب وہ اکیلا نماز پڑھے تو پھر قرأت کرے۔ حضرت نافع فرماتے ہیں کہ خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے۔

علامہ نیمویؒ نے آثار السنن۔ ج ا۔ ص ۸۹ پر اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۱۰۷) دلیل نمبر ۸ : عن ابن عمر رضی اللہ عنهما أنه كان يقول من صلى وراء الإمام كفاه قراءة الإمام قال قال البيهقي هذا هو الصحيح عن بن عمرؓ من قوله. (سنن بيهقي : من قال لا يقرأ خلف الامام)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھے اس کے لئے امام کی قرأت کافی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہی قول صحیح ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی دونوں روایات میں باجماعت نماز کی صراحت موجود ہے۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بالکل وضاحت سے بتادیا کہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔

☆ یہاں یہ بھی تصریح موجود ہے کہ صرف منفرد قرأت کرے گا۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی کا مسلک و معمول بھی یہی تھا کہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ فاتحہ اور سورۃ نہیں پڑھنی چاہئے۔

(۱۰۸) دلیل نمبر ۱۰۔ امام کے پیچھے قرأت نہیں ہے

عن جابر رضی اللہ عنہ یقول من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بأم القرآن فلم یصل إلا أن یکون وراء الإمام.

(حسن صحیح)(ترمذی : ترک القراءۃ خلف الإمام، موطا امام مالک، باب تجب قرأۃ فاتحۃ الکتاب)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے ایک رکعت میں بھی سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز صحیح نہیں ہوئی، الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

☆ اس حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے سورۃ فاتحہ کا مسئلہ بالکل واضح فرمادیا کہ منفرد ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ پڑھے گا۔

☆ جو شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھے وہ سورۃ فاتحہ نہیں پڑھے گا۔

☆ اس حدیث میں سورۃ فاتحہ کی تعیین بھی ہے اور نماز باجماعت کی تصریح بھی ہے لیکن پھر بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز باجماعت میں مقتدی سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے۔

(۱۰۹) دلیل نمبر ۱۱۔ مقتدی چاروں رکعات میں سورۃ فاتحہ پڑھے

عن ابراھیم أن عبداللہ بن مسعودؓ لم یقرأ خلف الإمام لا فی

الركعتين الأوليين ولا في غيرهما.

(تجامع المسانيد. ج ۱. ص ۳۱۰)

حضرت ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کیا کرتے تھے نہ تو پہلی دو رکعتوں میں اور نہ ہی آخری دو رکعتوں میں۔

☆اس روایت سے بھی صراحتاً معلوم ہوگیا کہ امام کے پیچھے چاروں رکعات میں مقتدی قرأت نہیں کرے گا۔

☆قرأت کا لفظ سورۃ فاتحہ اور زائد سورۃ دونوں کو شامل ہے لہٰذا مقتدی نہ تو سورۃ فاتحہ پڑھے گا نہ ہی کوئی سورۃ۔

(۱۱۰) دلیل نمبر۱۲۔جمہور صحابہ کرامؓ اور جمہور علماءؒ امت کا مسلک

امام ابن تیمیہؒ کی تحقیق پر حضرات غیر مقلدین بہت اعتماد کرتے ہیں۔لہٰذا ذیل میں ان کی تحقیق پیش کی جارہی ہے جس میں انہوں نے قرآن وسنت کو بنیاد بنایا ہے :

والأمر باستماع قرأة الإمام والإنصات له مذكور في القرآن وفي السنة الصحيحة وهو اجماع الأمة فيما زاد على الفاتحة وهو قول جماهير السلف من الصحابة وغيرهم في الفاتحة وغيرها.

(رسائل دينية : تنوع العبادات. ص ۵۵)

امام کی قرأت سننے اور خاموش رہنے کا حکم قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، سورۃ فاتحہ اور اس کے بعد والی سورۃ کی بابت جمہور صحابہ کرامؓ اور دیگر علماء امت کا یہی مسلک اور سورۃ فاتحہ کے بعد والی سورۃ کی قرأت کے وقت مقتدی کے سننے اور خاموش رہنے پر تو ساری امت کا اجماع ہے۔

(۱۱۱) خلاصہ کلام

گزشتہ تحقیق سے واضح ہوگیا کہ :

۱- قرآنی نقطہ نظر سے مقتدی کو امام کی قرأت سننے اور خاموش رہنے کا حکم ہے۔

۲- امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا قرآن کریم سے ثابت نہیں ہے۔

۳- جو مسئلہ قرآن کریم سے ثابت ہے وہ اس پر مسئلہ راجح ہے جو قرآن کریم سے ثابت

نہیں ہے۔

۴- احادیث صحیحہ مرفوعہ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہوگیا کہ قرآن پڑھنا امام کی ذمہ داری ہے اور مقتدی کے ذمہ خاموش رہنا ہے۔

۵- کسی صحیح مرفوع حدیث سے اس صراحت کے ساتھ یہ ثابت نہیں کہ باجماعت نماز میں مقتدی پر سورۃ فاتحہ پڑھنا لازم ہے۔

۶- جو مسئلہ احادیث صحیحہ مرفوعہ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہے وہ بہر حال اس مسئلہ پر راجح ہے جو کسی صحیح و مرفوع حدیث سے صراحتاً ثابت نہیں ہے۔

۷- جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے واضح ارشادات سے معلوم ہوگیا کہ مقتدی کو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے۔

۸- بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے فاتحہ خلف الامام کے جو اقوال منقول ہیں وہ یا تو ضعیف ہیں یا ان میں نماز باجماعت کی صراحت نہیں یا وہ منسوخ ہیں یعنی اس زمانہ سے متعلق ہیں جب ممانعت والا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور اگر کچھ صحیح آثار بھی ہوں تو ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث و جمہور صحابہؓ والے دلائل کو اولیت حاصل ہوگی۔

۹- جو مسئلہ جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وضاحت وصراحت کے ساتھ منقول ہے وہ یقیناً راجح ہے اس مسئلہ کے دلائل میں صراحت وضاحت اور قوت نہیں ہے۔

لہٰذا: ہر شخص کو اپنی پوری نماز قرآن کریم کے واضح ارشادات پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات اور جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات کے مطابق پڑھنی چاہئے کہ اگر وہ منفرد ہے تو ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور سورۃ پڑھے لیکن اگر وہ مقتدی ہے تو سورۃ فاتحہ اور سورۃ نہ پڑھے۔ اس کے باوجود اگر کسی کا فرقہ وارانہ تعصب اور مسلکی وابستگی آڑے آئے تو خدارا اسے بالائے طاق رکھ دے۔

نوٹ : آج کل کچھ لوگ فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں بہت مبالغہ آرائی سے کام لے رہے ہیں اور یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ کہ اہل سنت وجماعت کے پاس امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کو قدرے تفصیل سے بیان کردیا ہے اور مخالفین کے اہم دلائل کا تجزیہ بھی کردیا گیا ہے تاکہ انصاف پسند طبائع اصل حقیقت حال کا اندازہ کرسکیں۔

آمین

(۱۱۲) (الف) جب امام سورۃ فاتحہ مکمل کر چکے تو مقتدی آہستہ سے آمین کہے۔ یہی اولیٰ ہے۔

عن أبی هریر ۃ رضی اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال إذا قال أحدکم آمین وقالت الملائکة فی السماء آمین، فوافقت احداهما الاخری غفرله ما تقدم من ذنبه. (بخاری : فضل التامین)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آمین کہے اور آسمان میں ملائکہ بھی کہیں اور ایک دوسری میں موافقت ہوجائے تو آمین کہنے والے کے سابقہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

قال ابن منیر فی ذکر مناسبة الباب بأن التامین دعاء وقال إن التامین قائم مقام التلخیص بعد البسط فالداعی فصل المقاصد والمؤمن أتی بکلمة تشمل جمیعاً. (فتح الباری شرح بخاری : ج ۲. ص ۲۶۳)

"ابن منیر باب کے ساتھ حدیث کی مناسبت کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ آمین دعا ہے اور آمین تفصیل کے بعد اختصار کے مترادف ہے، امام نے اپنے مقاصد ومطالب کو تفصیلاً ذکر کیا اور اس پر آمین کہنے والا صرف یہ کلمہ کہتا ہے جو ساری دعا کو شامل ہے۔"

اور آمین کا معنی ہے "اللّٰهم استجب" (اللہ اس دعا کو قبول فرما)۔ نیز "کذلك یکون" (اے اللہ ایسا ہی ہوجائے)

(۱۱۳) جب یہ ثابت ہوا کہ آمین دعا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دعا وہ ہے جس میں عاجزی اور اخفاء ہو۔

ارشاد ربانی ہے :

ادعوا ربکم تضرعاً وخفیة إنه لا یحب المعتدین : (الاعراف ۵۵)

اللہ سے دعا کرو گڑگڑا کر اور خفیہ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اس آیت کے ذیل میں ابن کثیر رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں۔

عن أبی موسی الاشعری رضی اللّٰه عنه قال رفع الناس أصواتهم

بالدعاء فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم أيها الناس أربعو على انفسكم فانكم لا تدعون أصم ولا غائباً إن الذين تدعونه سميع قريب.

(تفسير ابن كثير. ج ۲. ص ۲۲۱)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے دعا میں اپنی آوازوں کو بلند کرنا شروع کر دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے لوگو! میانہ روی سے کام لو تم کسی بہرے یا غائب شخص کو نہیں پکار رہے، جس کو تم پکارتے ہو وہ ہر بات کو سننے والا ہے نزدیک ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ

- جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوگی۔ اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائیں گے۔
- آمین دعا ہے۔
- اللہ تعالیٰ نے دعا میں اخفاء پوشیدگی، اور عاجزی کا حکم دیا ہے۔
- جو لوگ اونچی آواز سے دعا کرتے تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو روکا۔
- اللہ تعالیٰ ہر آواز کو سننے والے اور ہر شخص کے قریب ہے۔

لہٰذا آہستہ آواز سے آمین کہنی چاہئے چونکہ یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے۔

(۱۱۴) (ج) بعض علماء کا کہنا ہے کہ آمین ذکر ہے۔ اس صورت میں بھی اس کا اخفا اولیٰ ہے۔

چونکہ ارشاد ربانی ہے :

واذكر ربك فى نفسك تضرعاً وخيفة ودون الجهر من القول.

(اعراف. ۲۰۵)

اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے ایک مختصر سے جملہ میں سارے مسئلہ کو حل کر دیا کہ :

اگر آمین دعا ہو تو سورۃ اعراف کی آیت نمبر ۵۵ کی رو سے آمین آہستہ کہنی چاہئے اور اگر آمین ذکر ہو تب بھی سورہ اعراف کی آیت نمبر ۲۰۵ کی رو سے آہستہ کہنی چاہئے۔

● ارشاد نبوی ہے :

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعلمنا يقول لا تبادروا الامام اذا كبر فكبروا إذا قال و لاالضالين تقولوا آمين : وإذا ركع فاركعوا وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا اللّٰهم ربنا لک الحمد. (مسلم : النهی عن مبادرة الامام بالتكبير وغيره)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے ہیں امام سے جلدی نہ کرو، جب وہ تکبیر کہے پھر تم تکبیر کہو اور جب وہ ولا الضالین کہے، تو تم آمین کہو اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تو تم **اللّٰهم ربنا لک الحمد** کہو۔''

اس روایت میں ارشاد ہوا کہ امام کے ولا الضالین کہنے پر تم آمین کہو اور اسی روایت میں ہے کہ امام کے سمع اللہ لمن حمدہ کہنے پر اللّٰهم ربنا لك الحمد کہو، ظاہر ہے کہ اللّٰهم ربنا لک الحمد آہستہ آواز میں کہا جاتا ہے اور بعینہٖ اسی قسم کے الفاظ آمین کہنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔ لہٰذا دلالت حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین بھی آہستہ آواز سے ہی کہنی چاہئے۔

(د) فرمان عمر رضی اللہ عنہ

عن أبی معمر عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه أنه قال يخفی الامام اربعاً، التعوذ، وبسم اللّٰه الرحمن الرحيم، وآمين، وربنا لک الحمد. (عينی شرح هدايه. ج ١ . ص ٦٢٠)

ابو معمر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کرتے ہیں امام چار چیزوں کو آہستہ آواز سے کہے ۱۔ اعوذ باللہ..... ۲۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ ۳۔ آمین ۔ ۴۔ ربنا لک الحمد۔

حضرت عمرؓ و علیؓ کا طریقہ

عن أبی وائل قال لم يكن عمر و علی يجهران ببسم اللّٰه الرحمن الرحيم ولا بآمين. (الجواهر النقی. ج ٢. ص ٤٨)

حضرت ابووائلؒ فرماتے ہیں کہ دوسرے خلیفہ راشد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول بھی یہی تھا کہ وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آمین بلند آواز سے نہیں کہتے تھے۔

فرمان حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

عن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال یخفی الامام ثلاثاً الاستعاذة وبسم اللہ الرحمن الرحیم، وآمین. (المحلی. ج ۳. ص ۱۸۴)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام تین چیزوں کو آہستہ کہتے۔ تعوذ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور آمین۔

(۱۱۵) اس تحقیق کے بعد یہ نتائج نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔

- قرآنی تعلیمات کی رو سے آمین آہستہ کہنی چاہئے۔

صحیح مسلم شریف میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی معلوم ہوا کہ ربنا لك الحمد کی طرح آمین بھی آہستہ آہستہ آواز سے کہنی چاہئے۔

- آہستہ آمین کی ترجیح کے لئے اتنا کافی ہے کہ آیات قرآنیہ اور مسلم کی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔
- قرآن کریم کی کسی ایک آیت سے بھی اونچی آمین کا ثبوت نہیں ملتا۔
- کسی صحیح حدیث میں آمین اونچی کہنے کا حکم نہیں دیا گیا۔
- اونچی آمین کی بابت جو روایات بیان کی جاتی ہیں سب ضعیف ہیں۔
- آج کل کچھ لوگ مصر ہیں کہ آمین ہمیشہ اونچی آواز سے کہنی چاہئے، لیکن وہ جتنی روایات کا سہارا لیتے ہیں (قطع نظر اس کے کہ وہ ضعیف ہیں) ان میں ایک آدھ دفعہ اونچی آمین کہنے کا ذکر ہے لہٰذا ان سے ہمیشہ والا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔
- حدیث کا علم رکھنے والے حضرات کا کہنا ہے کہ جس روایت میں اونچی آمین کا ذکر ہو تو وہ حاضرین کی تعلیم کے لئے ہے۔ چونکہ بہت سی روایات میں ہے کہ آپ ﷺ سورة فاتحہ کے بعد چند لمحے خاموش رہتے تھے۔ لہٰذا ایک آدھ دفعہ اونچی آمین کہہ کر حاضرین کو بتادیا کہ سورة فاتحہ کے بعد خاموشی والے لمحات میں یہ کلمہ کہا جاتا ہے،

جیسا کہ دیگر روایات میں ہے کہ کبھی آپ ظہر وعصر میں ایک آدھ آیت اونچی پڑھ لیتے تا کہ نئے آنے والے حضرات کو معلوم ہو جائے کہ قرأت ہو رہی ہے نیز مسلم میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ سبحانک اللھم بلند آواز سے پڑھا تعلیم کے لئے اب اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں کہ ظہر وعصر میں ایک آیت اور نماز کے شروع میں سبحانك اللّٰهم بلند آواز سے کہنا چاہئے۔ بعینہٖ یہی کیفیت آمین کی بھی ہے۔

- اگر اونچی آمین کہنا آپ کا معمول ہوتا تو صحیح احادیث کے ذخیرہ میں اس کا ذکر کثرت سے ملتا کہ جن حضرات صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسم کے اشارہ اور اس کی کیفیت تک کو نقل کیا ہے وہ اس عظیم عمل کو ضرور نقل کرتے، لیکن ایسا نہیں، یہی وجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اونچی آمین کا عنوان باندھا ہے لیکن اونچی آمین کی کوئی صحیح مرفوع حدیث نقل نہیں کی۔

اس لئے علامہ نیموی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لم يثبت الجهر بالتامين عن النبى صلى الله عليه وسلم ولا عن الخلفاء الاربعة وما جاء فى الباب فهو لايخلو من شيء.

(آثار السنن. ج ١ . ص ٩٤)

بلند آواز سے آمین کہنا نہ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا اور نہ ہی چاروں خلفاء اور جو کوئی روایت اس سلسلہ میں پیش کی جاتی ہیں۔ وہ جرح وتنقید سے خالی نہیں۔ (۱)

---

(۱) مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں بعض ایسی روایات کی نشاندہی کر دی جائے۔

۱- ام الحصين رضى الله عنهما کی روایت ہے كه أنها صلت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما قال ولا الضالين قال آمين فسمعته وهى فى صف النساء۔

۲- عن أبى هريرة رضى الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا تلا غير المغضوب عليهم ولا الضالين قال آمين۔ حتى يسمع من يليه من الصف الأول۔ وزاد بن ماجة فيرتج بها المسجد۔

۳- عن على أنه سمع النبى صلى الله عليه سلم يقول آمين حين يفرغ من قرأة أم الكتاب۔

سورۃ

(۱۱۶) سورۃ فاتحہ کے بعد امام اور منفرد کوئی اور سورۃ ایک بڑی آیت، یا تین چھوٹی آیات پڑھیں۔

ظہر، عصر، عشاء اور مغرب کی پہلی اور دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ کوئی اور سورت ملائیں آخری رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھیں۔

جائزہ دلیل نمبرا :

عن ام الحصین أنها صلت...

اس میں ایک راوی اسماعیل بن مسلم مکی۔ جس کو علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد۔ ج ۱۔ ص ۲۶۴ میں اور شوکانی نے نیل الاوطار میں ضعیف قرار دیا ہے۔

علامہ مبارک پوریؒ کہتے ہیں : کہ ابن مبارکؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث۔ (تحفۃ الاحوذی۔ ج ۲۔ ص ۹۸)

(الف) اس میں ایک راوی بشر بن رافع ہے جس کو امام بخاریؒ امام ترمذیؒ امام نسائیؒ اور ابن حسینؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ (نصب الرایۃ۔ ج ۱۔ ص ۳۷۱)

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

ابو الأسباط بشر بن رافع وقد اجمعوا علی ضعفه

(مجمع الزوائد۔ ج ۱۔ ص ۱۹۲)

تمام علماء کا اجماع کہ ابو الاسباط بن رافع ضعیف ہیں۔

(ب) اس کی سند میں دوسرا راوی ابو عبداللہ بن عم أبی ہریرۃ ہے۔

وابو عبداللّٰه هذا لا يعرف له حال ولا روىٰ عنه غير بشر والحديث لا يصح۔ (نصب الرأية ج ۱۔ ص ۳۷۱)

ابو عبداللہ یہ راوی مجہول ہے اور بشر بن رافع کے علاوہ کسی اور نے اس سے نقل نہیں کیا۔ لہٰذا یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔

جائزہ دلیل نمبر ۲: عن علی أنه سمع النبی صلی اللّٰه علیه وسلم.....

اس روایت کی بابت ابن ابی حاتم فرماتے ہیں "هذا اعندی خطاء" میرے ہاں یہ غلط ہے نیز اس میں ابن ابی لیلیٰ ہے جس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ (تلخیص الحبیر۔ ص ۲۳۸)

عن أبی قتادة عن ابیه أن النبی صلی الله علیه وسلم کان یقرأ فی الظهر و فی الأولیین بام الکتاب وسورتین وفی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ولیسمعنا الایة ویطول فی الرکعة الاولی ما لا یطول فی الرکعة الثانیة. وهکذا فی العصر وهکذا فی الصبح.

(بخاری : ما یقرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب)

حضرت ابوقتادہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ سلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ ظہر اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ دو سورتیں اور آخری دو

جائزہ دلیل نمبر۴ :

عن أبی هریرةؓ قال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم إذا فرغ من أم القرآن رفع صوته فقال آمین۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منسوب اس حدیث کا مدار اسحاق بن ابراہیم پر ہے اس کی بابت ملاحظہ ہو:

اسحاق بن ابراہیم بن العلاء الزبیدی۔قال النسائی لیس بثقة، وقال ابوداؤد لیس بشیء، و کذبه محدث حمص محمد بن عوف۔

(میزان الاعتدال۔ ج ۱۔ص ۱۸۱)

اسحاق بن ابراہیم زبیدی کی بابت امام نسائیؒ فرماتے ہیں وہ قابل اعتماد نہیں ہے۔ امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں۔ حدیث کے میدان میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ حمص کے شیخ الحدیث محمد بن عوف نے اس کو جھوٹا کہا ہے۔

جائزہ دلیل نمبر۵ : قارئین پر واضح رہے کہ بعض روایات حضرت وائل بن حجرؓ سے منقول ہیں ان میں اونچی آمین کے مختلف الفاظ ہیں جو صرف تعلیم کے لئے ہیں اور حضرت وائلؓ کی ان روایات میں تعلیم کی خصوصیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ چند دن آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے لئے آئے تھے۔ تاکہ وہ براہ راست کچھ باتیں سیکھ لیں۔ اس مناسبت سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعلیم کے لئے بتادیا کہ سورۃ فاتحہ کے بعد آمین کہی جاتی ہے۔ اگر آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم حسب سابق سورۃ فاتحہ کے بعد ایک لمحہ خاموش رہتے اور آہستہ آمین ہی کہتے تو حضرت وائل کو یہ پتہ نہ چلتا کہ اس موقع پر یہ کلمہ کہا جاتا ہے۔ الغرض حضرت وائل سے منقول روایت میں مسئلہ آمین کے اونچا کہنے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی کبھار ہمیں ایک آیت سنا دیتے تھے اور پہلی رکعت کو دوسری رکعت سے لمبا ادا کرتے تھے، عصر اور صبح میں بھی یوں ہی کرتے۔

ظہر اور عصر میں آہستہ قرأت

(۱۱۷) امام اور منفرد ظہر، عصر میں قرأت آہستہ کریں، فجر، نماز جمعہ، نماز عیدین، وتر (باجماعت) میں امام بلند آواز سے قرأت کرے، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں بلند اور بقیہ میں آہستہ قرأت کرے۔

عن ابی معمر قال قلت لخباب بن الارت، آکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الظھر والعصر؟ قال نعم، قال قلت بای شیءٍ کنتم تعلمون قرأته؟ قال باضطراب لحیته. (بخاری : باب القرأة فی العصر)

حضرت ابو معمر نے حضرت خباب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر، عصر میں قرأت کیا کرتے تھے؟ فرمایا "ہاں" ابو معمر نے عرض کیا آپ کو کیسے معلوم ہوتا تھا؟ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارکہ کے ہلنے سے معلوم ہو جاتا کہ آپ پڑھ رہے ہیں۔

(۱۱۸) رفع یدین (ہاتھوں کو اٹھانا)

قرأت سے فارغ ہو کر سیدھا رکوع میں چلا جائے اور رفع یدین نہ کرے، اس طرح رکوع سے اٹھتے ہوئے اور تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے وقت بھی رفع یدین نہ کرے چونکہ قرآن قریم، حدیث شریف، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اور بہت سے اسلاف کا یہی عمل رہا لہٰذا یہی اولیٰ اور بہتر ہے۔

(۱۱۹) دلیل نمبرا، نماز نبوی

قال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ألا اصلی بکم صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فصلی فلم یرفع یدیہ إلا فی أول مرۃ.

(حدیث حسن) (ترمذی : ماجاء فی رفع الیدین)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسنون نماز کا طریقہ نہ بتاؤں؟ پھر آپؓ نے نماز پڑھی اور صرف نماز کی ابتداء میں رفع الیدین کیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کیا کرتے تھے۔ بعد میں نہیں لہٰذا ہمیں بھی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت پر عمل کرتے ہوئے صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرنا چاہئے بعد میں نہیں۔ (۱)

---

(۱) **یقول احمد شاکر: هذا الحدیث صححه بن حزم و غیره من الحفاظ وهو حدیث صحیح وما قالوه فی تعلیله لیس بعلة۔ (ترمذی محقق۔ ج ۲۔ ص ۴۱)**

۱۔ احمد شاکر فرماتے ہیں کہ ابن حزم اور دیگر حفاظ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور جو

(۱۲۰) دلیل نمبر۲، رفع یدین سے ممانعت

عن جابر بن سمرة رضی اللہ عنه قال خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کأنها أذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلاة. (مسلم : الأمر بالسکون فی الصلاة)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا : کیا ہوا میں تمہیں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ گویا وہ شریر گھوڑوں کی دُمیں ہیں۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔"

لوگ اس کی طرف کمزوری کی نسبت کرتے ہیں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

۲- علامہ ترکمانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی مسلم شریف کے راوی ہیں۔

(الجوہر النقی۔ ج۲۔ ص۷۸)

واضح رہے کہ امام ترمذیؒ نے ابن مبارکؒ کا جو قول نقل کیا ہے وہ حضرت ابن مسعودؓ کی اس حدیث کی بابت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ "إنه علیه السلام لم یرفع یدیه إلا فی أول مرة"

جب کہ مندرجہ بالا روایت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے اس بات میں بہت سے علماء کو غلطی ہوئی ہے یا وہ مغالطہ دیتے ہیں۔ (نصب الرایہ۔ ج۱۔ ص۳۹۴)

اس لئے ترمذی شریف کے مختلف نسخوں میں یہ روایت مستقل باب کے تحت نقل کی گئی ہے لہٰذا ابن مبارکؒ کا وہ قول گذشتہ باب میں رہ جاتا ہے۔ آئندہ باب کی حدیث سے اس کا کیا تعلق ہے ملاحظہ ہو۔ (ترمذی محقق۔ ج۲۔ ص۴۱) اس موقع پر احمد شاکر کا یہ تجزیہ بھی ملاحظہ ہو : وذهبوا یصححون بعض الأسانید ویضعفون انتصاراً لمذهبهم وترکوا۔ او کثیراً منهم- سبیل الانصاف والتحقیق- (ترمذی محقق- ج ۲- ص ۴۲) مسئلہ رفع یدین میں بعض متصب لوگ ضعیف احادیث کو صحیح اور صحیح کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حتیٰ کہ ان میں سے اکثر لوگ حقیقت وانصاف کا دامن بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

نوٹ: آج کل کے غیر مقلدین بھی اپنے پرانے ہمواؤں کی طرح سادہ لوح عوام کو بھی باور کراتے ہیں کہ رفع یدین نہ کرنے کی بابت تمام روایات ضعیف ہیں۔ لہٰذا ہم نے مندرجہ بالا تمام دلائل کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے محدثین کے حوالہ سے ان کا صحیح ہونا بھی نقل کردیا ہے تاکہ قارئین کرام غیر مقلدین کے مغالطوں سے محفوظ رہیں۔

مسلم شریف کی اس حدیث میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین کرنے والوں کو سکون کے ساتھ نماز پڑھنے کا حکم دیا چونکہ رفع یدین کرنا سکون کے منافی ہے لہٰذا ہمیں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سکون کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیئے۔(۱)

(۱) مسلم شریف کی ایک اور روایت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کے وقت رفع یدین کرنے سے بھی روکا ہے۔اس میں بھی کأنھا اذناب خیل شمس کا جملہ استعمال فرمایا اس سے بعض حضرات کو شبہ ہو گیا کہ دونوں حدیثیں ایک ہی واقعہ سے متعلق ہیں حالانکہ ایسا نہیں دونوں حدیثوں میں علیحدہ اور مستقل احکام بیان ہوئے ہیں۔دونوں کا باہمی فرق ملاحظہ ہو۔

۱-دونوں روایتوں میں حضرت جابرؓ نے آپ ؐ کے مختلف قسم کے الفاظ نقل کیے ہیں اس حدیث میں ہے۔ مالی أراکم رافعي أیدیکم کانھا أذناب خیل شمس جب کہ دوسری سلام والی روایت میں ہے علام تئومون أیدیکم کانھا أذناب خیل شمس إنما یکفیکم أن یضع یدہ علی فخذہ ثم یسلم علی أخیہ من علی یمینہ وشمالہ" دونوں میں فرق واضح ہے۔

۲-اس حدیث میں ہے کہ ہم اپنی اپنی نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ تشریف لائے اور فرمایا جب کہ دوسری حدیث میں ہے کہ ہم نے نماز باجماعت میں سلام کے وقت اشارہ کیا تو آپ ؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔

۳-اس حدیث میں اسکنوا فی الصلوٰۃ کا جملہ ہے جو کہ دوسری حدیث میں نہیں ہے۔

۴-اس حدیث میں ہے کہ نماز میں رفع یدین کرنے سے روکا جب کہ دوسری حدیث میں ہے کہ سلام کے وقت دائیں بائیں اشارہ کرنے سے روکا۔

اب ظاہر ہے کہ حضرت جابرؓ جیسے جلیل القدر صحابی ان دونوں روایات کے راوی ہیں۔اب یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک ہی صحابی ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ مختلف اسلوب اور مختلف پس منظر میں بیان کریں؟ حضرات صحابہؓ حدیث کے معاملہ میں بہت محتاط تھے۔وہ آپ کے الفاظ مبارکہ کو جوں کا توں محفوظ کر کے نقل کرتے تھے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ ہیں اور دونوں کو ایک ہی واقعہ سے متعلق کرنا صحیح نہیں۔

چند بنیادی حقائق :

مسئلہ رفع یدین کو ترجیحی بنیادوں پر سمجھنے کے لئے چند اصولی حقائق کو سمجھنا ضروری ہے۔

پہلی حقیقت : احادیث میں وارد ہے کہ ابتداء اسلام میں دوران نماز گفتگو کرنی جائز تھی۔حتیٰ کہ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم دوران نماز آنے والے شخص کے سلام کا جواب دیتے تھے۔لیکن بعد میں یہ حکم باقی نہ رہا۔ملاحظہ ہو

عن عبداللہ رضی اللہ عنہ قال کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی الصلوۃ فیرد علینا فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا علیہ فلم یرد علینا، وقال إن فی الصلوۃ شغلاً۔ (بخاری : ما ینھی عن الکلام)
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں جب ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کیا کرتے تھے تو آپ جواب دے دیتے تھے، لیکن نجاشی کے ہاں سے واپس آنے کے بعد ہم نے سلام کیا تو آپؐ نے جواب نہیں دیا اور فرمایا کہ نماز میں اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ہوتی ہے۔
اس سے معلوم ہوا کہ ابتداء اسلام میں دوران نماز گفتگو جائز تھی، لیکن پھر یہ حکم باقی نہ رہا گویا کسی مسئلہ کا ثابت ہونا اور اس کا باقی رہنا دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ابتدائی دور والی احادیث صحیحہ کو پیش کر کے یہ دعویٰ کرے کہ نماز میں گفتگو کرنا جائز ہے اور سلام کا جواب دینا سنت ہے تو اس کا یہ دعویٰ صحیح نہ ہوگا چونکہ یہ حکم باتفاق ثابت ہے، لیکن اب باقی نہیں رہا، اس طرح رکوع وغیرہ کے وقت رفع یدین کا ثابت ہونا تو متفق علیہ ہے لیکن حضرات غیر مقلدین کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ حکم آخر تک باقی رہا، واضح رہے کہ اس کے باقی رہنے والے دعوے پر کوئی حتمی دلیل نہیں ہے اور بیہقی کی روایت اس دعوے کی دلیل نہیں بن سکتی چونکہ وہ بالکل ضعیف ہے۔ ملاحظہ ہو۔
فمازالت تلك صلوته حتی لقی اللہ۔ بیھقی۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخر تک رفع یدین والی نماز پڑھتے تھے۔

تجزیہ :
(الف) اس روایت میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن قریش بن خزیمہ ہے۔
اتھمه السلیمانی بوضع الحدیث۔ (میزان الاعتدال۔ ج ۲۔ص ۵۸۲)
علامہ سلیمانیؒ فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن قریش حدیثیں گھڑتا ہے۔
اس دوسرے راوی عصمۃ بن محمد کی بابت ملاحظہ ہو۔ قال یحی کذاب یضع الحدیث وقال العقیلی حدیث بالبواطیل عن الثقات وقال الدار قطنی وغیرہ متروک۔ (میزان الاعتدال۔ ج ۲۔ص ۶۸)
یحییٰؒ فرماتے ہیں کہ عصمۃ جھوٹا ہے اور حدیثیں گھڑتا ہے، علامہ عقیلیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ثقہ راویوں کی طرف باطل روایتیں منسوب کرتا ہے۔ علامہ دار قطنیؒ فرماتے ہیں کہ محدثینؒ اس کو چھوڑ چکے ہیں۔
۲۔ حضرات غیر مقلدین کے مشہور عالم مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب نسائی شریف کی تعلیقات میں لکھتے ہیں : وحدیث البیھقی ما زالت آہ ضعیف جداً۔ (التعلیقات السلفیۃ. ص ۱۰۴) کہ بیہقی کی مازالت والی روایت تو بہت زیادہ ضعیف ہے۔"
الغرض حضرات غیر مقلدین کا یہ دعویٰ کہ رفع یدین والا عمل باقی ہے کوئی حتمی امر نہیں، چونکہ اس کی

کوئی ٹھوس اور واضح دلیل نہیں ہے۔ اس لئے غیر مقلدین عموماً ایسی روایات پیش کر کے عوام پر رعب جماتے ہیں جن میں صرف رفع یدین کے ثبوت کا ذکر ہے، لیکن اس سے تو ان کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ چونکہ سابقہ مرحلہ میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے ان کا دعویٰ تو اس صورت میں ثابت ہوگا۔ جب وہ اس عمل کے باقی رہنے پر واضح دلیل پیش کریں۔

دوسری حقیقت

رفع یدین کی حقیقت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اس مسئلہ سے متعلق تمام احادیث کو پیش نظر رکھا جائے اگر مطلقاً ثبوت والے سابقہ مرحلہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو درج ذیل مقامات پر رفع یدین کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ ۱-نماز کے شروع میں۔ ۲-رکوع کرتے اور اٹھتے ہوئے۔ ۳-سجدہ میں جاتے اور اٹھتے وقت۔ ۴-ہر رکعت کے آغاز میں۔ ۵-ہر تکبیر کرتے وقت۔ ۶-سلام پھیرتے وقت (اب غور طلب امر یہ ہے کہ اگر حضرات غیر مقلدین رفع یدین کے عمل کو باقی سمجھتے ہیں تو پھر ان تمام مقامات پر رفع یدین کیوں نہیں کرتے؟ بعض جگہ کرنا اور بعض جگہ چھوڑنا اس تفریق کی کیا بنیاد ہے؟) ملاحظہ ہو:

۱- عن أنس أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم کان یرفع یدیه فی الرکوع والسجود (وهذا اسناد صحیح جداً) (المحلی۔ ج ۴۔ص ۲۹۶)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ میں رفع یدین کرتے تھے۔

۲- عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه أنه کان یرفع یدیه فی کل خفض ورفع۔ (تلخیص الجبیر۔ ج ۱۔ص ۲۱۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر اونچ نیچ کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

۳-احمد شاکر نے حضرت وائلؓ کی روایت میں بحوالہ مسند احمد نقل کیا ہے۔ کلما کبر ورفع ووضع و بین السجدتین۔" (ترمذی محقق۔ ج ۲۔ص ۴۲)

کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر، ہر اٹھتے بیٹھتے وقت اور سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔

۴-عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه أنه کان یرفع یدیه اذا دخل فی الصلوة واذا رکع واذا قال سمع اللّٰه لمن حمده واذا سجد وبین الرکعتین۔ (المفرد للبخاری) (المحلی۔ ج ۴۔ص ۲۹۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے شروع میں، رکوع کرتے اور اٹھتے وقت، سجدہ کرتے وقت اور ہر دو رکعت کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔

تجزیہ :

حضرات غیر مقلدین حدیث پر عمل کے بڑے بلند بانگ دعوے کرتے ہیں۔ لیکن ان چھ مقامات میں سے اڑھائی مقامات نمبرا۔ نماز کے شروع۔ ۲۔ رکوع کرتے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے آغاز میں تو رفع یدین کرتے ہیں، لیکن ہر سجدہ ہر تکبیر ہر رکعت اور سلام کے وقت رفع یدین نہیں کرتے، آخر کیوں؟

اب واضح ہو گیا کہ رفع یدین کی تمام روایات پر حضرات غیر مقلدین کا اپنا عمل کہاں تک ہے؟ لیکن تعجب ہے کہ جو حضرات دلائل کی بنیاد پر رکوع کے وقت بھی رفع یدین نہیں کرتے ان پر تو انہیں اعتراض ہے، لیکن اپنی حقیقت کی خبر نہیں۔ الغرض ان مؤخر الذکر مقامات میں غیر مقلدین جس بنیاد پر رفع یدین نہیں کرتے اسی بنیاد پر ہم رکوع کے وقت رفع یدین نہیں کرتے اور ان مقامات میں رفع یدین نہ کرنے کی بابت ان کا جو موقف ہے وہی موقف ہم رکوع کے وقت بھی اختیار کرتے ہیں۔

تیسری حقیقت

حضرات غیر مقلدین کے فرقہ پرست واعظ اور مصنف سادہ لوح عوام کو یہ مغالطہ بھی دیتے ہیں کہ رفع یدین کرنے کی روایات تو بخاری و مسلم میں ہیں جب کہ رفع یدین نہ کرنے کی روایات دوسری کتب حدیث میں ہیں لہٰذا بخاری و مسلم کی روایات راجح ہوں گی۔

تجزیہ :

۱۔ اس مسئلہ کی تمام روایات کو پیش نظر رکھنے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رفع یدین کرنے کی روایات ابتدائی دور سے متعلق ہیں پھر اُن سے کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ یہ دعویٰ غلط ہے کہ رفع یدین نہ کرنے کی روایات بخاری و مسلم میں نہیں ہیں۔ چونکہ مندرجہ بالا دلائل کے ضمن میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی صحیح مسلم شریف والی حدیث بیان ہو چکی جس میں رفع یدین سے ممانعت ہے۔

۳۔ غیر مقلدین کا یہ اصول کہ بخاری کی روایت اس لئے راجح ہے کہ وہ بخاری میں ہے ایک عوامی نعرہ تو ہو سکتا ہے لیکن علم حدیث سے اس کا کوئی تعلق نہیں چونکہ خود امام بخاری امام مسلم کو یہ دعویٰ نہیں کہ انہوں نے تمام صحیح روایات کا احاطہ کر لیا ہے، بلکہ احادیث صحیحہ کا ایک عظیم ذخیرہ ان کے علاوہ بھی موجود ہے۔ لہٰذا جب صحیح ہونے کی صفت میں اور احادیث بھی شریک ہیں تو پھر یہ دعویٰ کیونکر صحیح ہے کہ بخاری کی روایت اسی لئے راجح ہے کہ وہ بخاری میں ہے۔

فقد قال البخاری ما أدخلت فی کتاب الجامع إلا ما صح وترکت من الصحاح مخافة الطول، وقال مسلم لیس کل شیء عندی صحیح وضعته

هنا انما وضعت هنا ما أجمعوا عليه۔ (تدريب الراوی۔ ج ۱۔ص ۹۸)
امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع الصحیح میں صرف صحیح احادیث کو ذکر کیا ہے اور میں نے بہت سی صحیح احادیث کو طوالت کے ڈر سے چھوڑ دیا ہے۔ امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ہر صحیح حدیث کو اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا البتہ جن کو ذکر کیا ہے ان کے صحیح ہونے پر علمائے حدیث کا اتفاق ہے۔
نیز حضرات غیر مقلدین رفع یدین کے مسئلہ میں تو اس نعرہ کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں لیکن سورۃ فاتحہ سے پہلے اونچی بسم اللہ پڑھ کر اس نعرہ کو نظر انداز کر کے خود ہی اس کی دھجیاں بکھیر دیتے ہیں چونکہ بخاری و مسلم کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سورۃ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے اور کسی ایک صحیح حدیث میں بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اونچی تسمیہ پڑھنا ثابت نہیں ہے، لیکن غیر مقلدین پھر بھی تسمیہ اونچی پڑھتے ہیں الغرض یہاں بخاری و مسلم کی روایات کو ترجیح دینے والا اصول کیوں بے اثر ہو جاتا ہے؟

چوتھی حقیقت :

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں احادیث نبویہ کا ایک عظیم ذخیرہ جمع کیا ہے اور ان احادیث کے انتخاب میں انہوں نے جو بلند معیار اپنایا ہے وہ ان کی دوسری تالیفات ”رسالہ رفع یدین، اور رسالہ قرأۃ خلف الامام“ میں نہیں ہے اس لئے کتب حدیث میں جو حیثیت صحیح بخاری کو حاصل ہے وہ ان کی کسی دوسری کتاب کو حاصل نہیں ہے حتیٰ کہ ان کو تو صحاح ستہ کے درجہ میں بھی نہیں رکھا گیا۔ چونکہ ان میں بہت سی روایات ضعیف ہیں لیکن غیر مقلدین کے متعصب واعظ رسالہ رفع یدین اور رسالہ قرأۃ خلف الامام کی روایات بیان کر کے بار بار امام بخاریؒ کا نام لے کر سادہ لوح عوام کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان روایات کا مقام بھی وہی ہے جو صحیح بخاری شریف کا ہے اور وہ اس حقیقت کو چھپاتے ہیں کہ ان میں سے بیشتر روایات صحیح بخاری کی نہیں بلکہ امام بخاریؒ کے رسالوں کی ہیں حضرات قارئین متنبہ رہیں۔

پانچویں حقیقت :

حضرات مقلدین عوامی محفلوں میں تو یہ تاثر پھیلاتے ہیں کہ رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرنے کی بابت کوئی صحیح حدیث موجود نہیں لیکن میدان تحقیق اور علمی محافل میں وہ بھی یہ حقیقت ماننے پر مجبور ہیں کہ رفع یدین نہ کرنا بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

ملاحظہ ہو :

۱۔ مشہور غیر مقلد عالم سید نذیر حسین دہلویؒ لکھتے ہیں : علمائے حقانی پر پوشیدہ نہیں کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے میں لڑنا جھگڑنا تعصب اور جہالت سے خالی

نہیں ہے۔ کیونکہ مختلف اوقات میں رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں اور دونوں طرح کے دلائل موجود ہیں............(آگے دلائل کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں) قصہ مختصر کہ رفع یدین کا ثبوت اور عدم ثبوت دونوں مروی ہیں۔ (فتاویٰ نذیریہ۔ ج ۱۔ ص ۶۴۱ تا ۶۴۳)

۲- حضرات غیر مقلدین کے مشہور محقق مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب نسائی شریف کی تعلیقات میں لکھتے ہیں :

فالوجه أن الحديث ثابت لكن يكفى فى اضافة الصلوة إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم كونه صلى هذه الصلوة احياناً وإن كان المتبادر الإعتياد والدوام فيجب الحمل على كونها كانت أحيانا توفيقاً بين الأدلة ودفعاً للتعارض، وعلى هذا فيجوز أنه صلى الله عليه وسلم ترك الرفع عند الركوع وعند الرفع إما لكون الترك سنة كالفعل أو لبيان الجواز......... والإنصاف فى هذا المقام أنه لا سبيل إلى ردّ روايات الرفع برواية بن مسعود وفعله وأصحابه ودعوىٰ عدم ثبوت الرفع ولا إلى ردّ روايات الترك بالكلية ودعوى عدم ثبوته۔ (التعليقات السلفية۔ ص ۱۲۳ تا ۱۲۶)

حقیقت یہ ہے کہ مندرجہ بالا حدیث ثابت ہے اور اس سے واضح طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رفع یدین کئے بغیر نماز پڑھتے تھے، لیکن ہم بہرحال اس کی یہی تاویل کریں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رفع یدین کئے بغیر نماز پڑھتے تھے تاکہ دونوں طرح کی احادیث میں تعارض نہ رہے، لہٰذا یہ صحیح ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کے لئے جاتے اور اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں سنت ہیں، یا یہ بتانے کے لئے کہ رفع یدین نہ کرنا بھی جائز ہے (مولانا مزید لکھتے ہیں کہ) اس مسئلہ میں انصاف کی بات یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اور ان کے عمل کی وجہ سے رفع یدین والی روایات کو رد نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی انصاف کی بات ہے کہ رفع یدین نہ کرنے والی روایات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ رفع یدین نہ کرنا ثابت نہیں ہے۔

۳- احمد شاکر نے بھی غیر مقلد ہونے کے باوجود اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے لیکن رفع یدین کے عمل کو یوں ترجیح دی ہے کہ جب بعض احادیث سے ایک مسئلہ ثابت ہوتا ہو اور بعض سے اس کی نفی ہوتی ہو تو ثبوت والی روایات راجح ہوں گی، وہ تحقیق ترمذی میں لکھتے ہیں :

وليس فى رواية من روىٰ ترك الرفع إلا ما قلنا "أن المثبت مقدم على النافى" (ترمذی محقق۔ ج ۲۔ ص ۴۲)

کہ جن روایات میں رفع یدین نہ کرنے کا ذکر ہے ان میں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ بس یہی کہہ سکتے ہیں کہ رفع یدین ثابت کرنے والی روایات اُن روایات پر راجح ہیں جن میں رفع یدین کی نفی ہے۔

تجزیہ :

یہ تو ثابت ہوگیا کہ حضرات غیر مقلدین کے ذمہ دار علماء بھی یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ رفع یدین نہ کرنا بھی سنت ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔ رہا ثبوت ونفی کا یہ اصول تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ احادیث صحیحہ میں سجدہ وغیرہ کے وقت رفع یدین کرنا اور نہ کرنا دونوں ثابت ہیں۔ لہٰذا مندرجہ بالا اصول کے مطابق رفع یدین کے ثبوت والی روایات کو ترجیح دے کر غیر مقلدین کو ان تمام مقامات پر بھی رفع یدین کرنا چاہئے۔ حالانکہ وہ خود بھی ان مقامات پر رفع یدین نہیں کرتے۔ آخر یہ اصول یہاں بے اثر کیوں ہوجاتا ہے۔ الغرض جو اصول سجدہ وغیرہ کے وقت رفع یدین کی ترجیح میں اثر انداز نہیں ہوتا وہ صرف رکوع کے وقت رفع یدین کی ترجیح کا باعث کیونکر بن سکتا ہے؟

چھٹی حقیقت :

حضرات مقلدین کے علمائے کرام سادہ لوح عوام کو یہ کہہ کر بھی مرعوب کرتے ہیں کہ رکوع کرتے اور اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں رفع یدین کرنا چارسو احادیث میں وارد ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ رفع یدین کی روایات پچاس صحابہؓ سے منقول ہیں نیز حضرات خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ سے بھی منقول ہیں۔

تجزیہ :

۱- ان مقامات پر رفع یدین کی بابت چارسو احادیث کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے ویسے بھی اس بحث کو فکری میدان میں رکھنے کے بجائے حضرات غیر مقلدین سے گزارش ہے کہ عملی میدان میں اس دعوے کو ثابت کریں کہ چودہ سو سال میں کسی ایک شخص نے بھی ان چارسو روایات کو جمع کیا ہو تو وہ مجموعہ منظر عام پر لائیں یا وہ خود ان چار صد روایات کو جمع کر کے پیش کریں۔ واضح ہے کہ قیامت تک وہ ایسا نہیں کرسکتے۔

۲- جہاں تک رفع یدین کی بابت پچاس صحابہؓ کی روایات کا تعلق ہے تو وہ نماز شروع کرتے وقت ہے، رکوع کرتے اور اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے آغاز میں نہیں۔ ملاحظہ ہو :

علامہ شوکانیؒ غیر مقلد ہونے کے باوجود اس حقیقت کے معترف ہیں کہ پچاس صحابہ کرامؓ سے جو رفع یدین منقول ہے، وہ ابتداء نماز سے متعلق ہے۔

"وجمع العراقی عدد من روی رفع الیدین ابتداء الصلوة فبلغوا خمسین صحابیا منهم العشره المشهود لهم بالجنة۔ (نیل الأوطار۔ ج ۲۔ص ۱۹۱)

علامہ عراقیؒ نے نماز کے شروع میں رفع یدین کی روایات نقل کرنے والے صحابہؓ کو شمار کیا تو ان کی تعداد پچاس تک پہنچ گئی۔ انہی میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں۔

- نیز علامہ صنعانی نے غیر مقلد ہونے کے باوجود سبل السلام شرح بلوغ المرام میں اسی حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔

"قال المصنف إنه روى رفع اليدين في أول الصلوة خمسون صحابياً منهم العشرة المشهود لهم بالجنة وروى البيهقي عن الحاكم لا تعلم سنة اتفق على روايتها عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الخلفاء الأربعة ثم العشرة المشهود لهم بالجنة فمن بعدهم من الصحابة مع تفرقهم في البلاد الشاسعة غير هذه السنة۔ (سبل السلام۔ ج/ ۱۔ص ۲۷۴)

(شارح بخاری) ابن حجرؒ فرماتے ہیں نماز کے شروع میں رفع یدین کی روایات کو پچاس صحابہؓ نے نقل کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ بھی ہیں اور علامہ بیہقیؒ نے حاکم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ نماز کے شروع میں رفع یدین کا عمل ایسا ہے کہ اس کے نقل کرنے میں خلفائے راشدین، عشرہ مبشرہ اور دیگر بہت سے صحابہؓ متفق ہیں باوجود یہ کہ وہ مختلف شہروں میں پھیل چکے تھے۔

نیز علامہ نیمویؒ کا ارشاد گزر چکا کہ حضرات خلفائے راشدین سے ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین کا عمل ثابت نہیں ہے۔ (آثار السنن۔ج ا۔ص ۱۱۱)

الغرض معلوم ہوا کہ پچاس صحابہؓ سے جو رفع یدین منقول ہے وہ ابتداء نماز سے متعلق ہے۔ اور انہیں میں سے خلفائے راشدین اور عشرہ مبشرہ بھی ہیں، اب پچاس صحابہؓ سے رفع یدین کا ذکر کرنا اور اس کے مقام ومحل کو چھپا کر یہ تاثر دینا کہ یہ رفع یدین رکوع کرتے اٹھتے وقت اور تیسری رکعت کے شروع میں تھا۔ ایک واضح علمی خیانت اور امانت و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔

ساتویں حقیقت: حضرات غیر مقلدین حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت مالک بن حویرثؓ کی روایات کو بنیاد بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حضرات آخری زمانہ میں تشریف لائے اور انہوں نے بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی جو کیفیت بیان کی ہے اس میں رکوع کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کے آنے تک رفع یدین کا عمل موجود تھا۔

تجزیہ :

اگر ان حضرات کی روایات کو اس لئے بنیاد بنایا جائے کہ وہ آخر میں تشریف لائے تھے تو پھر جہاں جہاں انہوں نے رفع یدین کا عمل نقل کیا ہے۔ غیر مقلدین کو وہاں وہاں رفع یدین کرنا چاہئے، لیکن یہ خود بھی ایسا نہیں کرتے آخر کیوں؟ چونکہ حضرت وائلؓ اور مالک بن حویرثؓ کی روایات میں سجدہ کرتے اٹھتے وقت اور ہر تکبیر کے وقت بھی رفع یدین منقول ہے۔ ملاحظہ ہو۔

۱- عن مالک بن الحویرثؓ رأى النبى صلى الله عليه وسلم رفع يديه فى الصلوة إذا ركع وإذا رفع رأسه من ركوعه وإذا سجد و إذا رفع رأسه من سجوده.

(المحلى. ج۴. ص۲۹۶)

حضرت مالک بن حویرثؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے رکوع کرتے اور اٹھتے وقت نیز سجدہ کرتے اور اٹھتے وقت رفع یدین کیا۔

عن وائل بن حجرؓ قال صليت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم . ثم سجد ووضع وجهه بين كفيه وإذا رفع رأسه من السجود ايضاً رفع يديه.

(المحلى. ج۴. ص۲۹۶)

حضرت وائل بن حجرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا تو اپنے چہرہ مبارک کو دونوں ہاتھوں کے درمیان رکھا اور جب سجدہ سے سر اٹھایا تو بھی رفع یدین کیا۔

۲- علامہ احمد شاکر نے تحقیق ترمذی میں مسند احمد کے حوالہ سے حضرت وائلؓ کی وہ حدیث ذکر کی ہے جس میں ہر ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے ملاحظہ ہو۔

ففى رواية لأحمد من حديث وائل بن حجر كلما كبر و رفع ووضع وبين السجدتين۔ (ترمذی محقق : ج ۲۔ص ۴۲)

مسند احمد میں حضرت وائل بن حجرؓ کی روایت میں ہے کہ آپؐ ہر تکبیر ہر اٹھنے بیٹھنے اور سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔

آٹھویں حقیقت :

ذیل میں حضرات غیر مقلدین کے چند دلائل کی تحقیق اور ان کا پس منظر بیان کیا جاتا ہے جسے انہوں نے اپنے عوام سے اوجھل رکھا ہوا ہے۔

دلیل نمبر ۱- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت :

حضرات غیر مقلدین رفع یدین کے مسئلہ میں عموماً حضرت ابن عمرؓ کی روایات پیش کرتے ہیں۔

تجزیہ :

ان روایات کے نقل کرنے والوں میں سب سے پہلا واسطہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں جو ان روایات کا مفہوم اور پس منظر ہم سے زیادہ بہتر سمجھتے تھے، لیکن ان کا اپنا عمل بھی ان روایات پر نہیں ہے۔ملاحظہ ہو۔

عن مجاهدؒ قال ما رأيت ابن عمرؓ يرفع يديه إلا فى أول ما يفتتح۔

(مصنف بن أبى شيبة۔ ج ۱۔ ص ۲۳۷)

(وھذا سند صحیح۔ جوھر النقی۔ ج ۲۔ ص ۷۴)
حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔
الغرض جب حضرت ابن عمرؓ کے زمانہ میں خود ان کے ہاں یہ روایات رفع یدین کرنے کی بنیاد نہیں تھیں۔ تو بعد کے زمانوں میں ایسی روایات کو رفع یدین کی بنیاد کیونکر بنایا جا سکتا ہے ورنہ اگر یہ روایات اپنے ظاہری مفہوم پر ہوں تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک صحابی راوی اپنی ہی بیان کردہ حدیث پر عمل نہ کریں۔
(ب) حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایات میں دوسری اہم بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ان کی تمام روایات کو دیکھنے سے درج مقامات پر رفع یدین کرنا ملتا ہے۔ نماز شروع کرتے ہوئے رکوع کرتے اور اٹھتے وقت سجدہ کرتے اور اٹھتے وقت اور ہر رکعت کے شروع میں۔
عن ابن عمر رضي الله عنه أنه كان يرفع يديه إذا دخل في الصلوة وإذا ركع وإذا قال سمع الله لمن حمده وإذا سجد وبين الركعتين۔
(المفرد للبخاري۔ المحلى۔ ج ۴۔ ص ۲۹۷)
حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ آپ نماز شروع کرتے وقت رکوع کرتے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے وقت، سجدہ کرتے وقت اور ہر دو رکعتوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے۔
واضح رہے کہ سند صحیح کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے سجدہ کے وقت رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا اسی طرح حضرت مجاہدؓ والی روایت صحیحہ سے معلوم ہوا کہ ابتداء نماز کے علاوہ آپؓ نے ہر موقع پر رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ اسی لئے ہم حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تمام روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے ہیں۔
لیکن جب حضرات غیر مقلدین سے پوچھا جاتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی بعض روایات میں سجدہ کے وقت رفع یدین بھی وارد ہے تو آپ سجدہ کے وقت بھی رفع یدین کیوں نہیں کرتے تو وہ کہتے ہیں صحیح روایت سے ثابت ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بالآخر سجدہ کے وقت رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ لہٰذا ہم بھی سجدہ کے وقت رفع یدین نہیں کرتے۔ اس موقع پر حضرات غیر مقلدین کی خدمت میں بصد آداب عرض ہے کہ صحیح روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے ابتداء نماز کے علاوہ ہر جگہ رفع یدین کرنا چھوڑ دیا تھا۔ پھر آپ لوگ اس پر بھی کیوں عمل نہیں کرتے؟ (شاید اپنی مسلکی مجبوری کی وجہ سے)
الغرض حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تمام روایات کو پیش نظر رکھے بغیر مسئلہ کی حقیقت سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ لہٰذا آپ کی چند روایات کو لے کر اور باقی کو نظر انداز کر کے رکوع اور تیسری رکعت

کے لئے رفع یدین کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔
دلیل نمبر۲۔ حضرات غیر مقلدین عموماً بیان کرتے ہیں کہ رکوع وغیرہ کے وقت رفع یدین کی روایات کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ چھٹی حقیقت کے ضمن میں ان کے اس پروپیگنڈہ کی حقیقت تو بیان ہو چکی کہ رکوع کے وقت رفع یدین کی روایات پچاس صحابہؓ سے مروی ہیں، یہاں ان کے ایک دوسرے اسلوب کی تحقیق عرض کرنا مقصود ہے کہ حضرت ابوحمید ساعدی نے دس صحابہؓ کی موجودگی میں نماز پڑھی اور اس میں رفع یدین کیا۔ اب حضرات غیر مقلدین تعداد بڑھانے کے لئے اس روایت میں سے دس کے عدد کو لے کر رفع یدین کا عمل نقل کرنے والے دیگر چند صحابہؓ کے ساتھ شامل کر دیتے ہیں۔

تجزیہ :

اگر اسی اسلوب سے تعداد کا اندازہ لگانا ہو تو پھر ملاحظہ ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفۃ المسلمین وامیر المومنین تھے۔ مندرجہ بالا دلائل کے ضمن میں ان کا عمل گزر چکا کہ وہ ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم مختلف اوقات میں ان کی اقتداء میں نماز پڑھتے تھے اور یہ ایک واضح دلیل ہے کہ رفع یدین کے مسئلہ میں جمہور صحابہؓ کا موقف بھی حضرت عمرؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ والا تھا کہ صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرنا چاہئے بعد میں نہیں۔ اسی لئے امام طحاویؒ فرماتے ہیں۔

و فعل عمرؓ هذا وترك أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إياه على ذلك دليل صحيح على أن هذا هو الحق الذى لا ينبغى لأحد خلافه۔ (طحاوی۔ رفع اليدين)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا رفع یدین نہ کرنا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا انہیں اسی عمل پر رہنے دینا ایک واضح دلیل ہے کہ یہی وہ صحیح بات ہے جس کی مخالفت کسی اور کو بھی نہیں کرنی چاہئے۔
دلیل نمبر۳ : بعض لوگ حضرت سعیدؒ کی ایک ضعیف و کمزور روایت کا سہارا لے کر یہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ رکوع کے وقت رفع یدین کرتے تھے۔

عن سعيد بن المسيبؒ قال رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه حذو منكبيه إذا افتتح الصلاة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع۔

تجزیہ :

یہ روایت بہت ہی کمزور اور ضعیف ہے چونکہ اس میں ایک راوی رشدین بن سعد ہے اس کی بابت محدثین کا نظریہ ملاحظہ ہو۔

قال ابوزرعة ضعيف قال الجوزجانى عنده مناكير وقال النسائى متروك.

(۱۲۱) دلیل نمبر ۳، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل

عن الأسود قال رأيت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه يرفع يديه فی أول تكبيرة ثم لايعود. (طحاوی : رفع اليدين. صححه الزيلعی. وهذا رجاله ثقات، دراية. ج ١. ص ١٥٢. وهذا سند صحيح على شرط مسلم الجوهر النقی. ج ٢. ص ٧٥)

قال الطحاویؒ وفعل عمر هذا وترک أصحاب رسول اللہ صلی اللہ عليه وسلم اياه على ذلک دليل صحيح على أن ذلک هو الحق الذی لا ينبغی لأحد خلافه.

حضرت اسودؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے بعد میں نہیں۔

علامہ زیلعیؒ نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ شارح بخاری علامہ ابن حجرؒ نے اس کے تمام راویوں کو ثقہ کہا ہے۔ علامہ ترکمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سند صحیح مسلم کے معیار پر صحیح ہے۔

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ اگر صرف اسی حدیث کو ہی بنیاد بنایا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا کرتے تھے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں ایسا کرتے رہنے دیا تو یہ واضح دلیل ہے کہ یہی وہ صحیح بات ہے جس کی خلاف ورزی کسی اور کو بھی نہیں کرنی چاہئے۔

(۱۲۲) دلیل نمبر ۴، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل

عن عاصم بن كليب عن أبيه أن علياً رضی اللہ عنه كان يرفع يديه فی أول تكبيرة من الصلوٰة ثم لا يرفع بعد.

(بيهقی : من لم يذكر الرفع إلا عند الإفتتاح)

صححه الزيلعی. قال ابن حجر رواته ثقات. ج ١. ص ١٥٢. قال العينی فی العمدة اسناد عاصم صحيح على شرط مسلم.

حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز میں پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے۔ تھے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں

کرتے تھے۔

علامہ زیلعی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے شارح بخاری علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ اس کے سب راوی ثقہ ہیں شارح بخاری علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ سند صحیح مسلم کے معیار پر ہے۔

(۱۲۳) دلیل نمبر۵، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت

عن مجاهد قال صليت خلف ابن عمر رضى الله عنهما فلم يكن يرفع يديه إلا في التكبيرة الأولى من الصلوة. (طحاوى : باب رفع اليدين)

عن مجاهد قال ما رأيت ابن عمر رضى الله عنهما يرفع يديه إلا في أول ما يفتتح. مصنف ابن ابى شيبه. ج ۱. ص۲۳۷. وهذا سند صحيح. الجوهر النقى. ج ۲. ص ۷۴.

حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اقتداء میں نماز پڑھی میں نے دیکھا کہ وہ صرف نماز شروع کرتے وقت پہلی تکبیر کے موقع پر رفع یدین کرتے تھے۔ علامہ ترکمانی فرماتے ہیں کہ یہ سند صحیح ہے۔

(۱۲۴) دلیل نمبر۶، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت

عن الأسود أن ابن مسعود رضى الله عنه كان يرفع يديه فى اول التكبير ثم لا يعود. (جامع المسانيد. ج ۱. ۳۵۵)

حضرت اسود فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صرف پہلی تکبیر کے وقت رفع یدین کرتے تھے اور اس کے بعد رفع یدین نہیں کرتے۔

(۱۲۵) دلیل نمبر۷، خلفائے راشدین اور رفع یدین

نامور محدث علامہ نیمویؒ اپنی مکمل تحقیق کے بعد یہ نتیجہ بیان کرتے ہیں کہ وأما الخلفاء الاربعة فلم يثبت عنهم رفع الأيدى فى غير تكبيرة الإحرام. (آثار السنن. ج ۱. ص ۱۰۹)

حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم سے ابتدائی تکبیر کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد انسانیت کی بزرگ ترین ہستیاں حضرات خلفائے راشدین ہیں۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے سچے متبع تھے کہ آپ نے ان کی سنت کو بھی اپنی سنت کی طرح قابل عمل قرار دیا ہے۔ اب ابتداء نماز کے علاوہ ان کا رفع یدین نہ کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہی ہے اور ان کے نزدیک بھی ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

(۱۲۶) دلیل نمبر ۸، صحابہ رضی اللہ عنہ کا طرز عمل

قال ابو عيسى حديث بن مسعود حديث حسن وبه يقول غير واحد من أهل العلم من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعين، وهو قول سفيان وأهل الكوفة. (ترمذى. رفع اليدين)

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث (متعلقہ عدم رفع یدین) درجہ حسن کی ہے اور حضرات صحابہؓ سے اہل علم حضرات کا یہی مسلک ہے، نیز بہت سے تابعین حضرت سلیمان، حضرت سفیان اور فقہاء کا بھی یہی مسلک ہے۔

علامہ ابن عبدالبرؒ التمہید (شرح موطا امام مالکؒ) میں رفع یدین کی بابت حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریق کار نقل کرتے ہیں۔

وهما يدل على أن رفع اليدين ليس بواجب ما أخبر به الحسن عن الصحابة أن من رفع منهم لم يعب على من تركه.

(التمهيد. ج ۹. ص ۲۲۶)

حضرت حسنؒ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بابت فرماتے ہیں کہ ان میں رفع یدین کے قائلین ان صحابہؓ پر بھی کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔ جنہوں نے رفع یدین کو چھوڑ دیا تھا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رفع یدین کرنا کوئی ضروری نہیں ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ حضرات صحابہؓ میں بھی مختلف فیہ تھا کہ بعض کے نزدیک ابتداء نماز کے علاوہ بھی رفع یدین کرنا بہتر تھا اور بعض کے نزدیک ابتداء نماز کے علاوہ کسی اور جگہ رفع یدین نہ کرنا بہتر تھا۔ نیز اس مسئلہ میں حضرات صحابہؓ کا عملی موقف بھی سامنے آ گیا کہ ان میں سے رفع یدین کے قائلین رفع یدین نہ کرنے والوں پر کوئی اعتراض نہیں

کرتے تھے۔

اب اس مسئلہ میں شدت کا پہلو اختیار کرنا اور رفع یدین نہ کرنے والوں پر اعتراض کرنا ان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی اعتراض کرنا ہے۔ نیز جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی رفع یدین نہ کرنے والے صحابہؓ پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے تو آج کے دور میں جو شخص بھی رفع یدین نہ کرنے والوں پر اعتراض کرے گا وہ حضرات صحابہؓ کے طریقے سے ہٹا ہوا ہے۔

(۱۲۷) دلیل نمبر ۹، اہل مدینہ اور رفع یدین

استاذ المحدثین امام مالکؒ ۹۳ھ میں پیدا ہوئے مرکز علم مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے۔ حضرات صحابہؓ و تابعینؒ کا عمل اور احادیث کا عظیم ذخیرہ ان کے سامنے تھا۔ وہ مسائل میں اہل مدینہ کے عمل کو بنیادی اہمیت دیتے تھے۔ امام مالکؒ کے مشہور شاگرد ابن قاسمؒ رفع یدین کی بابت ان کا تجزیہ نقل کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

قال مالک لا أعرف رفع اليدين في شيءٍ من تكبير الصلوة لا في خفض ولا في رفع إلا في افتتاح الصلوة قال بن قاسم وكان رفع اليدين عند مالك ضعيفاً. (المدونة الكبرى. ج ۱. ص ۷۱)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں نماز کی ابتداء کے علاوہ کسی تکبیر یا اونچ نیچ کے وقت رفع یدین کو نہیں جانتا۔ ابن قاسم فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ ابتدائی تکبیر کے علاوہ رفع یدین کے مسلک کو ضعیف قرار دیتے تھے۔

(۱۲۸) دلیل نمبر ۱۰، حضرت ابراہیم نخعیؒ کا ارشاد

عن ابراهيم أنه قال لا ترفع الأيدي في شيءٍ من صلاتك بعد المرة الأولى. (جامع المسانيد. ج ۱. ص ۳۵۳)

حضرت ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ نماز کے شروع میں رفع یدین کرکے بعد میں کسی جگہ نہ کرو۔

(۱۲۹) نتائج

اس علمی تحقیق و تجزیہ کے بعد درج ذیل حقائق ثابت ہوئے۔

نمبر ا۔ نبوی تعلیمات کی رو سے نماز کے دوران رفع یدین نہ کرنا بہتر ہے، چونکہ خشوع کا تقاضا یہی ہے۔

نمبر ۲۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے ساتھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نماز کی ابتداء میں رفع یدین کرتے تھے۔ بعد میں نہیں۔

نمبر ۳۔ حضرت جابرؓ کی حدیث سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں رفع یدین کرنے سے روک دیا تھا۔

نمبر ۴۔ خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایات صحیحہ سے معلوم ہوا کہ خلافت راشدہ میں امت اسلامیہ کے ان ذمہ دار حضرات کے نزدیک بھی رفع یدین نہ کرنا زیادہ صحیح اور راجح تھا، نیز حضرات صحابہؓ کا ان کو اسی عمل پر رہنے دینا اس بات کی دلیل ہے کہ جمہور صحابہؓ کا مسلک بھی یہی ہے۔

نمبر ۵۔ خلفائے راشدین سے ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین کرنا ثابت نہیں ہے۔

نمبر ۶۔ خلفائے راشدین کا زمانہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہے اس دور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے پر آپؐ کے جانشینوں کا رفع یدین نہ کرنا اس بات کی واضح علامت ہے کہ ان کے نزدیک بھی آپ کا آخری عمل رفع یدین نہ کرنے کا تھا۔

نمبر ۷۔ رفع یدین کرنے یا نہ کرنے میں حضرات صحابہؓ کا بھی اختلاف تھا، دلائل کی روشنی میں ان حضرات صحابہؓ کا مسلک زیادہ وزنی اور راجح ہے جن کے نزدیک رفع یدین نہ کرنا بہتر ہے۔

نمبر ۸۔ سند صحیح سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ابتداء نماز کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے چونکہ وہ مسئلہ رفع یدین کی صورت حال اور اس کے پس منظر سے بخوبی واقف تھے۔ لہٰذا اب رفع یدین کرنے کے لئے حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے حضرات کی روایات کو پیش نظر نہیں کیا جاسکتا۔

رکوع

(۱۳۰) قرأت سے فارغ ہو کر اللہ اکبر کہتے ہوئے رکوع میں چلا جائے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه أنه كان يصلی بهم فيكبر كلما خفض ورفع فإذا انصرف قال إنی لا شبهكم صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم. (بخاری. باب اتمام التكبير فی الركوع)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نماز ادا کرتے تو جب بھی (کسی رکن کی ادائیگی کے لئے) اوپر یا نیچے ہوتے تو تکبیر کہتے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ میری یہ نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح ہے۔

رکوع میں پشت کو سیدھا رکھے

(۱۳۱) جب رکوع میں جائے تو کمر کو سیدھا رکھے، سر کو اس کے برابر رکھے نہ تو اس سے اونچا کرے نہ نیچا کرے۔

عن ابی مسعود الأنصاری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تجزئ صلاة لا يقيم الرجل فيها يعنی صلبه فی الركوع السجود. حسن صحيح. (ترمذی : من لا يقيم صلبه فی الركوع والسجود)

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ نماز کافی نہیں جس میں نمازی رکوع میں اپنی کمر کو سیدھا نہ رکھے۔

رکوع کی مسنون کیفیت

(۱۳۲) تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں جائے کمر اور سر کو برابر رکھے، ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھے، کہنیوں کو جسم سے نہ ملائے، اطمینان سے رکوع کرے۔

عن سالم البراء أتينا أبا مسعود الانصاری فقلنا له حدثنا عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم : فقام بين ايدينا فی المسجد فكبر فلما ركع وضع يديه على ركبتيه وجعل أصابعه اسفل من ذلك وجا فی بين مرفقيه حتى استقر كل شیء منه ثم قال سمع الله لمن حمده فقام حتى

استقر كل شيء منه ثم كبر وسجد ووضع كفيه على الارض ثم جا في بين مرفقيه حتى استقر كل شيء منه ثم رفع رأسه فجلس حتى استقر كل شيء ثم صلى أربع ركعات مثل هذه الركعة فصلى صلاته ثم قال هكذا رأينا رسول الله صلى الله عليه وسلم يصلي.

(ابو داؤد : صلوة من لا يقيم صلبه في الركوع والسجود)

حضرت سالم البراء فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بتائیں۔ حضرت ابو مسعود مسجد میں ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ تکبیر کہی، جب رکوع کیا تو ہاتھوں کو گھٹنوں پر اس طرح رکھا کہ انگلیاں گھٹنوں سے نیچے اور کہنیاں کوکھ سے فاصلہ پر تھیں، تا آنکہ ہر عضو میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا، پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے، تا آنکہ ہر عضو میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں گئے، ہاتھوں کو زمین پر رکھا اور کہنیوں کو جسم سے علیحدہ رکھا تا آنکہ اعضاء میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ پھر سجدہ سے سر اٹھایا اور بیٹھ گئے۔ تا آنکہ اعضاء میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا۔ اس طرح چار رکعات پڑھ کر نماز مکمل کی، پھر فرمایا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔

رکوع کی تسبیح

(۱۳۴) رکوع میں جا کر تین یا پانچ دفعہ تسبیح پڑھے۔

سبحان ربي العظيم.

میرا رب جس کی بڑی شان ہے۔ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔

عن عقبة بن عامرؓ قال لما نزلت فسبح باسم ربك العظيم قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اجعلوها في ركوعكم فلما نزلت سبح اسم ربك الأعلى قال اجعلوها في سجودكم.

(وهو صحيح الاسناد : زيلعي ابو داؤد : ما يقول الرجل في ركوعه)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی۔

"فسبح باسم ربك العظيم" تو آپؐ نے فرمایا کہ اس تسبیح کو رکوع میں رکھو اور جب یہ آیت نازل ہوئی۔ "سبح اسم ربك الاعلى" تو آپؐ نے فرمایا کہ اس تسبیح کو سجدوں میں پڑھا کرو۔

عن حذيفة أنه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم فكان يقول في ركوعه سبحان ربي العظيم وفي سجوده سبحان ربي الأعلى.

(حسن صحيح) (ترمذي : ماجاء في التسبيح في الركوع)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے۔

(۱۳۴) تسمیع وتحمید

(الف) پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے اور ربنا لک الحمد کہے۔

باجماعت نماز ہو تو امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه.... وفيه ثم يقول صلى الله عليه وسلم سمع الله لمن حمده حين يرفع صلبه من الركعة ثم يقول وهو قائم ربنا لك الحمد.... الحديث. (بخاري : باب التكبير إذا قام من السجود)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے اٹھتے ہوئے سمع اللہ لمن حمدہ کہتے اور کھڑے ہو کر ربنا لک الحمد کہتے۔

(ب) ربنا لک الحمد کے بعد حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ پڑھنا مستحب ہے اس کی بڑی فضیلت ہے۔

عن رفاعة الزرقي قال كنا يوماً نصلي وراء النبي صلى الله عليه وسلم فلما رفع رأسه من الركعة قال سمع الله لمن حمده. قال رجل وراءه ربنا لك الحمد حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه فلما انصرف قال من المتكلم؟ قال أنا. قال رأيت بضعة وثلاثين ملكا يبتدرونها أيهم يكتبها أولاً. (بخاري : فضل اللهم ربنا ولك الحمد)

حضرت رفاعہ زرقی فرماتے ہیں کہ ایک دن ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے

نماز پڑھ رہے تھے جب آپ رکوع سے اٹھے تو سمع اللہ لمن حمدہ کہا، ایک مقتدی نے کہا۔ "ربنا لك الحمد حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه" آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: یہ انوکھی بات کس نے کی؟ ایک شخص نے عرض کیا۔ "جی میں نے" آپ نے فرمایا میں نے تیس (۳۰) سے زائد فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان کلمات کو لکھنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔

سجدہ

(۱۳۵) پھر تکبیر کہتے ہوئے سجدہ میں چلا جائے۔ سجدہ میں جاتے ہوئے پہلے گھٹنے زمین پر رکھے پھر ہاتھ پھر ناک پھر پیشانی اور سجدہ سے اٹھتے ہوئے اس کے برعکس دوران سجدہ کہنیوں کو جسم سے علیحدہ رکھے۔

عن وائل بن حجر قال رأيت النبي صلى الله عليه وسلم إذا سجد وضع ركبتيه قبل يديه واذا نهض رفع يديه قبل ركبتيه.

(ترمذی : ماجاء في وضع اليدين قبل الركبتين في السجود)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سجدہ کرتے تو گھٹنوں کو ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے اور اٹھتے وقت گھٹنوں سے پہلے ہاتھ اٹھاتے۔

سجدہ کی تسبیح

(۱۳۶) سجدہ میں جا کر یہ تسبیح پڑھے

سبحان ربي الأعلى.

میرا رب بلند مرتبے والا ہر برائی سے پاک ہے۔

عن حذيفة رضي الله عنه أنه صلى مع النبي صلى الله عليه وسلم فكان يقول في ركوعه سبحان ربي العظيم، وفي سجوده سبحان ربي الأعلى. (حسن صحيح) (ترمذی : ماجاء في التسبيح في الركوع)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی تو آپ

نے رکوع میں سبحان ربی العظیم اور سجدہ میں سبحان ربی الأعلی پڑھا۔
سجدہ میں کہنیاں زمین پر نہ بچھائے کہ یہ آداب سجدہ کے خلاف ہے۔

عن أنس عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال اعتدلوا فی السجود ولا یبسط احدکم ذراعیه انبساط الکلب.

(مسلم : الاعتدال فی السجود)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ سجدہ میں اعتدال کرو۔ اور تم میں سے کوئی بھی سجدہ میں کہنیوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

اعضائے سجدہ

(۱۳۷) سجدہ سات اعضاء کو زمین پر لگادینے کا نام ہے۔ اگر کوئی عضو بھی زمین سے بلند رہے گا تو اسی درجہ میں سجدہ ناقص شمار ہوگا۔ اعضاء سجدہ کا ذکر حدیث میں ہے۔

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنه قال قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم "أمرت أن أسجد علی سبعة اعظم علی الجبهة وأشار بیده علی انفه والیدین والرکبتین، وأطراف القدمین، ولا نکفت الثیاب والشعر.

(بخاری : باب السجود علی الانف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مجھے حکم دیا گیا کہ میں سات ہڈیوں پر سجدہ کروں، پیشانی پر اور آپ نے ناک کی طرف بھی اشارہ کیا، دونوں ہاتھوں پر، دونوں گھٹنوں پر، دونوں پاؤں کی انگلیوں پر اور (ہمیں یہ بھی حکم دیا کہ) ہم نماز میں کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔

(۱۳۸) (الف) دوران سجدہ ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کر زمین پر رکھے، تا کہ ان کا رخ قبلہ کی طرف رہے۔

عن وائل بن حجر أن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم کان إذا رکع فرج بین اصابعه وإذا سجد ضم أصابعه. (حاکم. صحیح علی شرط مسلم)

حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں انگلیوں کو کھول کر رکھتے اور سجدہ میں انگلیوں کو ملا کر رکھتے۔

(ب) ہتھیلیاں کندھوں کے برابر رکھے کہ انگوٹھے کانوں کی لو کے برابر رہیں۔
چونکہ اس طرح دونوں قسم کی روایات پر عمل ہو جائے گا۔

۱- عن أبی حمید الساعدی أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان إذا سجد امکن انفہ وجبھتہ الارض نحی یدیہ عن جنبہ ووضع کفیہ حذو منکبیہ. (ترمذی : ما جاء فی السجود علی الجبھۃ والأنف)

ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں ناک اور پیشانی کو خوب ٹکا کر رکھتے اور ہاتھ کندھوں کے برابر رکھتے۔

۲- عن أبی اسحاق قال قلت للبراء بن عازب أین کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یضع وجھہ إذا سجد؟ فقال بین کفیہ.
(حسن) (ترمذی : ماجاء این یضع الرجل وجھہ)

حضرت ابواسحاق نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرۂ انور کو سجدہ میں کہاں رکھتے تھے؟
آپ نے فرمایا: دونوں ہاتھوں کے درمیان۔

جلسہ

(۱۳۹) پھر تکبیر کہتا ہوا سیدھا بیٹھ جائے، اس دوران یہ دعا پڑھنا مستحب ہے۔
اللّٰھم اغفرلی، وارحمنی، واجبرنی، واھدنی، وارزقنی.
(ترمذی : ما یقول بین السجدتین)
پھر تکبیر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کرے۔ اب ایک رکعت مکمل ہوگئی۔

قیام

(۱۴۰) (الف) دونوں سجدوں سے فارغ ہو کر پھر دوسری رکعت کے لئے سیدھا کھڑا ہو جائے چونکہ یہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور اسلاف امت کا اجماع اس پر ہے کہ جلسۂ استراحت نہ کرے۔

عن ابن سھل الساعدی وفیہ، ثم کبر فسجد ثم کبر فقام ولم

يتورك صححه النيموى. (ابوداؤد : من ذكر التورك فى الرابعة)۔

حضرت سہل کے صاحبزادے سعد ساعدی کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہہ کر سجدہ کیا پھر تکبیر کہہ کر بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو گئے۔

(ب) عمل صحابہؓ

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بابت فرماتے ہیں :

"فرأيته، ينهض على صدور قدميه ولا يجلس إذا صلى فى أول ركعة حين يقضى السجود." (بيهقى : من قال يرجع على صدور قدميه)

"کہ میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ وہ پہلی رکعت میں بیٹھتے نہ تھے، بلکہ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہم کا بھی یہی عمل تھا کہ آپ بغیر بیٹھے سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ (جوہر النقی۔ ج ۲۔ ص ۱۲۵)

شارح بخاری ابن حجر نقل کرتے ہیں :

عن النعمان بن ابى عياش : أدركت غير واحد من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم فكان أحدهم إذا رفع رأسه من السجدة الثانية من الركعة الأولى والثالثة نهض كما هو ولم يجلس.

(الدراية. ج ۱. ص ۱۴۷)

حضرت نعمان بن ابی عیاش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ وہ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھتے تو بیٹھے بغیر سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔

اور یہی منقول ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔

(زیلعی : نصب الرایۃ۔ ج ۱۔ ص ۳۸۹)

(ج) اجماع امت

اسلاف امت کا اجماع واتفاق اس بات پر ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے بعد بیٹھے بغیر سیدھا کھڑا ہوجانا چاہئے۔

اجمعوا أنه إذا رفع رأسه من آخر سجدة من الركعة الأولى والثالثة نهض ولم يجلس إلا الشافعي. (جوهر النقي. ج ۲. ص ۱۲۶)

امام شافعیؒ کے سوا تمام اسلاف کا اجماع ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد سیدھا کھڑا ہوجائے۔(۱)

(۱) جلسہ استراحت کوئی مسنون عمل نہیں۔ ذخیرہ احادیث میں جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی کیفیت بیان کی۔ان میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں ملتا۔

البتہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ جلسہ استراحت فرماتے تھے، جب کہ دوسری روایت میں ہے کہ جلسہ استراحت نہیں فرماتے تھے۔

امام طحاوی اس مضمون کی تمام احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

فلما تخالف الحديثان احتمل أن يكون ما فعله في حديث مالك بن الحويرث لعلة كانت به فقعد من أجلها لا لأنه ذلك من سنة الصلوٰة وقال ولو كانت هذا الجلسة مقصودة لشرع لها ذكر مخصوص۔

کہ جب دونوں حدیثوں میں بظاہر اختلاف معلوم ہوتا ہے تو اس کا حل یہی ہے کہ آپ نے کسی خاص ذاتی کیفیت کی وجہ سے یہ جلسہ فرمایا ہوگا نہ اس لئے کہ یہ نماز کی سنت ہے اور اگر یہ جلسہ نماز میں مطلوب ہوتا تو خاص طور پر اس کا علیحدہ تذکرہ ضرور ہوتا۔

امام طحاویؒ کے اس فرمان کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے خود یہ فرمایا کہ بڑھاپے کے سبب اب میں جسیم ہوگیا ہوں۔ لہٰذا اسی دور میں اس خاص کیفیت کے پیش نظر پہلے بیٹھ کر پھر کھڑے ہوتے تھے۔

ملاحظہ ہو: عن معاوية بن أبي سفيان رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا تبادروني بالركوع ولا بالسجود فمهما اسبقكم به إذا ركعت تدركوني به إذا رفعت ومهما اسبقكم إذا سجدت تدركوني به إذا رفعت إني قد بدنت۔ (ابن ماجه: النهي أن يسبق الامام بالركوع)

دوسری رکعت کو پہلی رکعت کی طرح مکمل کرے بس اس میں ثناء، تعوذ نہ پڑھے، صرف سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ کر رکوع وسجدہ کرے۔

قعدہ (بیٹھنا)

(۱۴۱) دوسری رکعت میں دونوں سجدوں کے بعد تشہد کے لئے بیٹھ جائے بیٹھنے کی مسنون ترکیب ملاحظہ ہو۔

عن عائشة رضی الله عنها وفيه وكان يقول فی كل ركعتين التحية وكان يفرش رجله اليسرى وينصب رجله اليمنى..... الحديث

(مسلم : صفة الصلوة)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر دو رکعتوں کے بعد التحیات کے لئے بیٹھنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا بایاں پاؤں بچھاتے تھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے تھے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ اس مضمون کی جملہ روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ولو كان هديه صلى الله عليه وسلم وفعلها دائما لذكرها كل واصف لصلاته ومجرد فعله صلى الله عليه وسلم لا يدل على أنها من سنن الصلاة الا إذا علم أنه جعلها سنة يقتدىٰ به فيها وأما إذا قدر أنه فعلها للحاجة لم يدل على كونها سنة من سنن الصلوة۔

(ملخص زاد المعاد۔ ج ۱۔ ص ۲۴۰)

اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ ہمیشہ جلسہ استراحت کی ہوتی تو یقیناً ہر وہ شخص اس کا ذکر کرتا جس نے آپ کی نماز کی کیفیت بیان کی ہے اور فقط آپ کا یہ عمل کر لینا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ نماز کی سنت ہے۔ الا یہ کہ جب معلوم ہو کہ آپ نے یہ عمل بطور سنت کیا ہے تا کہ لوگ بھی ایسا کریں۔ البتہ جب یہ معلوم ہو کہ آپ نے یہ عمل کسی ذاتی ضرورت کے پیش نظر کیا ہے پھر تو اس سے قطعاً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ نماز کی سنتوں میں سے ایک ہے۔

الغرض اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ : ذخیرہ احادیث میں جلسہ استراحت کا ذکر ایک مسنون عمل کی حیثیت سے نہیں ملتا، چونکہ آخری عمر میں جلسہ استراحت کرنا ایک ذاتی کیفیت بڑھاپے کی وجہ سے تھا، اس لئے امت کا اجماع ہے کہ یہ جلسہ سنت نہیں ہے۔

تشہد

(۱۴۲) قعدہ میں یہ تشہد پڑھے

التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاته السلام علینا وعلی عباده اللّٰہ الصالحین، اشھد ان لا إله إلا اللّٰہ واشھد ان محمداً عبده ورسوله.

سب زبانی عبادتیں، سب بدنی عبادتیں اور سب مالی عبادتیں صرف اللہ کے لئے ہیں اے نبی! آپ پر سلام ہو، اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بندگی کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عن عبداللّٰہ قال کنا نقول خلف رسول اللہ صلی اللّٰہ علیه وسلم "السلام علی اللّٰہ السلام علی فلان، فقال لنا رسول اللہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ذات یوم إن اللّٰہ هو السلام فإذا قعد أحدکم فی الصلوٰة فلیقل! التحیات للّٰہ والصلوات والطیبات السلام علیک ایھا النبی ورحمة اللّٰہ وبرکاته السلام علینا وعلی عباده اللّٰہ الصالحین، فإذا قالھا أصابت کل عبداللّٰہ صالح فی السماء والارض اشھد ان لا إله إلا اللّٰہ واشھد ان محمداً عبده ورسوله. ثم یتخیر من المسألة ماشاء.

(مسلم : التشهد فی الصلاة. بخاری : التشهد فی الاخرة)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز میں ہم پڑھا کرتے "اللہ پر سلامتی ہو، فلاں پر سلامتی ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تو خود ہی سلامتی ہے۔ جب تم نماز میں بیٹھو تو یہ پڑھا کرو۔ التحیات للہ والصلوات والطیبات........ پھر جو دعا چاہے مانگے۔

انگلی کا اشارہ

(۱۴۳) انگوٹھے کے پاس والی انگلی کو شہادت کی انگلی کہتے ہیں، چونکہ جب نمازی

نماز میں اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے تو یہ انگلی بھی یہی شہادت دیتی ہے۔ لہٰذا جب اشہد اَن لا اِلٰہ پر پہنچے تو ہاتھ کی بڑی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے۔ شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے اور الا اللہ پر انگلی کو نیچے کرے اور یہ حلقہ آخر تک بنائے رکھے۔

عن عبداللّٰہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما قال کان رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا قعد یدعو وضع یدہ الیمنی علی فخذہ الیمنی ویدہ الیسری علی فخذہ الیسری وأشار باصبعہ السبابۃ ووضع ابہامہ علی اصبعہ الوسطی ویلقم کفہ الیسری رکبتہ.

(مسلم : صفۃ الجلوس فی الصلاۃ)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لئے بیٹھتے تو دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھتے اور بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر رکھتے اور اپنی شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے (۱) اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی سے ملا لیتے۔

قیام

(۱۴۴) اب اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہو تو تشہد کے بعد سیدھا کھڑا ہو جائے اور حسب سابق باقی تمام نماز مکمل کرے، البتہ فرائض کی تیسری چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی اور سورۃ نہ ملائے۔ سنن ونوافل میں سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بھی ملائے۔

عن عبداللّٰہ بن ابی قتادۃ عن ابیہ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان

(۱) بعض لوگ انگلی سے اشارہ کے بجائے انگلی کو ہلاتے رہتے ہیں۔ شاید ان کی نظر صرف اس حدیث پر ہو۔

عن وائل بن حجر........ وفیہ، ثم قبض ثلاثۃ من أصابعہ وحلق حلقۃ ثم رفع اصبعہ فرأیتہ یحرکہا یدعو بہا۔

حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین انگلیوں کو ملا کر حلقہ بنایا ایک کو اٹھایا۔ میں نے دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ہلاتے دعا کرتے۔

عن عبداللّٰہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یشیر با صبعہ إذا دعا لا یحرکہا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

يقرأ في الظهر في الأوليين بام الكتاب وسورتين في الركعتين الاخريين بام الكتاب، وليسمعنا الاية.......... الحديث

(بخاری : يقرأ في الأخريين بفاتحة الكتاب)

حضرت عبداللہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور آخر دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور کبھی ایک آیت ہمیں بھی سناتے۔

درود شریف

(۱۴۵) اگر دو رکعت والی نماز ہو تو تشہد کے بعد درود شریف پڑھے۔ اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہو تو تیسری یا چوتھی رکعت پڑھ کر آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھے۔

اللّٰهم صلی علی محمد وعلى آل محمد كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم إنک حميد مجيد، اللهم بارک علی محمد وعلى آل محمد كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم انک حميد مجيد.

ارشادِ نبویؐ ملاحظہ ہو

عن كعب بن عجرة وفيه.....قال: قولوا "اللّٰهم صل على محمد وعلى

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا پڑھتے تو انگلی سے اشارہ کرتے تھے اس کو ہلاتے نہیں تھے۔ اب جو لوگ اشارہ میں انگلی کو ہلاتے ہیں بزعم خویش وہ پہلی حدیث پر عمل کرتے ہیں، لیکن دوسری کا خلاف کرتے ہیں۔

حالانکہ اس مضمون کی تمام احادیث پیش نظر رہنی چاہئیں۔ اسی لئے امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يحتمل أن يكون مراده بالتحريك الاشارة بها لا تكرير تحريكها فيكون موافقاً لرواية ابن الزبير۔ (سنن بيهقي)

"کہ حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی حدیث میں تحریک سے مراد اشارہ ہے نہ کہ اس کو ہلاتے ہی رہنا۔ اس طرح وہ حدیث بھی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہو جائے گی۔"

آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید.
اللھم بارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم إنک حمید مجید.

(بخاری: کتاب احادیث الانبیاء(باب))

حضرت کعب بن عجرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔تم یہ کہا کرو۔ترجمہ: ''اے اللہ، حضرت محمدؐ اور آپؐ کی آل پر رحمت بھیج، جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ اوران کی آل پر رحمت بھیجی۔ یقیناً تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔اے اللہ حضرت محمدؐ اور آپؐ کی آل پر برکت نازل فرما۔جس طرح تو نے حضرت ابراہیمؑ اوران کی آل پر برکت نازل کی۔ یقیناً تو تعریف والا بزرگی والا ہے۔''

دعا

(۱۴۶)(الف) درود کے بعد مسنون دعاؤں میں سے جو دعا چاہے مانگ سکتا ہے۔ایک سے زائد دعائیں بھی مانگ سکتا ہے۔

ارشادنبوی ہے۔''ثم یتخیر من المسئلۃ ماشاء''(مسلم)
''پھر جودعا چاہے مانگ لے۔''

(ب) دعاءابراہیمی

رب اجعلنی مقیم الصلوۃ ومن ذریتی ربنا وتقبل دعاء ربنا اغفرلی ولوالدیّ وللمؤمنین یوم یقوم الحساب.

(سورۃ ابراھیم ۴۰، ۴۱)

اے رب مجھ کو اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا بنا، اے رب ہماری دعا قبول کر، اے رب قیامت کے دن مجھے اور میرے ماں باپ اور تمام مومنوں کو معاف کر۔

(ج) ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار.

(سورہ بقرۃ ۲۰۱)

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں نعمت دے اور آخرت میں ثواب دے اور دوزخ

کی آگ سے بچا۔

(د) عن ابی بکر الصدیق رضی اللّٰہ عنه انه قال لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم علمنی دعاءً أدعو به فی صلاتی قال "قل" اللّٰھم إنی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب إلا انت فاغفرلی مغفرۃ من عندک وارحمنی انک انت الغفور الرحیم.

(بخاری : باب الدعاء قبل السلام)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ "مجھے کوئی ایسی دعا سکھائیں جو نماز میں مانگا کروں، آپ نے فرمایا۔" یہ دعا مانگا کرو۔"

(ترجمہ) اے اللہ میں نے تو اپنے آپ پر بہت ظلم کیا اور گناہوں کو بخشنے والا ترے سوا کوئی ہے نہیں بس اپنے خاص فضل وکرم سے میری مغفرت کر دیجئے اور میرے ساتھ مزید رحم کا معاملہ کیجئے، یقیناً صرف تو ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

سلام

(۱۴۷) درود شریف کے بعد دعا مانگ کر دائیں اور بائیں طرف منہ موڑتے ہوئے کہے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ تم پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔

عن عامر بن سعد عن أبیه قال کنت أری رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم یسلم عن یمینه وعن یسارہ حتی أری بیاض خدہ.

(مسلم : السلام التحلیل من الصلوۃ عند فراغھا)

حضرت عامر کے والد فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا کہ آپ دائیں بائیں سلام پھیرتے ہیں حتیٰ کہ میں آپ کے رخسار مبارک کی سفیدی کو بھی دیکھتا۔

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه عن النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم أن کان یسلم عن یمینه وعن یسارہ السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ، السلام علیکم ورحمۃ اللّٰہ.

(حسن صحیح) (ترمذی : ماجاء فی التسلیم فی الصلوۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم السلام علیکم ورحمۃ اللہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے دائیں اور بائیں طرف سلام پھیرتے۔

امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو

(۱۴۸) اگر باجماعت نماز ہو تو امام کو چاہیئے کہ سلام پھیرنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے۔

عن سمرة بن جندب قال كان النبی صلی اللّٰه علیه وسلم إذا صلی صلوة اقبل علینا بوجهه. (بخاری : یستقبل الإمام الناس إذا سلم)

حضرت سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر ہماری طرف متوجہ ہو کر بیٹھتے۔

مسنون تسبیح

(۱۴۹) نماز سے فارغ ہو کر ان مسنون تسبیحات کا پڑھنا بہت فضیلت کا باعث ہے۔

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه أن فقراء المهاجرین أتوا رسول اللّٰه علیه وسلم فقالوا ذهب أهل الدثور بالدرجات العلی والنعیم المقیم، فقال وما ذاک، قالوا یصلون کما نصلی، یصومون کما نصوم ویتصدقون ولا نتصدق ویعتقون ولا نعتق فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أفلا أعلمکم شیئاً تدرکون به من سبقکم وتسبقون به من بعدکم ولا یکون أحد افضل منکم، الا من صنع مثل ما صنعتم، قالوا بلی یا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال تسبحون وتکبرون وتحمدون دبر کل صلاة ثلاثاً وثلاثین مرة، قال أبو صالح فرجع فقراء المهاجرین

إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالوا سمع اخواننا أهل الاموال بما فعلنا فصنعوا مثله فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ذلك فضل الله يؤتيه من يشاء.

(مسلم: استحباب الذكر بعد الصلاة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں فقراء مہاجرین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مالدار لوگ تو اعلیٰ درجات اور جنت کی نعمتوں میں ہم سے سبقت لے گئے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ کیسے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نماز روزہ میں وہ ہمارے ساتھ شریک ہیں لیکن وہ مالی خیرات کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے اور غلام خرید کر آزاد کرتے ہیں جو ہم نہیں کر سکتے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ایسی چیز بتاؤں کہ جس سے تم بھی سبقت لے جانے والوں کے برابر ہو جاؤ اور اپنے بعد والوں کے علاوہ اور کوئی تم سے افضل نہ رہے۔ انہوں نے عرض کیا، ضرور آپ نے فرمایا کہ ہر نماز کے بعد سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر ۳۳ بار پڑھا کرو۔

حضرت ابوصالح کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ بعد پھر فقراء مہاجرین بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہمارے مالدار بھائیوں نے بھی ہماری طرح یہ عمل شروع کر دیا، ارشاد ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

عن كعب بن عجرة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال معقبات لا يخيب قائلهن أو فاعلهن، ثلاث وثلاثون تسبيحة، وثلاث وثلاثون تحميدة، وأربع وثلاثون تكبيرة دبر كل صلاة.

(مسلم: استحباب الذكر بعد الصلاة)

حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر نماز کے بعد یہ تسبیحات پڑھنے والا کبھی ناکام نہیں ہوگا۔ (ہمیشہ کامیاب ہوگا) سبحان اللہ ۳۳ دفعہ، الحمد للہ ۳۳ دفعہ، اللہ اکبر ۳۴ دفعہ۔

دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا

(۱۵۰) نماز کے بعد دعا کی قبولیت کا وقت ہے اس وقت رب ذوالجلال کے حضور ہر قسم کی دعا کرسکتا ہے، عربی میں ہو یا اپنی زبان میں بس اس دعا کو سمجھ کر اخلاص اور حضوریٔ قلب کے ساتھ کرنا چاہئے۔ اس وقت دعا کرنا مستحب ہے جو نماز کا لازمی (۱) حصہ نہیں ہے۔

عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ قال إن اللہ حی کریم یستحی أن یرفع الرجل إلیہ یدیہ أن یرد ھما صفراً (ترمذی)

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حیا کرنے والا ہے کریم ہے جب بندہ اللہ کی طرف ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو حیا آتی ہے کہ وہ اس ہاتھ کو خالی واپس کریں۔

عن محمد بن ابی یحیی قال رأیت عبد اللہ بن الزبیر ورأی رجلاً رافعاً یدیہ یدعو قبل ان یفرغ من صلاتہ فلما فرغ منھا قال إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن یرفع یدیہ حتی یفرغ من صلاتہ رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات. (مجمع الزوئد. ج ۱۰. ص ۱۶۹)

---

(۱) فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے کی بابت بعض لوگ افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ بعض تو اس کو نماز کا ایک جز شمار کرتے ہیں جب کہ کچھ اور لوگ اس کو ناجائز اور بدعت کہتے ہیں حالانکہ:

(الف) حافظ عبداللہ روپڑی صاحبؒ فرماتے ہیں:

''فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر جو دعا مانگی جاتی ہے وہ شرعاً درست ہے''۔

عبداللہ روپڑی: فتاوی اہل حدیث ج ۲/ص ۱۹۰

(ب) نیز میاں نذیر حسین دہلویؒ لکھتے ہیں:

''صاحب فہم پر مخفی نہیں کہ بعد نماز فرائض کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز مستحب ہے اور زید مخطی ہے (جو اس کو بدعت کہتا ہے۔) نذیر حسینؒ: فتاوی نذیریہ ج ۱ ص ۵۶۶

(ج) نیز مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں:

''بعد نماز کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بعض روایات میں ثابت ہے۔

ثناء اللہ امرتسریؒ فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۵۲۷

حضرت محمد بن ابی یحییٰ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز مکمل کرنے سے پہلے ہی ہاتھ اٹھا کر دعا مانگ رہا ہے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ نماز سے فارغ ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔ (اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔)

عن سلمان رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ما رفع قوم اکفهم إلی اللّٰہ عزوجل یسالونه شیئاً الا کان حقاً علی اللّٰہ أن یضع فی ایدیهم الذی سألوا. رواہ الطبرانی ورجاله رجال الصحیح.

(مجمع الزوائد. ج ۱۰. ص ۱۶۹)

حضرت سلمانؓ سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی کچھ لوگ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں تو اللہ ضرور ان کے ہاتھوں میں وہ چیز ڈال دیتے ہیں جو انہوں نے مانگی ہے۔

عن ابی أمامة رضی اللّٰہ عنه قیل لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر ودبر الصلوت المکتوبات.

(حسن) (ترمذی : کتاب الدعوات)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات کے آخری حصہ کی دعا اور فرض نمازوں کے بعد کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے تھے۔

تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ اجتماعی دعا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔

چوتھی حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے بعد قبولیت دعا کا وقت ہے اسے ضائع نہ کرنا چاہیے۔

مسنون دعائیں

(۱۵۱)عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا انصرف من صلاتہ استغفر ثلاثا وقال "اللھم أنت السلام ومنک السلام تبارکت ذاالجلال والإکرام.

(مسلم:استحباب الذکر بعد الصلوة)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ استغفار پڑھتے اور پھر فرماتے۔ اللّٰھم أنت السلام ومنک السلام تبارکت ذاالجلال والإکرام.

دعا کرنے کا طریقہ

(۱۵۲)دعا کے شروع و آخر میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا چاہئے۔انہماک توجہ حضوریٔ قلب کے ساتھ گڑ گڑا کر دعا مانگنی چاہیے اور اس یقین کے ساتھ دعا مانگنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعاؤں کو سن رہا ہے اور قبول کرتا ہے وہی مشکلات کو حل کرتا ہے۔ پریشانیوں کو رفع کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی دعاؤں کو سننے والا، ان کو قبول کرنے والا اور مشکلات کو حل کرنے والا نہیں ہے۔

عن عبداللّٰہ قال کنت أصلی والنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم وأبوبکر وعمر معہ فلما جلست بدأت بالثناء علی اللّٰہ ثم الصلوۃ علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم دعوت لنفسی فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : سل تعطہ، سل تعطہ.

(حسن صحیح) الصلاۃ والسلام قبل الدعاء (ترمذی)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما تھے۔جب میں نماز پڑھ کر بیٹھ گیا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی ثنا بیان کی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا پھر اپنے لئے دعا کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب اللہ تعالیٰ سے مانگ تجھے دیا جائے گا۔اللہ تعالیٰ سے مانگ تجھے دیا جائے گا۔

(الف) سجدۂ سہو

(۱۵۳) اگر نماز کے فرائض میں سے کوئی فرض بھولے سے پہلے ادا ہو جائے یا اسکی ادائیگی میں کچھ تاخیر ہو جائے یا کوئی واجب چھوٹ جائے یا رکعتوں کی صحیح تعداد بھول جائے، تو سجدہ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جائے گی اور اگر جان بوجھ کر ایسا کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی اور نئے سرے سے ادا کرنی پڑے گی۔

(ب) سجدۂ سہو کا طریقہ

قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد ایک طرف سلام پھیر کر دو سجدے کرے، پھر تشہد درود شریف و دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔

عن عبداللہ رضی اللہ عنہ: قال السهو أن يقوم فی قعود، أو یقعد فی قیام أو یسلم فی الرکعتین، فإنه یسلم ثم یسجد سجدتی السهو، ویتشهد ویسلم. (طحاوی : باب سجود السهو فی الصلوة)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھول یہ ہے کہ نمازی بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہو جائے یا کھڑا ہونے کے بجائے بیٹھ جائے یا (تین چار رکعت والی نماز میں) دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے، تو ایسا شخص سلام پھیرنے کے بعد دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما انس رضی اللہ عنہ حضرت سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ وغیرہم حضرات سے بھی سلام کے بعد سجدہ سہو منقول ہے۔

(طحاوی : باب سجود السهو فی الصلاۃ)

عن عبداللہ رضی اللہ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صلی الظهر خمسا فقیل له: أزید فی الصلوة فقال وماذاک قال صلیت خمساً فسجد سجدتین بعد ما سلم. (بخاری : باب إذا صلی خمساً)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے ظہر کی پانچ رکعات پڑھ لیں تو آپ سے عرض کیا گیا" کیا نماز میں اضافہ ہو گیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کیا ہوا؟ عرض کیا کہ آپ نے پانچ رکعتیں پڑھی ہیں، تو آپ نے سلام پھیرنے کے بعد سجدۂ سہو فرمایا۔"

عن عمران بن الحصين رضى الله عنه .قال سلم رسول الله صلى الله عليه وسلم فى ثلاث ركعات من العصر ثم قام فدخل الحجرة فقام رجل بسيط اليدين فقال أقصرت الصلوة يا رسول الله صلى الله عليه وسلم فخرج مغضباً فصلى الركعة التى كان ترك ثم سلم ثم سجد سجدتى السهو ثم سلم. (مسلم:السهو فى الصلاة والسجود له)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا پھر آپ اٹھے اور کمرہ میں چلے گئے تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔" یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا نماز میں تخفیف ہو گئی؟ تو آپ اسی غصہ کی حالت میں واپس آئے اور متروکہ رکعت ادا کی۔ پھر سلام پھیر کر سجدہ سہو کیا، پھر سلام پھیرا۔

عن عمران بن الحصين رضى الله عنه أن النبى صلى الله عليه وسلم صلى بهم فسها فسجد سجدتين ثم تشهد ثم سلم. (صححه الحاكم).

(ابو داؤد : سجدتى السهو فيهما تشهد وتسليم)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ نماز پڑھی اور اس میں کچھ بھول گئے، تو آپ نے دو سجدۂ سہو کر کے تشہد پڑھی۔ پھر سلام پھیرا"۔

ان روایات سے معلوم ہو گیا کہ سجدۂ سہو سلام کے بعد ہے اور سجدۂ سہو کے بعد پھر تشہد پڑھ کر سلام پھیرا جاتا ہے۔

عمل صحابہؓ

شیخ ابوبکر ہمدانیؒ المتوفی ۵۸۴ھ لکھتے ہیں :

وقد روى عن النبى صلى الله عليه وسلم سجود السهو بعد السلام من غير وجهٍ وهو فى حديث عمران بن حصين وابى هريرة وعبد الله بن جعفر والمغيرة بن شعبة وثوبان قد اختلف اهل العلم فى هذا الباب على اربعة أوجهٍ فطائفة رأت السجود كلهٔ بعد السلام عملاً بهذا الحديث وممن روينا ذلك عنه من الصحابة على بن أبى طالب، وسعد بن أبى وقاص وعبد الله بن مسعود وعمار بن ياسر وعبد الله بن عباس وعبدالله بن الزبير رضى الله عنهم ومن التابعين الحسن وابراهيم النخعى وعبد الرحمن بن أبى ليلى والثورى والحسن بن صالح وابو حنيفة واهل الكوفة.

(همدانى : الإعتبار فى الناسخ والمنسوخ من الأثار ص ۸۵)

سلام کے بعد سجدۂ سہو کرنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف طریقوں سے منقول ہے جیسا کہ حضرت عمران وأبی ہریرۃ وعبداللہ بن جعفر ومغیرۃ وثوبان رضی اللہ عنہم سے منقول احادیث میں ہے اور اس مسئلہ میں حضرات علماء سے چار قسم کے اقوال منقول ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ مندرجہ بالا احادیث پر عمل کرتے ہوئے تمام سجدۂ سہو سلام کے بعد کئے جائیں اور جن حضرات صحابہؓ سے یہی منقول ہے وہ یہ ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرات تابعین میں یہی منقول ہے، حضرت حسنؒ حضرت ابراہیم نخعیؒ حضرت عبدالرحمٰنؒ حضرت ثوریؒ حضرت حسن بن صالحؒ اور امام ابوحنیفہؒ ودیگر اہل کوفہ سے۔

ا- جب امام بھول جائے

(۱۵۴) اگر باجماعت نماز میں امام سے کوئی غلطی ہوجائے تو مقتدی کو چاہئے کہ

امام کو متنبہ کرنے کے لئے بلند آواز سے سبحان اللہ کہے تا کہ وہ صحیح کیفیت پر لوٹ آئے اور اگر مقتدی عورتوں کی توجہ پہلے اس غلطی کی طرف ہو جائے تو ان کو چاہئے کہ ہاتھ کو ہاتھ پر ماریں تا کہ اس آواز سے امام کو تنبیہ ہو جائے اور منہ سے آواز نہ نکالیں کیونکہ ان کی آواز کا بھی پردہ ہے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم التسبيح للرجال والتصفيق للنساء.

(مسلم : تسبيح الرجل وتصفيق امرأة)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تسبیح مردوں کے لئے ہے اور عورتوں کے لئے ہاتھ پر ہاتھ مارنا ہے۔

عن سهل بن سعد عن النبی صلى الله عليه وسلم أنه قال من نابه شیءٌ فی صلاته فليقل سبحان الله انما التصفيح للنساء والستبيح للرجال. (طحاوی : الكلام فی الصلاة......)

حضرت سہل سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز (کی ترتیب) میں کوئی اور چیز آ جائے تو مقتدی کو سبحان اللہ کہنا چاہئے چونکہ ہاتھ پر ہاتھ مارنا عورتوں کے لئے ہے مردوں کے لئے تو (زبان سے) سبحان اللہ کہنا ہے۔

سجدۂ سہو کی چند صورتیں

(۱۵۵) (الف) قعدۂ اولیٰ چھوٹ جانے پر سجدۂ سہو : جو شخص بھول کر قعدۂ اولیٰ نہ کرے، تو اگر کھڑے ہونے سے پہلے پہلے یاد آئے تو بیٹھ جائے، اگر کھڑے ہونے کے بعد یاد آئے تو اب بیٹھے نہیں نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کر لے۔

عن عبد الله أنهٔ قال إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قام من الثنتين من الظهر لم يجلس بينهما فلما قضى صلوته سجد سجدتين ثم سلم بعد ذلك. (بخاری : ما جاء فی السهو إذا قام)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں بیٹھے بغیر کھڑے ہو گئے۔ پھر جب آپ نے نماز پوری کر لی تو سجدۂ

سہو کیا اور پھر سلام پھیرا۔

(ب) رکعات کی تعداد میں شک آنے پر سجدہ

عن أبی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم إذا شک احدکم فی صلاتہ فلیلغ الشک ولیبن علی الیقین، فإذا استیقن التمام سجد سجدتین، فإن کانت صلوتہ کاملۃ کانت الرکعۃ نافلۃ وإن کانت ناقصۃً کانت الرکعۃ لتمام صلوتہ وکانت السجدتان رغم أنف الشیطن.

(ابن ماجہ : ماجاء فیمن شک فی صلاۃ)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تمہیں نماز میں شک آ جائے تو چاہئے کہ شک کو ختم کر کے یقینی بات پر عمل کیا جائے (یعنی کم والے احتمال کو اختیار کیا جائے) جب اسے مکمل ہونے کا یقین ہو جائے تو پھر دو سجدۂ سہو کر لے، اب اگر اس کی نماز پہلے سے مکمل تھی تو یہ ایک اضافی رکعت نفل ہو جائے گی اور اگر واقعی ایک رکعت کم تھی تو اس سے نماز پوری ہو جائے گی اور دو سجدہ شیطان کو ذلیل کرنے کے لئے ہوں گے۔

نماز میں گفتگو

آغازِ اسلام میں دوران نماز ضرورت کی بات چیت کر لی جاتی تھی لیکن بعد میں اس کی اجازت نہ رہی، لہٰذا سجدۂ سہو کی جن روایات میں نماز اور سجدۂ سہو کے مابین بات چیت کا ذکر ملتا ہے، وہ ابتدائی دور سے متعلق ہیں، اب اس کے بجائے صرف سبحان اللہ کہنے کی اجازت ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص سلام پھیر کر سجدۂ سہو کرنے سے پہلے بات چیت کرے تو اس کی نماز ٹوٹ جائے گی اور اس کو پھر نئے سرے سے نماز پڑھنا ہوگی جیسے کے دوران نماز بات چیت کرے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

عن زید بن أرقم رضی اللّٰہ عنہ قال کنا نتکلم فی الصلاۃ یکلم الرجل صاحبہ وھو إلی جنبہ فی الصلاۃ حتی نزلت "وقوموا للہ قانتین".

فامرنا بالسکوت ونھینا عن الکلام)

(مسلم : تحریم الکلام فی الصلوۃ، بخاری : ما ینھی من الکلام فی الصلوۃ)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نماز میں بات کرلیا کرتے تھے۔ ایک آدمی اپنے پہلو میں کھڑے دوسرے آدمی سے بات کرلیتا تھا تا آنکہ یہ آیت نازل ہوگئی، اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ کھڑے ہوا کرو تو ہمیں خاموشی کا حکم دیا گیا اور بات چیت سے روک دیا گیا۔

اور امام بخاریؒ نے جزء القرأۃ والی روایت میں "فی حاجتہ" کا لفظ بھی نقل کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے نزول سے قبل ضرورت کی بات چیت جائز تھی، لیکن یہ آیت نازل ہونے کے بعد ضرورت کی گفتگو سے بھی ممانعت کردی گئی۔ لہٰذا اب نماز میں کسی قسم کی گفتگو کرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

نیز حضرت عمران بن حصینؓ کی سابقہ روایات سے بھی معلوم ہوا کہ ایک دفعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ نماز کے بعد حضرات صحابہؓ نے یاد دلایا تو آپؐ نے مزید ایک رکعت پڑھی اور سلام پھیر دیا گویا اس وقت دوران نماز گفتگو جائز تھی، لیکن پھر آپؐ نے یہ فرمادیا کہ اگر امام نماز میں بھول جائے تو مقتدی سبحان اللہ کہیں تا کہ امام کو اصل کیفیت یاد آجائے گویا اب مقتدی پہلے کی طرح خاموش نہیں رہیں گے کہ سلام کے بعد امام کو بتایا جائے چونکہ اب نماز میں گفتگو کی ممانعت ہے۔ البتہ ایسے موقع پر دورانِ نماز سبحان اللہ کہنے کی اجازت ہے۔

عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال کنا نسلم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو فی الصلوۃ فیرد علینا فلما رجعنا من عند النجاشی سلمنا علیہ فلم یرد علینا، وقال إن فی الصلوۃ شغلاً.

(بخاری : ما ینھی من الکلام فی الصلاۃ)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شروع میں ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام عرض کیا کرتے تو آپ اس کا جواب دے دیتے تھے، لیکن جب ہم نجاشی کے پاس سے لوٹے تو ہم نے سلام کیا، آپ نے جواب نہ دیا اور پھر فرمایا کہ نماز میں اللہ

تعالیٰ کی طرف دھیان ہوتا ہے۔

ذیل میں نماز کی شرائط، نماز کے فرائض، نماز کے واجبات، نماز کی سنن اور بعض مکروہات نماز کا ذکر کیا جاتا ہے، تاکہ سجدۂ سہو کا مسئلہ سمجھنے اور اس کو متعین کرنے میں آسانی ہو۔(۱)

(۱۵۷) شرائط نماز

اگر ان شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی چھوٹ جائے تو نماز نہ ہوگی۔

۱-وقت (دیکھئے نمبر ۶۴)

۲-جسم کا پاک ہونا۔ طہارت ظاہرۃ، یعنی ظاہری گندگی سے پاک ہونا اور طہارت باطنہ یعنی باوضو اور باغسل ہونا۔

۳-کپڑوں کا پاک ہونا۔ (قال تعالیٰ "وثیابک فطہر" المدثر)

۴-نماز پڑھنے کی جگہ کا پاک ہونا۔

---

(۱) الغرض آج کل کے بعض لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ اگر نماز میں بھول ہوجائے تو سلام پھیرنے کے بعد اسی موضوع پر گفتگو کر کے سجدہ سہو کر لینا کافی ہے اور اس گفتگو سے نماز نہیں ٹوٹے گی چونکہ یہ نماز کی اصلاح کے لئے ہے۔ واضح رہے کہ خود نواب صدیق حسن خانؒ بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ ہر قسم کی گفتگو سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ گوکہ اس کا تعلق نماز کی اصلاح کے ساتھ ہو۔

ان ھذہ الصلوۃ لا یصلح فیھا شیءٌ من کلام الناس...... نواب صاحبؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:-

پس حدیث دلالت کند بر آنکہ مخاطبہ در نماز مبطل نماز است برابر است کہ برائے اصلاح نماز باشد یا غیر او۔ (مسک الختام ج ۱ ص ۳۰۹)

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے نماز کے دوران گفتگو کرنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے کہ چاہے وہ گفتگو نماز کی اصلاح کے لئے ہو یا کسی اور مقصد کے لئے ہو۔ نیز مشہور غیر مقلد مترجم مولانا وحید الزمانؒ بھی یہی لکھتے ہیں کہ جس شخص کے ذمہ سجدۂ سہو ہو اور وہ سجدہ کئے بغیر مسجد سے نکل جائے یا جان بوجھ کر کوئی بات کرے یا کچھ کھائے پیئے یا بے وضو ہوجائے تو اب اس کو پوری نماز لوٹانی ہوگی۔ صرف سجدۂ سہو کر لینا کافی نہیں ہے۔ (نزول الابرار ج ۱ ص ۱۳۹)

۵-ناف سے گھٹنوں تک جسم کو ڈھانپنا (دیکھئے نمبر۸۲)
۶-قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا۔(دیکھئے نمبر۸۴)
۷-نیت کرنا (دیکھئے نمبر۸۶)

فرائض نماز

(۱۵۸) اگر ان فرائض میں سے کوئی فرض بھی چھوٹ جائے تو نماز نہ ہوگی۔
اور اگر کسی فرض کی ادائیگی میں کچھ تاخیر ہو جائے (جیسے آخری رکعت میں بیٹھنے کے بجائے بھولے سے کھڑا ہو گیا پھر یاد آنے پر بیٹھ گیا) تو سجدۂ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جائے گی۔

۱-قیام (کھڑے ہو کر نماز پڑھنا، اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر، اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹ کر بھی نماز پڑھ سکتا ہے)۔(دیکھئے نمبر۸۵)
۲-قرأۃ (دیکھئے نمبر۹۵،۹۶)
۳-رکوع (دیکھئے نمبر۱۳۰)
۴-دو سجدے (دیکھئے نمبر۱۳۵)
۵-قعدۂ اخیرہ (دیکھئے نمبر۱۴۱)
۶-تمام ارکان کو ترتیب وار ادا کرنا (تعامل)
۷-نماز سے بارادہ فارغ ہونا (دیکھئے نمبر۱۴۷)

واجبات نماز

(۱۵۹) ان واجبات میں سے اگر کوئی واجب بھولے سے چھوٹ جائے یا اس کی ادائیگی میں کچھ تقدیم یا تاخیر ہو جائے تو سجدۂ سہو کر لینے سے نماز صحیح ہو جائے گی۔

۱-نماز شروع کرنے کے لئے اللہ اکبر کہنا (دیکھئے نمبر۸۷)
۲-سورۃ فاتحہ پڑھنا (امام اور منفرد کے لئے) (دیکھئے نمبر۹۵،۹۶)
۳-پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد ایک بڑی آیت، تین چھوٹی آیتیں، یا ایک سورۃ پڑھنا (امام اور منفرد کے لئے) (دیکھئے

نمبر۱۱۶)

۴-بوقت قرأة مقتدی خاموش رہنا (دیکھئے نمبر ۱۰۰)

۵-قعدۂ اولیٰ (دیکھئے نمبر ۱۴۱)

۶-قعدۂ اولیٰ اور قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا (دیکھئے نمبر ۱۴۲)

۷-تمام ارکان کو اطمینان کے ساتھ ادا کرنا (حدیث مسیٔ الصلوٰۃ "مسلم")

۸- ہر فرض اور ہر واجب کو بغیر کسی تقدیم وتاخیر کے اپنی صحیح جگہ پر ادا کرنا۔ (حدیث مسیٔ الصلوٰۃ)

۹-جہری نمازوں میں جہراً اور سری نمازوں میں آہستہ قرأت کرنا (امام کے لئے) (دیکھئے نمبر ۱۱۷)

۱۰-السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر سلام پھیرنا۔ (دیکھئے نمبر ۱۴۷)

۱۱-وتر میں دعاء قنوت پڑھنا۔ (دیکھئے نمبر ۱۸۸)

۱۲-عیدالفطر، عیدالاضحیٰ میں زائد تکبیرات کہنا۔

نماز کی سنتیں

(۱۶۰) ان سنتوں کا اہتمام ضروری ہے، لیکن اگر ان میں سے کوئی سنت بھولے سے چھوٹ جائے تو بغیر سجدۂ سہو کئے نماز ہو جائے گی۔

۱-تکبیر تحریمہ کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا اور انگلیوں کو کھلا رکھنا۔ (دیکھئے نمبر ۸۸)

۲-دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ کر ناف کے نیچے باندھنا۔ (دیکھئے نمبر ۸۹،۹۰)

۳-ثناء (سبحانک اللھم......) پڑھنا (دیکھئے نمبر ۹۱)

۴-تعوذ وتسمیہ آہستہ پڑھنا (دیکھئے نمبر ۹۲،۹۳)

۵-آہستہ آواز سے آمین کہنا (دیکھئے نمبر ۱۱۲)

۶-ایک رکن سے دوسرے رکن کی طرف منتقل ہونے کے لئے تکبیر کہنا۔ (دیکھئے نمبر ۱۳۰)

۷-رکوع اور سجدہ میں ۳ دفعہ تسبیح پڑھنا (دیکھئے نمبر ۱۳۳،۱۳۶)

۸-رکوع میں گھٹنے کو پکڑنا، انگلیوں کو کھلا رکھنا (دیکھئے نمبر ۱۳۲)

۹-امام کا سمع اللہ لمن حمدہٗ اور مقتدی کا ربنا لک الحمد کہنا، اور منفرد کے لئے دونوں کا کہنا۔

(دیکھئے نمبر ۱۳۴)

۱۰-رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہونا (قومہ) (دیکھئے نمبر ۱۳۴)

۱۱-دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا (جلسہ) (دیکھئے نمبر ۱۳۹)

۱۲- قعدہ میں دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا۔ (دیکھئے نمبر ۱۴۱)

۱۳-آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا۔ (دیکھئے نمبر ۱۴۵)

۱۴-آخری قعدہ میں درود شریف کے بعد دعا مانگنا۔ (دیکھئے نمبر ۱۴۶)

۱۵-سلام کے وقت دائیں بائیں منہ پھیرنا۔ (دیکھئے نمبر ۱۴۷)

۱۶-سلام کے بعد تسبیحات ثلاثہ، سبحان اللہ ۳۳، الحمد للہ ۳۳، اللہ اکبر ۳۴۔ دیکھئے نمبر ۱۴۹)

مکروہات نماز

(۱۶۱) ایسے افعال جو نماز میں کرنا سخت ناپسندیدہ ہیں۔ ان سے بچنا چاہئے۔ ذیل میں چند مکروہات کا ذکر کیا جاتا ہے جن میں عام لوگ مبتلا ہیں۔

مندرجہ بالا سنتوں میں سے کسی سنت کو چھوڑنا مکروہ ہے۔

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا

(۱۶۲)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خبردار، لوگ نماز میں دعا کے وقت اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھانے سے رک جائیں، یا پھر ان کی بینائی کو اُچک لیا جائے گا۔

(مسلم : النھی عن رفع البصر الی السماء فی الصلاۃ)

(۱۶۳) نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی بابت پوچھا تو آپ نے فرمایا : یہ شیطان کا حصہ ہے جسے وہ بندہ کی نماز میں سے اُچک لیتا ہے۔ (بخاری : الالتفات فی الصلوٰۃ)

(۱۶۴) ایسی حالت میں نماز پڑھنا کہ توجہ منتشر ہو

دھیان کسی اور چیز کی طرف ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کھانا سامنے موجود ہو، تو نماز کامل نہیں ہوتی اور نہ اس صورت میں جب وہ بیت الخلاء کی ضرورت محسوس کر رہا ہو۔

(مسلم : باب کراھۃ الصلاۃ بحضرۃ الطعام)

(۱۶۵) سجدہ میں کہنیوں کو بچھانا

حضرت انس رضی اللہ عنہ ارشاد نبوی نقل کرتے ہیں کہ سجدہ کو خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرو اور تم میں سے کوئی بھی سجدہ میں اپنی کہنیوں کو کتے کی طرح نہ بچھائے۔

(بخاری: باب لایفترش ذراعیہ فی السجود)

(۱۶۶) ایسی اشیاء کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جس سے توجہ منتشر ہو۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کپڑا لے کر نماز پڑھی جس پر نقش ونگار تھے۔ نماز کے بعد فرمایا یہ لے جا کر عامر بن حذیفہ کو دے دو کہ اس کے نقوش نے میری توجہ کو منتشر کر دیا۔ اور اس کا وہ موٹا کپڑا لاؤ جس پر نقش ونگار نہیں ہیں۔ (مسلم: کراھیۃ الصلاۃ فی ثوب لہ اعلام)

(۱۶۷) کپڑے یا رومال وغیرہ کو بغیر باندھے یونہی لٹکا کر نماز پڑھنا۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن السدل فی الصلاۃ. (ترمذی : ماجاء فی کراھیۃ السدل فی الصلاۃ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا وغیرہ لٹکا کر نماز پڑھنے سے منع فرمایا :

(۱۶۸) نیند کے غلبہ کے وقت نماز پڑھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کو اونگھ آئے تو ذرا سو جاؤ تا کہ نیند کا غلبہ جاتا رہے۔ اگر اسی حالت میں نماز پڑھی تو عین ممکن

ہے اپنی طرف سے استغفار کرنا شروع کرے۔ جب کہ حقیقت میں وہ اپنے آپ کو گالی دے رہا ہو۔ (حسن صحیح) (ترمذی: الصلوۃ عند النعاس)

(۱۶۹) نماز کے لئے کسی خاص جگہ کا تعین

کہ ہر حال میں وہیں نماز پڑھے

حضرت عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ''جلدی جلدی نماز پڑھنے سے (کوے کی طرح ٹھونگے مارنے سے) اور درندہ کی کھال بچھا کر نماز پڑھنے سے اور اس سے کہ کوئی شخص مسجد میں نماز کی کوئی خاص جگہ مقرر کر لے جیسے کہ اونٹ (اپنے اصطبل) میں ایک خاص جگہ مقرر کر لیتا ہے۔ (رواہ أحمد، والحاکم)

(۱۷۰) نماز باجماعت کی فضیلت واہمیت

نماز تمام مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی زندگی میں ایک اصلاحی انقلاب بپا کر دیتی ہے باجماعت نماز کی ادائیگی سے جہاں اور بہت سے دنیوی واخروی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ وہاں بطور خاص حکم ربانی وارشاد نبوی کی تکمیل کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں اجتماعیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔ اخوت، محبت، ہمدردی اور باہمی تعاون کو فروغ ملتا ہے۔ اسی لئے جماعت کی نماز کو اکیلی نماز پر فضیلت ہے۔

ارشاد ربانی ہے :

وأقيمو الصلوة وآتوا الزكوة واركعوا مع الراكعين. (البقرة. ۴۳۵)

اور پابندی سے نماز ادا کرو اور جو لوگ ہمارے سامنے عبادت کرتے ہیں تم بھی ان کے ساتھ جھکا کرو۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جماعت کی نماز کا ثواب اکیلے نماز سے ستائیس گنا بڑھا ہوا ہے۔ (مسلم: فضل الجماعۃ)

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ''آدمی کی باجماعت نماز اس کی گھر اور بازار کی نماز سے پچیس گنا بڑھائی جاتی ہے چونکہ جب وہ خوب اچھی طرح وضو کرتا ہے۔ پھر مسجد کی طرف چلتا ہے اور اس کو مسجد کی طرف صرف نماز

نے ہی نکالا ہے تو ہر قدم کے بدلے اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے اور اس کی ایک خطا معاف کی جاتی ہے۔ جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے تو فرشتے مسلسل اس کے لئے یہ دعا کرتے ہیں جب تک وہ مسجد میں رہتا ہے۔ اے خدا اس پر اپنی رحمت نازل فرما، اے اللہ اس پر رحم فرما اور جب تک وہ نماز کے انتظار میں رہتا ہے اس کو نماز کا ثواب ملتا رہتا ہے۔"

(بخاری : باب فضل صلوۃ الجماعۃ)

تارک جماعت آنحضور کی نظر میں

(۱۷۱) حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، منافقین پر عشاء اور فجر کی نماز سب سے بھاری ہوتی ہے اگر وہ ان کی فضیلت اور اجر وثواب کو جان لیں تو ضرور شریک ہوں چاہے انہیں لڑکھڑاتے گھسٹتے ہوئے آنا پڑے، میں نے پکا ارادہ کرلیا کہ جماعت کھڑی کرنے کا حکم دے کر کسی کو نماز پڑھانے کے لئے مقرر کردوں اور اپنے ساتھ کچھ آدمیوں کو لے کر جن کے پاس لکڑیوں کا ایندھن ہو ان لوگوں کی طرف چلوں جو جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، اور جا کر ان کے سمیت گھروں کو آگ سے جلا کر خاکستر کردوں۔ (مسلم: فضل صلاۃ الجماعۃ والتشدید فی التخلف عنھا)

(۱۷۲) معیارِ انتخاب امام

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں کی امامت ایسا شخص کرے جو قرآن کا سب سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ اگر سارے برابر ہوں تو پھر جو شخص سنت کا زیادہ عالم ہو، اگر اس میں بھی برابر ہوں تو پھر جس نے سب سے پہلے ہجرت کی ہو، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو عمر میں سب سے بڑا شخص امامت کرے۔ اور کوئی شخص کسی کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ پر بلا اجازت نہ بیٹھے۔

(مسلم: من أحق بالإمامۃ)

صف بندی

(۱۷۳) باجماعت نماز میں صفوں کو اہتمام کے ساتھ سیدھا کرنا اور رکھنا چاہئے۔ اس مضمون کی جملہ روایات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں ٹخنے، کندھے اور

گردن ایک سیدھ میں ہونی چاہئے۔

عن انس رضی اللّٰہ عنه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم سوّوا صفوفکم فإن تسویة الصف من تمام الصلاة.

(مسلم : تسویة الصف واقامتها)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی صفوں کو برابر کرو (سیدھا رکھو) چونکہ صفوں کی برابری نماز کو کامل بنانے کے لئے ضروری ہے۔

عن النعمان بن بشیر قال سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول لتسون صفوفکم او لیخالفن الله بین وجوهکم.

(مسلم : تسویة الصفوف)(بخاری : عندالإقامة)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اپنی صفوں کو درست کرلو یا پھر اللہ تعالیٰ تم میں باہمی اختلاف وانتشار ڈال دے گا۔

(۱۷۴) صف اول کی اہمیت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر لوگوں کو اذان دینے اور صف اول میں نماز پڑھنے کی قدر و قیمت معلوم ہوجائے پھر اس کو حاصل کرنے کے لئے انہیں قرعہ اندازی کرنی پڑے تو قرعہ اندازی بھی کریں گے۔

(مسلم: تسویۃ الصفوف واقامتھا)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ میں سستی اور تاخیر کے آثار دیکھے تو فرمایا آگے بڑھو اور میری مکمل اقتداء کرو تاکہ تمہارے بعد والے تمہاری مکمل اقتداء کریں، جب بھی کوئی قوم پیچھے ہٹتی ہے اللہ اسے پیچھے ہٹا دیتا ہے۔ (مسلم: تسویۃ الصفوف)

(۱۷۵) (الف) امام کی اقتداء

دوران جماعت امام کی اتباع کرنی چاہئے

عن انس رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه وسلم رکب فرساً فصرع عنه فجحش شقه الأیمن فصلی صلوة من الصلوات وهو قاعد فصلینا وراء ه قعوداً فلما انصرف قال انما جعل الامام لیؤتم به فإذا صلی قائماً فصلوا قیاماً فاذا رکع فارکعوا وإذا رفع فارفعوا وإذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد.

(بخاری : انما جعل الامام لیؤتم به)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے سے گر پڑے۔ آپ کے دائیں طرف چوٹ لگی۔ آپ نے کوئی ایک نماز بیٹھ کر پڑھائی۔ ہم نے بھی آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ جب آپ فارغ ہوئے تو فرمایا امام اس لئے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی مکمل اقتداء کی جائے۔ جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو جب وہ رکوع کرے تم بھی رکوع کرو جب وہ اٹھے تم بھی اٹھو اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کہے تم ربنا ولک الحمد کہو۔

(ب) اقتدا نہ کرنے کی سزا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی امام سے پہلے سر اٹھائے تو کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دیں یا اس کی صورت کو گدھے کی صورت بنا دیں۔ (بخاری: اثم رفع رأسه قبل الإمام)

(۱۷۶) امام ہلکی نماز پڑھائے

امام کو چاہئے کہ باجماعت نماز میں مقتدیوں کا خیال رکھے۔ نماز ہلکی پڑھائے اتنی لمبی نہ کرے کہ تھکاوٹ سے اکتاہٹ ہو جائے اور خشوع و خضوع جاتا رہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی لوگوں کی امامت کرے تو نماز ہلکی پڑھائے چونکہ نمازیوں میں بچے، بوڑھے، کمزور، بیمار لوگ بھی ہوتے ہیں۔ البتہ جب اکیلا نماز پڑھے تو جیسے چاہے پڑھے۔ (مسلم: امر الائمة بتخفیف الصلوة)

(۱۷۷) سترہ کا بیان

(الف) نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ لہٰذا گزرنے والوں کو چاہئے کہ وہ نمازی کا خیال رکھیں۔ اسی طرح نماز پڑھنے والے کو بھی چاہئے کہ وہ ایسی جگہ نماز پڑھے جہاں سے گزرنے والوں کو پریشانی نہ ہو اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ ملے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے، جس کی اونچائی ایک ہاتھ کے قریب ہو (تقریباً ایک فٹ) واضح رہے کہ باجماعت نماز میں امام کا سترہ سب کی طرف سے کافی ہے۔ پھر سترہ کی موجودگی میں اگر کوئی شخص سامنے سے گزر جائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

(ب) سترہ کی تشریح

عن عائشة رضی اللّٰہ عنھا أنھا قالت سئل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن سترة المصلی فقال صلی اللّٰہ علیہ وسلم مثل مؤخرة الرحل.

(مسلم : سترة المصلی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا نمازی کے سترہ کی بابت تو آپ نے فرمایا مؤخرۃ الرحل کی طرح۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

سترہ کی کم سے کم مقدار کجاوہ کے کیل جتنی ہوتی ہے جو کلائی کی ہڈی اور ۲-۳ ذراع کے برابر ہوتا ہے اور اس طرح کی کوئی بھی چیز کھڑی کرنے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے سامنے سترہ گاڑ کر نماز پڑھنا بہتر ہے۔ (نووی شرح مسلم)

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنھما قال کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یغدو إلی المصلی والعنزة بین یدیہ تحمل وتنصب بالمصلی بین یدیہ فیصلی إلیھا. (بخاری : حمل العنزة بین یدی الامام یوم العید)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عیدگاہ تشریف لے جاتے اور آپ کے آگے نیزہ بردار ہوتا، یہ نیزہ عیدگاہ میں آپ کے سامنے گاڑ دیا

جاتا پھر آپ اس طرف نماز پڑھتے۔

(ج) سامنے سے گزرنے کی سزا

اگر نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو، پھر بھی کوئی شخص اس کے سامنے سے گزر جائے، تو احادیث میں اس کی بابت سخت وعید آئی ہے۔

حضرت ابوجہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نمازی کے سامنے سے گزرنے والا اگر جان لے کہ اس پر کتنی بڑی سزا ہے تو وہ اس کے سامنے سے گزرنے کے بجائے چالیس تک ٹھہرا رہتا، تو یہ بہتر تھا۔

(موطا مالک: التشدید فی أن یمر احد.....)

ابوالنضر کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں، آپ کی مراد چالیس دن یا چالیس مہینہ یا چالیس سال۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والے کو معلوم ہو جائے کہ اس پر کتنی سخت سزا ہے تو اس کے بدلے اگر وہ زمین میں دھنس جائے تو اس کے سامنے سے گزرنے سے یہ بہتر ہے۔ (موطا مالک....)

رکعات نماز

(۱۷۸) ذیل میں ہم تمام نمازوں کی رکعات کا ایک تفصیلی نقشہ پیش کر رہے ہیں۔

نام شمار	فرائض	سنن موکدہ	سنن غیر موکدہ	نوافل	واجب
فجر	۲	۲ پہلے	×	×	
ظہر	۴	۴ پہلے۔۲ بعد	×	۲ بعد میں	
عصر	۴	×	۴ نماز سے پہلے	×	
مغرب	۳	۲ بعد میں	×	۲ بعد میں	
عشاء	۴	۲ بعد میں	۴ نماز سے پہلے	۲ وتر سے پہلے ۲ بعد۔	۳ وتر
جمعہ	۲	۴ پہلے ۶ بعد میں	×	×	×
عیدالفطر عیدالاضحیٰ	×		×	×	۲

فرائض : جن کا کرنا ضروری ہے اور چھوڑنا حرام ہے۔
واجب : جس کا کرنا ضروری ہے اور چھوڑنا مکروہ تحریمی ہے۔
سنن مؤکدہ : جن پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلسل عمل رہا، ان کو چھوڑنا گناہ ہے۔
سنن غیر موکدہ : جن پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر عمل رہا اور کبھی کبھار چھوڑنا بھی ثابت ہے۔
نوافل : جن کا پڑھنا باعث ثواب اور چھوڑنے پر گناہ نہیں ہے۔

ذیل میں مندرجہ بالا رکعات کی علیحدہ علیحدہ تشریح اور احادیث سے ان کی فضیلت بیان کی جاتی ہے۔

(۱۷۹) سنن مؤکدہ

عن أم حبيبة رضى الله عنه قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلى فى يوم وليلة ثنتى عشرة ركعة بنى له بيت فى الجنة، اربعاً قبل الظهر وركعتين بعدها وركعتين بعد المغرب وركعتين بعد العشاء وركعتين قبل الفجر صلاة الغداة. (ترمذى : من صلى ثنتى عشرة ركعة) (رواه مسلم مختصراً فضل السنن الراتبة)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں یہ بارہ رکعتیں پڑھے گا اس کے لئے جنت میں گھر بنایا جائے گا۔ (وہ یہ ہیں)

۴ ظہر سے پہلے اور ۲ ظہر کے بعد ۲ مغرب کے بعد
۲ عشاء کے بعد ۲ فجر سے پہلے

ظہر کی رکعات

(۱۸۰) ۴ سنت، ۴ فرض، ۲ سنت، ۲ نفل۔

(الف) عن عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم كان لا يدع اربعاً قبل الظهر وركعتين قبل الغداة.

(بخارى: الركعتان قبل الظهر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور فجر سے پہلے دو رکعتیں کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

عن ام حبيبة رضى الله عنها زوج النبى صلى الله عليه وسلم تقول سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول من حافظ على أربع ركعات قبل الظهر وأربع بعدها حرمه الله على النار.

(صحيح غريب)(ترمذى : باب آخر من سنن الظهر)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے جس نے ظہر سے پہلے کی چار رکعات اور ظہر کے بعد کی چار رکعات کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ اس کو آگ پر حرام کردیں گے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت سے ظہر سے پہلے کی چار سنتیں اور فجر سے پہلے کی دو سنتیں ثابت ہوئیں اور یہ سنن مؤکدہ ہیں چونکہ آپ نے کبھی ان کو چھوڑا نہیں۔ جب کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں ظہر کے بعد والی چار رکعات کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ دو رکعت سنت مؤکدہ کے علاوہ یہ دو نفل ہیں۔

(ب) اگر ظہر کی پہلی چار سنتیں چھوٹ جائیں تو نماز کے بعد پڑھ لے۔

عن عائشة رضى الله عنها أن النبى صلى الله عليه وسلم كان إذا لم يصل أربعاً قبل الظهر صلاهن بعدها. (ترمذى : باب آخر من سنن الظهر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ اگر ظہر سے پہلے چار رکعات نہ پڑھ سکتے تو نماز کے بعد پڑھ لیتے۔

(۱۸۱) عصر کی رکعات

۴ سنتیں، ۴ فرض

عصر کی نماز سے پہلے چار رکعتیں بطور سنت غیر مؤکدہ پڑھی جاتی ہیں۔ اگر وقت کم ہو تو دو رکعتیں بھی پڑھ سکتا ہے۔ اگر یہ چھوٹ جائیں تو گناہ نہیں ہوگا۔

عن ابن عمر رضى الله عنهما عن النبى صلى الله عليه وسلم قال رحم الله امرءً صلى قبل العصر أربعاً. (ترمذى : ماجاء فى الاربع قبل العصر)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کریں جو عصر سے پہلے چار رکعتیں پڑھتا ہے۔

(۱۸۲) مغرب کی رکعات

۳ فرض، ۲ سنتیں، ۲ نفل۔

عن ابی معمر قال كانوا يستحبون اربع ركعات بعد المغرب.

(مروزی : قیام اللیل. ص ۵۸)

حضرت ابو معمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مغرب کے بعد چار رکعت پڑھنے کو مستحب سمجھتے تھے۔

نیز دیکھئے ۱۷۹ سنن موکدہ کے ذیل میں اس کا ذکر ہے۔

(۱۸۳) عشاء کی رکعات

۴ سنتیں، ۴ فرض، ۲ سنتیں، ۲ نفل، ۳ وتر، ۲ نفل۔

عشاء کی نماز سے پہلے اگر وقت ہو تو ۴ رکعت پڑھ لے ورنہ دو رکعتیں ہی پڑھ لے اگر یہ چھوٹ جائیں تو گناہ نہیں ہے۔

عن البراء رفعه : من صلى قبل العشاء أربعاً كان كأنما تهجد من ليلته، ومن صلاهن بعد العشاء كمثلهن من ليلة القدر، وأخرجه البيهقي من حديث عائشة موقوفاً وأخرجه الدار قطني والنسائي موقوفاً على كعب. (الدراية : ج ۱. ص ۱۹۸)

شارح بخاری علامہ ابن حجرؒ نے حضرت براء رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ "جس نے عشاء سے پہلے چار رکعتیں پڑھیں گویا اس نے رات کو تہجد پڑھی اور عشاء کے بعد چار رکعات پڑھنے والے کو شب قدر میں چار رکعت پڑھنے کا ثواب ملے گا، بیہقی نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور نسائی و دار قطنی نے حضرت کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

۱ – عن سعيد بن جبيرؒ كانوا يستحبون اربع ركعات قبل العشاء

الاخرة.(مروزی : قیام اللیل. ص ۵۸)

حضرت سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عشاء کی نماز سے پہلے چار رکعات کو مستحب سمجھتے ہیں۔(۱)

۲- عن عائشة ام المومنين رضى الله عنها انها سئلت عن صلوة الرسول صلى الله عليه وسلم فقالت كان يصلى بالناس العشاء ثم يرجع إلى أهله فيصلى أربعاً ثم يأوى إلى فراشه.... (الحديث)

(ابو داؤد : باب صلوة الليل)

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی بابت پوچھا گیا تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آتے اور چار رکعتیں پڑھ کر بستر پر آرام فرماتے۔

۳- عن على رضى الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يوتر بثلاث يقرأ فيهن بتسع سور من المفصل يقرأ فى كل ركعة بثلاث سور آخرهن قل هو الله احد. (ترمذى : ما جاء فى الوتر بثلاث)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھا کرتے تھے اور ان میں آخر سے نو سورتیں پڑھتے، ہر رکعت میں تین سورتیں، جن میں آخری سورۃ قل ھو اللہ احد ہوتی تھی۔

۴- عن ابى سلمة رضى الله عنه قال سألت عائشة رضى الله عنها عن صلاة رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت كان يصلى ثلاث عشرة ركعة يصلى ثمان ركعات. ثم يوتر ثم يصلى ركعتين وهو جالس.

(مسلم : صلاة الليل والوتر)

---

(۱) نواب صدیق حسن خان شرح بلوغ المرام میں نقل کرتے ہیں وپیش عشاء چہار رکعت مستحب است (نیز لکھتے ہیں) واما دو رکعت قبل عشا فقط پس شامل است آن را حدیث بین کل اذانین صلوٰۃ۔

(نواب صدیق حسن مسک الختام۔ج ا۔ص ۵۲۵ تا ۵۲۹) کہ عشاء سے پہلے چار رکعات مستحب ہیں نیز عشاء سے قبل دو رکعات نماز پڑھنے کو بھی وہ حدیث شامل ہے جس کی رو سے اذان واقامت کے درمیان نفل نماز پڑھنے کی ترغیب ہے۔

حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی بابت پوچھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، پہلے آٹھ رکعت تہجد پڑھتے پھر تین وتر پڑھتے، پھر دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھتے۔

روایت نمبر ا سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کے نزدیک عشاء سے پہلے چار رکعات مستحب تھیں۔

روایت نمبر ۲ سے معلوم ہوا کہ آپ عشاء کے بعد ۴ رکعتیں پڑھتے۔ یہ ہوئے ۲ سنتیں، ۲ نفل۔

روایت ۳ سے معلوم ہوا کہ آپ تین وتر پڑھتے تھے۔

روایت ۴ سے معلوم ہوا کہ تین وتر پڑھ کر پھر آپ دو نفل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔

(۱۸۴) وتر میں چند اہم مسائل جن سے ہم تعرض کریں گے

(۱) وتر واجب ہے۔ (۲) اگر چھوٹ جائے تو بعد میں پڑھے۔ (۳) کم از کم وتر تین رکعات ہیں۔ (۴) تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعاء قنوت پڑھی جاتی ہے۔ (۵) دعائے قنوت کے لئے تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھائے، پھر باندھ لے۔ (۶) دو رکعتوں پر بیٹھے، مگر سلام نہ پھیرے۔

(۱۸۵) وتر واجب ہے

عشاء کی نماز کے بعد سے فجر تک نماز وتر پڑھنا ضروری ہے جو شخص نہیں پڑھے گا۔ گنہگار ہوگا۔

عن خارجة بن حذافة أنه قال خرج علينا رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال إن الله أمركم بصلوة هي خير لكم من حمر النعم الوتر جعله الله لكم فيما بين صلوة العشاء إلى ان يطلع الفجر.

قال الحاكم صحيح الاسناد : زيلعي (ترمذی : باب الوتر)

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: "یقیناً اللہ تعالیٰ نے تم پر ایک ایسی نماز کا اضافہ کیا ہے جو تمہارے لئے

سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے اور یہ وتر ہے جن کا وقت عشاء اور فجر کے درمیان ہے۔

عن بريدة عن ابيه قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا الوتر حق فمن لم يوتر فليس منا فمن لم يوتر فليس منا. صححه الحاكم : زيلعى (ابو داؤد : من لم يوتر)

حضرت بریدہ کے والد کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔ وتر حق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہے جو وتر نہ پڑھے۔ وہ ہم میں سے نہیں۔ وتر حق ہے جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔

(۱۸۶) وتر چھوٹ جائے تو قضا پڑھے

وتر پڑھنے کا وقت عشاء سے لے کر طلوع فجر تک ہے اور جو شخص تہجد کے لئے اٹھنے کا عادی ہے اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ تہجد کے بعد وتر پڑھے ورنہ نماز عشاء کے ساتھ ہی پڑھ لے، اگر کوئی شخص فجر تک وتر نہ پڑھ سکا تو قضا پڑھے۔

عن ابى سعيد الخدرى رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نام عن وتره أو نسيه فليصله إذا ذكره.

(ابو داؤد : ابواب الوتر)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وتر پڑھے بغیر سو گیا یا بھول گیا تو جب یاد آئے ضرور پڑھے۔

وفى البيهقى عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من نام عن وتره أو نسيه، فليصله إذا أصبح أو ذكره.

(سنن كبرى بيهقى : ابواب الوتر)

سنن بیہقی میں حضرت ابوسعید کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وتر پڑھے بغیر سو گیا۔ وہ صبح کو پڑھے اور جو بھول گیا وہ یاد آنے پر پڑھے۔

عن مالك أنه بلغه ان عبدالله بن عباس وعبادة بن الصامت والقاسم بن محمد وعبدالله بن عامر قد أو تروا بعد الفجر.

(موطا مالك : الوتر بعد الفجر)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں، انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس

رضی اللہ عنہما حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ حضرت قاسم بن محمدؒ اور عبداللہ بن عامرؒ نے فجر کے بعد وتر پڑھے۔ (یعنی بروقت نہ پڑھ سکے تو فجر کے بعد بطور قضاء پڑھے۔)

(۱۸۷) کم از کم وتر تین رکعات ہیں

نمازوں میں کوئی نماز بھی دو رکعتوں سے کم نہیں اس سے زائد ہے۔ اس طرح وتر بھی کم از کم تین ہیں جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے۔

عن أبی سلمة بن عبدالرحمن أنه سال عائشة رضی الله عنها کیف کانت صلوة رسول الله صلی الله علیه وسلم فی رمضان؟ قالت ما کان رسول الله صلی الله علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة، یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثا.

(مسلم : صلاة اللیل والوتر)

حضرت ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رمضان کی نماز کیا ہوتی تھی؟ آپ نے فرمایا کہ (رمضان کی کیا خصوصیت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، پہلے چار رکعتیں پڑھتے۔ ان کے حسن اور لمبائی کی بابت کچھ نہ پوچھو، پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔ ان کے حسن اور لمبائی کی بابت بھی کچھ نہ پوچھو، پھر تین رکعتیں وتر کی پڑھتے تھے۔

عن عائشة رضی الله عنها أن النبی صلی الله علیه وسلم کان یقرأ فی الاولی من الوتر بفاتحة الکتاب وسبح اسم ربک الاعلی وفی الثانیة قل یا ایها الکافرون وفی الثالثة قل هو الله احد. (قال الحاکم صحیح علی شرط الشیخین زیلعی) (ترمذی : مایقرأ فی الوتر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ اور **سبح اسم ربك الاعلی**، دوسری رکعت میں **قل یا ایها الکافرون** اور تیسری میں **قل هو الله احد** پڑھتے تھے۔

عن ابن عباس رضی الله عنهما قال کان رسول الله صلی الله علیه

وسلم يصلي من الليل ثمان ركعات ويوتر بثلاث ويصلي ركعتين قبل صلاة الفجر. (نسائي: باب الوتر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ وہ رات تہجد کی آٹھ رکعات پڑھتے، پھر تین وتر پڑھتے۔ اور فجر کی نماز سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے۔

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہؓ کو بھی تین وتر پسند تھے۔

والذي اختاره اكثر أهل العلم من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ومن بعدهم أن يقرأ بسبح اسم ربك الأعلى، وقل يا أيها الكافرون وقل هو الله احد، يقرأ في كل ركعة من ذلك بسورة.

(ترمذی)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والے جمہور اہل علم کا پسندیدہ عمل یہ ہے کہ وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الأعلى دوسری رکعت میں سورۃ کافرون اور تیسری رکعت میں سورۃ اخلاص پڑھی جائے۔

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه أنه قال ما احب أني تركت الوتر بثلث وأن لي حمر النعم.

(موطا امام محمدؒ: السلام في الوتر)

خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھ کو تین وتر چھوڑنے کے بدلے سرخ اونٹ بھی پیش کئے جائیں تو میں تین وتر نہیں چھوڑوں گا۔

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ نماز وتر میں تین رکعات ہیں۔ نیز تین رکعت وتر کے جواز پر تمام علماء امت کا اجماع ہے۔ جب کہ ایک رکعت وتر پڑھنے میں امت کا اختلاف ہے بعض کے ہاں یہ صحیح نہیں، لہٰذا قوت دلائل کے ساتھ ساتھ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ تین رکعت وتر ہی پڑھی جائیں۔

(۱۸۸) تیسری رکعت میں دعائے قنوت

وتر کی تیسری رکعت میں رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھے۔ دعا یہ ہے :

اللّٰهم انا نستعينک ونستغفرک ونؤمن بک ونتوکل عليک ونثنی عليک الخير ونشکرک ولانکفرک ونخلع ونترک من يفجرک اللّٰهم اياک نعبد ولک نصلی ونسجد وإليک نسعیٰ ونحفد ونرجو رحمتک ونخشی عذابک إن عذابک بالکفار ملحق.

ملاحظہ ہو :

عن خالد بن ابی عمران قال بينا کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم يدعو علی مضر إذ جاء ه جبريل فأو مأ إليه أن اسکت، فسکت فقال يا محمد إن اللّٰه لم يبعثک سباباً ولا لعاناً وإنما بعثک رحمة، ولم يبعثک عذابا، ليس لک من الامر شیء أو يتوب عليهم أو تعذبهم فإنهم ظالمون ثم علمه هذا القنوت. اللّٰهم انا نستعينک ونستغفرک ونؤمن بک ونتوکل عليک ونثنی عليک الخير ونشکرک ولا نکفرک ونخلع ونترک من يفجرک اللّٰهم اياک نعبد ولک نصلی ونسجد وإليک نسعی ونحفد ونرجو رحمتک ونخشی عذابک إن عذابک بالکفار ملحق. (قد روی عن عمر بن الخطاب صحيحاً موصولاً)

(سنن بيهقی : باب دعاء القنوت. مروزی : قيام الليل. ص ۲۳۲)

حضرت خالد بن ابی عمران کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ مضر کے لئے بددعا کررہے تھے کہ اچانک جبریل علیہ السلام آئے اور خاموش ہونے کا اشارہ کیا، آپ خاموش ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام کہنے لگے "اللہ تعالیٰ نے آپ کو گالی دینے والا اور لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ عذاب کے لئے نہیں بھیجا۔ آپ کے اختیار میں اس قسم کے امور نہیں ہیں۔ اللہ چاہے تو انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان کے ظلم کی وجہ سے انہیں عذاب دے۔" یہ کہہ کر پھر آپ کو یہ دعاء قنوت بتائی۔

(ترجمہ) اے اللہ، ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیں اور معافی مانگتے ہیں اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر بھروسہ کرتے ہیں اور تیری اچھی تعریف کرتے ہیں، تیرا شکر ادا کرتے

ہیں اور ناشکری نہیں کرتے، جو شخص تیری نافرمانی کرتا ہے۔ہم اس کو چھوڑ دیتے ہیں۔اور اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔اے اللہ تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تیرے لئے نماز پڑھتے ہیں اور تجھی کو سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف دوڑتے ہیں اور تیری خدمت بجالاتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔بے شک تیرا عذاب کافروں کو ملنے والا ہے۔

(یہ دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی سند متصل کے ساتھ نقل کی ہے)

عن الأسود صحبت عمر رضی الله عنه ستة أشهر فكان يقنت فی الوتر و كان عبدالله يقنت فی الوتر فی السنة كلها.

وعن عبدالله وجب القنوت فی الوتر علی كل مسلم. (مروزی : قيام الليل. ص ۲۲۵)

حضرت اسود رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں چھ مہینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا وہ ہمیشہ وتر میں دعاء قنوت پڑھتے تھے اور حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی سال بھر دعاء قنوت پڑھتے تھے۔نیز حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وتر میں دعا قنوت پڑھنا واجب ہے۔

عن حماد وسفيان اذا نسی القنوت فی الوتر فعليه سجدتا السهو.

(مروزی : قيام الليل. ص ۲۴۲)

حضرت حمادؒ وسفیانؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص وتر میں دعاء قنوت پڑھنا بھول جائے تو وہ سجدہ سہو کرے۔

(۱۸۹) دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھے۔(سنت نبوی کی روشنی میں)

عن عاصم قال سألت أنس بن مالک عن القنوت فقال قد كان القنوت قلت قبل الركوع او بعده؟ قال قبله، قال فإن فلاناً اخبرنی عنک أنک قلت بعد الركوع فقال كذب، انما قنت رسول الله صلی الله عليه وسلم بعد الركوع شهراً.... الحديث.

(بخاری : القنوت قبل الركوع أو بعده)

حضرت عاصم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے قنوت کی بابت

پوچھا؟ آپ نے فرمایا قنوت ثابت ہے۔ میں نے عرض کیا، رکوع سے پہلے یا بعد؟ آپ نے فرمایا، رکوع سے پہلے، میں نے عرض کیا کہ فلاں نے مجھے آپ کی بابت بتایا ہے کہ آپ نے رکوع کے بعد کہا ہے؟ فرمایا اس نے جھوٹ کہا ہے، رکوع کے بعد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک مہینہ دعاء قنوت پڑھی ہے۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

وقد وافق عاصم علی روایته هذه عبدالعزیز بن صهیب کما فی المغازی بلفظ سال رجل أنسا عن القنوت بعد الرکوع أو عند الفراغ من القرأة قال بل عند الفراغ من القرأة. وقال ومجموع ما جاء عن أنس فی ذالک أن القنوت للحاجة بعد الرکوع لاخلاف عنه فی ذالک، أما بغیر الحاجة فالصحیح عنه أنه قبل الرکوع.

(فتح الباری : ص ۴۹. باب القنوت قبل الرکوع وبعده)

حضرت عاصم کی یہ روایت کتاب المغازی میں عبدالعزیز کی روایت کے مطابق ہے جس میں ایک شخص نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دعاء قنوت رکوع کے بعد ہے یا قرأت سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا بلکہ قرأت سے فارغ ہونے کے بعد۔

ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی تمام روایات کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب دعاء قنوت کسی خاص وجہ سے (دعا وغیرہ کے لئے پڑھی جائے تو بالاتفاق وہ رکوع کے بعد ہے اور جو قنوت عام حالات میں پڑھی جائے تو حضرت انس سے صحیح طور پر یہی ثابت ہے کہ وہ رکوع سے پہلے ہے۔

عن أبی بن کعب رضی اللہ عنه أن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کان یوتر فیقنت قبل الرکوع. (ابن ماجة : ماجاء فی ابواب الوتر)

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھتے اور دعاء قنوت رکوع سے پہلے پڑھتے تھے۔

عمل صحابہ رضی اللہ عنہم

عن علقمة أن ابن مسعود، واصحاب النبی صلی اللہ علیه وسلم

كانوا يقنتون في الوتر قبل الركوع. (مصنف ابن ابی شيبه) (قال الحافظ في الدراية اسناده حسن)

وروی ذالک عن ابن عباس والبراء وابی موسی، وأنس وعمر بن عبدالعزيز. (المغنی : مسئلة القنوت)

حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ ابن مسعود اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم رکوع سے قبل دعاء قنوت پڑھتے تھے۔

اور یہی منقول ہے حضرت ابن عباس، حضرت براء، حضرت ابوموسیٰ، حضرت انس اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم سے۔

دعاء قنوت کے لئے تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھائے پھر باندھ لے اور دعاء قنوت پڑھے۔

عن عبدالله انه كان يرفع يديه إذا قنت في الوتر.

(مصنف ابن أبی شيبة. ج۲. ص۳۰۷)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نماز وتر میں دعا قنوت سے پہلے رفع یدین کرتے تھے۔

عن علی رضی الله عنه انه كبر في القنوت حين فرغ من القرأة وحين ركع.... وكان عبدالله بن مسعود رضی الله عنهما في الوتر إذا فرغ من قرأته حين يقنت وإذا فرغ من القنوت وعن البراء أنه كان إذا فرغ من السورة كبر ثم قنت وعن سفيان كانوا يستحبون أن تقرأ في الثالثة من الوتر قل هو الله احد ثم تكبر وترفع يديك ثم تقنت.

(مروزی : قيام الليل. ص ۲۲۹ تا ۲۳۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے قرأت سے فارغ ہوکر دعاء قنوت کے لئے تکبیر کہی پھر رکوع میں جاتے وقت تکبیر کہی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نماز وتر میں قرأت سے فارغ ہوکر دعائے قنوت سے پہلے اور دعاء قنوت کے بعد تکبیر کہتے تھے اور حضرت براء رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جب وہ سورۃ پڑھ کر فارغ ہوتے تو تکبیر کہتے پھر قنوت پڑھتے اور حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پسند کرتے تھے کہ وتر کی تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد پڑھیں، پھر تکبیر کہتے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور قنوت پڑھیں۔

قال بن قدامة : وروی رفع اليدين عن ابن مسعود وعمر وابن عباس رضی الله عنهم.

دعائے قنوت کے لئے رفع یدین منقول ہے حضرت ابن مسعود حضرت عمر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے۔(المغنی : مسئلۃ القنوت)

قال الطحاوی وأما التكبير فی القنوت فی الوتر فانها تكبيرة زائدة فی تلك الصلوٰة وقد اجمع الذين يقنتون قبل الركوع على الرفع معها.

(طحاوی : رفع اليدين عند رؤية البيت)

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور وتر میں دعاء قنوت کی تکبیر تو زائد تکبیر ہے اور تمام وہ حضرات جو رکوع سے پہلے قنوت پڑھتے ہیں۔ان کا اجماع ہے کہ تکبیر قنوت کے ساتھ ہاتھ اٹھائے جائیں۔

اب دوران نماز دعا کا اصول یہ ہے کہ جس رکن میں دعا کی جارہی ہے۔اسی رکن کی کیفیت پر رہتے ہوئے دعا کی جاتی ہے۔جیسے قعدہ اخیرہ کے آخر میں دعا کی جاتی ہے۔ نیز جلسہ (سجدوں کے درمیان) میں دعا کی جاتی ہے،اسی طرح نفل نماز کے سجدوں میں اگر دعا کی جائے تو اسی کیفیت پر رہتے ہوئے دعا کی جائے گی۔لہٰذا وتروں میں رکوع سے قبل جب قنوت پڑھی جائے گی تو ہاتھ باندھے ہوئے ہی پڑھی جائے گی۔

(۱۹۰) قعدہ اولیٰ اور سلام

دو رکعتوں کے بعد بیٹھے اور تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو، پھر تین رکعتیں مکمل کر کے سلام پھیرے۔

عن عائشة رضی الله عنها انه كان يوتر بثلاث لافصل فيهن.

(زاد المعاد. ص ۱۱۰)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین وتر پڑھتے تھے اور دوران وتر سلام نہیں پھیرتے تھے۔

عن أبی سعيد الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لا فصل فی الوتر. (جامع المسانيد. ج ا .ص ۴۰۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
وتر علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں۔

عن سعد بن هشام أن عائشة رضي الله عنها حدثته أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان لا يسلم في ركعتين الوتر. (قال الحاكم صحيح على شرط الشيخين : (زيلعي، نسائي : كيف الوتر بثلاث)

حضرت سعد بن ہشام کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی دو رکعتوں میں سلام نہیں پھیرتے تھے۔

نقل بن الحجر حديث ابى ابن كعب وفيه ولا يسلم إلا فى آخرهن وثبت عن عمر أنه او تر بثلاث لم يسلم إلا فى آخرهن وروى ذلك، عن ابن مسعود وانس، وابن المبارك، وأبى العالية أنهم أو تروا بثلاث كالمغرب. (ملخص فتح البارى. ج ۲. ص ۴۸۱. كتاب الوتر)

ابن حجرؒ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ آپ تین وتروں کے آخر میں سلام پھیرا کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ وہ تین وتر پڑھتے تھے اور صرف آخر میں سلام پھیرتے تھے۔

اور یہی منقول ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت ابن مبارکؒ اور حضرت ابوالعالیہؒ سے کہ وہ مغرب کی نماز کی طرح تین وتر پڑھتے تھے۔

مروزیؒ نے ابواسحاق سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے تمام ساتھی وشاگرد بھی نماز وتر میں دو رکعت کے بعد سلام نہیں پھیرتے تھے۔ (مروزی: قیام اللیل۔ ص ۲۱۱)

عن عبدالله بن دينار عن عبدالله بن عمر كان يقول صلوة المغرب وتر صلوة النهار. (موطا مالك : الأمر بالوتر)

حضرت عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ مغرب کی نماز دن کے وتر ہیں۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ :

- صرف وتروں کے آخر میں سلام پھیرنا چاہئے۔ درمیان میں نہیں۔

- وتروں کی مشابہت مغرب کی نماز کے ساتھ ہے تو جس طرح مغرب کی نماز میں حسب اصول دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح وتروں میں بھی دو رکعتوں کے بعد تشہد پڑھنی چاہئے۔

(۱۹۱) رکعات فجر

۲ سنت ۲ فرض

احادیث مبارکہ میں فجر کی پہلی دو سنتوں کی بہت زیادہ اہمیت وارد ہے، یہی وجہ ہے کہ جب نماز کھڑی ہو جائے اس وقت اور کوئی نماز حتیٰ کہ نمازوں کی سنتیں بھی نہیں پڑھی جاسکتیں جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جب نماز شروع ہو جائے تو فرض نماز کے علاوہ کوئی اور نماز پڑھنا صحیح نہیں ہے۔ (ترمذی: اذا اُقیمت الصلوٰۃ)

لیکن فجر کی سنتوں کی اہمیت کے پیش نظر نماز شروع ہونے کے بعد بھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یہ سنتیں پڑھ کر نماز میں شریک ہوا کرتے تھے۔

لہٰذا اگر نماز کی دوسری رکعت مل جانے کی امید ہو تو مسجد کے دروازہ کے قریب سنتیں پڑھ کر نماز میں شریک ہو جائے۔

(۱۹۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل

عن عبداللہ بن ابی موسی قال جاء نا ابن مسعود رضی اللہ عنہ والإمام یصلی الصبح فصلی رکعتین إلی ساریۃ ولم یکن صلی رکعتی الفجر (قال الھیثمی رجالہ موثقون) (مجمع الزوائد. ج ۱. ص ۷۵)

حضرت عبداللہ ابن اُبی موسیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہماری مسجد میں تشریف لائے تو امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا۔ آپ نے ایک ستون کے قریب فجر کی سنتیں ادا فرمائیں چونکہ وہ اس سے پہلے سنتیں نہیں پڑھ سکے تھے۔

(۱۹۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عمل

عن ابی عثمان الانصاری قال جاء عبداللہ بن عباس رضی اللہ

عنهما والإمام فى صلوة الغداة لم يكن صلى الركعتين فصلى عبدالله بن عباس الركعتين خلف الإمام ثم دخل معهم (صححه النيموى، آثار السنن. ج۲. ص ۳۳) (طحاوى : الرجل يدخل المسجد والامام)

حضرت ابوعثمان انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما تشریف لائے جب کہ امام فجر کی نماز پڑھا رہا تھا اور آپ نے دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں۔ تو پہلے انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں پھر جماعت میں شامل ہو کر فجر کی نماز پڑھی۔

(۱۹۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل

عن محمد بن كعب قال خرج عبدالله بن عمر من بيته فأقيمت صلوة الصبح فركع ركعتين قبل أن يدخل المسجد، وهو فى الطريق ثم دخل المسجد فصلى الصبح مع الناس.

(اسناده حسن: طحاوى : الرجل يدخل المسجد والإمام)

محمد بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما گھر سے نکلے تو فجر کی نماز کھڑی ہوگئی، آپ نے مسجد میں داخل ہونے سے پہلے ہی دو رکعتیں پڑھیں پھر باجماعت نماز پڑھی۔

(۱۹۵) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا عمل

عن أبى الدرداء رضى الله عنه أنه كان دخل المسجد والناس صفوف فى صلوة الفجر فيصلى الركعتين فى ناحية المسجد ثم يدخل مع القوم فى الصلوة. (طحاوى : الرجل يدخل المسجد والإمام)

حضرت ابوالدارداء رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو لوگ فجر کی نماز کے لئے صفوں میں کھڑے تھے، آپ نے مسجد میں ایک طرف دو رکعتیں پڑھیں پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شریف ہوگئے۔

(۱۹۶) دورِ فاروقی میں صحابہ کا عمل

عن أبى عثمان المهندى يقال كنا نأتى عمر بن الخطاب قبل أن

نصلی الرکعتین قبل الصبح وھو فی الصلاۃ فنصلی الرکعتین فی آخر المسجد ثم ندخل مع القوم فی صلاتھم.

(طحاوی : الرجل یدخل المسجد والإمام فی صلاۃ الفجر)

حضرت عثمان مہندی فرماتے ہیں کہ ہم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں فجر سے پہلے کی دو رکعتیں پڑھے بغیر آیا کرتے تھے۔ جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے ہوتے ہم مسجد کے آخر میں دو رکعتیں پڑھ لیتے۔ پھر لوگوں کے ہمراہ نماز میں شریک ہو جاتے۔

ان جلیل القدر حضرات صحابہ کے عمل سے معلوم ہوا کہ اگر نماز باجماعت مل جانے کی توقع ہو تو مسجد میں ایک طرف سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا چاہیئے۔

(۱۹۷) اگر سنتیں پڑھ کر جماعت میں شریک ہونا ممکن نہ ہو تو سنتیں چھوڑ دے اور جماعت میں شریک ہو جائے، پھر حکم نبوی کے مطابق سورج نکلنے کے بعد ان سنتوں کی قضا پڑھ لے۔ فجر کی نماز کے بعد یہ سنتیں نہ پڑھے، چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک نماز پڑھنے سے روکا ہے۔ (۱)

عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "من لم یصل رکعتی الفجر فلیصلھا بعد ما تطلع الشمس.

(ترمذی : ماجاء فی اعادتھما بعد طلوع الشمس) (قال الحاکم

(۱) مندرجہ بالا حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے صراحتاً معلوم ہو گیا کہ اگر فجر کی سنتیں چھوٹ جائیں تو سورج نکلنے کے بعد پڑھی جائیں، لیکن بعض لوگ فجر کے فرائض سے فارغ ہوتے ہی پڑھ لیتے ہیں اور دلیل میں جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ مرسل ہے جس کی سند ہی متصل نہیں ملاحظہ ہو:

عن قیس قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فأقیمت الصلوٰۃ فصلیت معہ الصبح ثم انصرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوجدنی أصلی فقال مھلاً یا قیس أ صلاتان معاً؟ قلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إنی لم أکن رکعت رکعتی الفجر قال فلا إذن۔ (ترمذی : ماجاء فیمن تفوتہ الرکعتان)

حضرت قیس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فجر کی نماز پڑھی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانے لگے تو مجھے دیکھا کہ میں نماز پڑھنے لگا ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : (بقیہ اگلے صفحہ پر)

صحیح علی شرط الشیخین)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
جس نے فجر کی دو رکعتیں نہ پڑھی ہوں وہ سورج نکلنے کے بعد پڑھ لے۔

عن مالک أنه بلغه أن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنه فاتته ركعتا الفجر فقضا هما بعد أن طلعت الشمس.

(موطا مالک : ماجاء فی رکعتی الفجر)

امام مالک فرماتے ہیں کہ انہیں یہ بات پہنچی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی فجر کی دو رکعتیں فوت ہو گئیں۔ تو آپ نے سورج نکلنے کے بعد انہیں قضا پڑھا۔

(۱۹۸) جمعہ کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ "اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جس میں ایک مسلمان جو نماز کا پابند ہو اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ عطا فرما دیتے ہیں۔

(مسلم: کتاب الجمعۃ)

(بقیہ سابقہ صفحہ) قیس ذرا ٹھہرو، کیا دونوں اکٹھی پڑھنے لگے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میری فجر کی دو رکعتیں رہ گئی تھیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: فلا اذن پھر کوئی حرج نہیں۔

واضح رہے کہ خود امام ترمذیؒ اس روایت کے بارہ میں فرماتے ہیں۔

"إنما یروی هذا الحدیث مرسلا واسناد هذا الحدیث لیس بمتصل ومحمد لم یسمع من قیس۔

کہ یہ حدیث مرسل ہے اور اس کی سند ہی متصل نہیں۔ چونکہ محمد بن ابراہیم نے قیس سے کچھ نہیں سنا۔

اس دلیل میں دوسری کمزوری یہ ہے کہ اس میں فجر کے بعد سنتیں پڑھنے کا جواز صراحتاً معلوم نہیں ہوتا۔ چونکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "فلا اذن" کا دوسرا مفہوم و معنی زیادہ واضح ہے کہ پھر بھی نہ پڑھو، تو گویا یہ الفاظ سنتیں پڑھنے کے جواز اور عدم جواز دونوں کی دلیل بن سکتے ہیں، بلکہ دوسرا مفہوم اس لئے راجح ہے کہ وہ دیگر روایات کے مطابق ہے جیسا کہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں صراحت ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس کی مزید تائید ہوتی ہے، نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کے بعد سورج نکلنے تک نماز پڑھنے سے روکا ہے۔

(۱۹۹) جمعہ کے دن غسل کرنا

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ''تم میں سے جب کوئی جمعہ پڑھنے کے لئے آئے تو اس کو غسل کر کے آنا چاہئے۔''
(مسلم: کتاب الجمعۃ)

(۲۰۰) جمعہ نہ پڑھنے کی سزا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ منبر کی سیڑھیوں پر فرما رہے تھے۔ خبردار لوگ جمعہ چھوڑنے سے رک جائیں یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔ پھر یہ لوگ غافلین میں سے ہو جائیں گے۔ (مسلم: التغلیظ فی ترک الجمعۃ)

(۲۰۱) اذان جمعہ

پہلی اذان خطبہ شروع ہونے سے کچھ وقت پہلے دی جائے تا کہ لوگ مسجد میں جمع ہو جائیں اور دوسری اذان مسنون عربی خطبہ سے پہلے دی جائے۔

عن السائب بن يزيد يقول إن الاذان يوم الجمعة كان اوله حين يجلس الإمام يوم الجمعة على المنبر فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وابى بكر وعمر رضى الله عنهما فلما كان خلافة عثمان رضى الله عنه وكثروا أمر عثمان يوم الجمعة بالأذان الثالث فاذن به على الزوراء فثبت الأمر على ذلك. (بخارى : التاذين عند الخطبة)

حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں جمعہ کی پہلی اذان اس وقت ہوتی جب امام منبر پر بیٹھتا، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ زیادہ ہو گئے تو آپ نے (خطبہ سے پہلے) ایک اور اذان دینے کا حکم دیا، یہ اذان ایک اونچی جگہ پر دی جاتی تھی پھر اس اذان پر امت کا مسلسل عمل شروع ہو گیا۔

(۲۰۲) خطبہ مسنونہ

نماز جمعہ سے پہلے دو خطبے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت ہے۔ دونوں خطبوں کے درمیان چند لحات کے لئے بیٹھنا چاہئے۔ نیز دونوں خطبے عربی زبان میں پڑھنا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ احادیث مبارکہ سے یہی ثابت ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تابعین تبع تابعین اور پوری امت اسلامیہ کا مسلسل عمل اسی پر ہے۔ اسی لئے عربی خطبے خطبہ مسنونہ کہلاتے ہیں جمعہ کے موقع پر اس اجتماع کو غنیمت جانتے ہوئے اگر کوئی شخص مقامی زبان میں کسی اصلاحی وتعمیری موضوع پر تقریر کرنا چاہے تو کرے، لیکن حدیث کی رو سے یہ تقریر خطبہ مسنونہ کا حصہ نہیں کہلائے گی، چونکہ خطبہ مسنونہ عربی میں ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں :

وعربی بودن نیز بجہت عمل مستمر مسلمین در مشارق
ومغارب باوجود آنکہ در بسیارے از اقالیم مخاطبان عجمے بودند
(مصفی شرح موطا۔ ص ۱۵۴)

اور خطبہ جمعہ عربی زبان میں دینا سنت ہے چونکہ روز اول سے آج تک مشرق ومغرب کے تمام مسلمانوں کا عمل یہی ہے، باوجود یہ کہ بہت سے علاقوں میں سامعین عجمی ہوتے تھے، مگر آج کل کے بعض غیر مقلدین ایک خطبہ مقامی زبان میں اور دوسرا عربی میں دیتے ہیں جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ اور عمل صحابہ سے ثابت نہیں ہے۔ (۱)

(۱) واضح رہے کہ حضرات غیر مقلدین اپنے اس گروہی شعار کو مذہبی رنگ دینے کے لئے مختلف حیلے بہانے تراشتے ہیں۔ مثلاً

۱- خطبہ کا مقصد وعظ ونصیحت اور تذکیر ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر سامعین عربی زبان جانتے ہوں تو خطبہ کا یہ مقصد حاصل نہ ہوگا۔

تجزیہ:

(الف) اسلامی تعلیمات سب عرب وعجم کے لئے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس بات کا علم تھا کہ ان کے بعض یا سب مخاطب عجمی ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ سابقہ صفحہ) پھر بھی انہوں نے جمعہ کے دونوں خطبے عربی میں دیئے، الغرض ایک خطبہ مقامی زبان اور دوسرا عربی زبان میں دینا حدیث شریف سے ثابت نہیں ہے، لہٰذا جو اصول خیر القرون میں غیر عربی خطبہ کا معیار نہیں بن سکا وہ آج کل غیر عربی خطبہ کا معیار و مدار کیونکر بن سکتا ہے؟

(ب) مندرجہ بالا اصول قرآنی نقطۂ نظر سے بھی صحیح نہیں ہے چونکہ قرآن کریم انسانیت کی رہنمائی ہدایت اور موعظت و نصیحت کے لئے نازل ہوا۔

ارشاد ربانی ہے :

یا ایها الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم وشفاءٌ لما فی الصدور و هدیً ورحمة للمؤمنین۔ (یونس : ۵۷)

گویا قرآن کریم کا عربی میں ہونا اس کے موعظت وہدایت کے لئے ہونے کے منافی نہیں لہٰذا خطبہ مسنونہ کا عربی میں ہونا بھی اس کے موعظت و نصیحت ہونے کے منافی نہیں ہے۔

(ج) اگر مقامی زبانوں میں خطبہ دینے کی بنیاد یہ ٹھہرے کہ سامعین کو سمجھانا مقصود ہے۔
تو پھر دونوں خطبے مقامی زبان میں دینے چاہئیں۔ جب کہ خود غیر مقلدین بھی ایک خطبہ مقامی زبان میں اور دوسرا عربی میں دیتے ہیں۔ آخر یہی اصول دوسرے عربی خطبہ میں کیوں نہیں چلتا۔ اب یا تو یہ خودساختہ اصول صحیح نہیں یا بالفرض اگر صحیح ہے تو غیر مقلدین اس پر بھی پورا عمل نہیں کرتے۔

۲- اگر جمعہ پڑھانے والا شخص عربی میں خطبہ پڑھ ہی نہیں سکتا تو پھر اس مجبوری کے پیش نظر مقامی زبان میں خطبہ پڑھ لے۔ حضرات احناف کا راجح اور مفتی بہ مسلک بھی یہی ہے۔ واضح رہے کہ غیر مقلدین حضرات کو جب ایک خطبہ مقامی زبان میں اور دوسرا عربی میں پڑھنے کی کوئی دلیل قرآن وسنت و آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے نہیں ملتی تو حضرات احنافؒ کے اس مسلک کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں۔

تجزیہ :

(الف) حضرات احناف کا راجح و مفتی بہ مسلک مجبوری کی حالت سے متعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام احناف کے ہاں دونوں مسنون خطبے عربی میں پڑھے جاتے ہیں۔ اب غیر مقلدین اس سے کیونکر استدلال کر سکتے ہیں چونکہ ان کے ہاں مجبوری کا کوئی پہلو نہیں ہے اس لئے کہ ان کے خلیب دوسرا خطبہ عربی میں ہی پڑھتے ہیں۔ نیز غیر مقلدین کا موقف اس نقطۂ نظر سے بھی مختلف ہے کہ وہ ایک خطبہ مقامی زبان میں اور دوسرا عربی میں پڑھتے ہیں۔ جب کہ احناف کے ہاں مجبوری کی حالت میں جو مسئلہ ہے وہ یہ ہے کہ دونوں خطبے مقامی زبان میں ہوں۔

(ب) حضرات احناف چونکہ حدیث پر عمل کرتے ہیں لہٰذا وہ سنت کے مطابق (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۲۰۳) رکعات جمعہ

۴ سنت، ۲ فرض، ۶ سنت

جو شخص جمعہ کے لئے آئے یا تو گھر سے چار سنتیں پڑھ کر آئے یا خطبہ شروع ہونے سے پہلے پہلے پڑھ لے، دوران خطبہ سنتیں نہ پڑھے بلکہ با ادب ہو کر خطبہ کی طرف متوجہ رہے، پھر دو رکعت فرض نماز پڑھے جس میں امام بلند آواز سے قرأت کرے نماز جمعہ کے بعد ۲ رکعتیں یا ۴ رکعتیں یا چھ رکعتیں پڑھے چونکہ یہ تینوں عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور مختلف اوقات میں حالات کے مطابق آپ نے یہ رکعات ادا فرمائیں۔ بہتر یہ ہے کہ چھ رکعتیں پڑھ لے تا کہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے اور چھ رکعتوں کا ثواب بھی مل جائے۔

عن أبی هريرة رضى الله عنه عن النبی صلى الله عليه وسلم قال من اغتسل ثم اتى الجمعة فصلى ما قدر له ثم انصت حتى يفرغ من خطبته ثم يصلى معه غفر له ما بينه وبين الجمعة الأخرى وفضل ثلاثة أيام.

(مسلم : فضل من استمع وانصت للخطبة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے غسل کیا پھر جمعہ کے لئے آیا، پھر جتنی نفل نماز اس کے مقدر میں تھی اس نے پڑھی پھر امام کے خطبے سے فارغ ہونے تک خاموش رہا، پھر امام کے ساتھ نماز پڑھی تو اس کے دس دنوں کے گناہ صغیرہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

عن ابراهيم قال كانوا يصلون قبلها اربعاً.

(مصنف ابن ابی شیبه. ج ۱ . ص ۱۳۱)

(بقیہ سابقہ صفحہ) دونوں مسنون خطبے عربی میں پڑھتے ہیں اور اس موقع پر لوگوں کے اجتماع کے پیش نظر مقامی زبان میں کچھ تقریر بھی کر لیتے ہیں لیکن اس تقریر کو خطبہ مسنونہ قرار نہیں دیتے۔ اگر آج کے غیر مقلدین کو احناف کے مسلک کو ہی بنیاد بنانا ہے تو پھر انہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہئے، لیکن ان کا تو قصہ ہی نرالا ہے وہ اپنی پنجابی اردو کی تقریر کو پہلا مسنون خطبہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت میں تو پہلا اور دوسرا ہر دو خطبہ عربی میں ہوتے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھی دونوں مسنون خطبے مسنون زبان میں پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نماز جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

عن سالم عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يصلي بعد الجمعة ركعتين. (مسلم : الصلاة بعد الجمعة)

حضرت سالم اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا صلى أحدكم الجمعة فليصل بعدها اربعاً.

(مسلم : الصلاة بعد الجمعة)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی جمعہ پڑھ لے تو اس کے بعد چار رکعتیں پڑھے۔

عن عطاء أنه رأى بن عمر رضي الله عنهما يصلي بعد الجمعة فينحاز عن مصلاه الذي صلى فيه الجمعة قليلاً غير كثير، قال فيركع ركعتين قال ثم يمشي أنفس من ذلك فيركع اربع ركعات قلت لعطاء كم رأيت بن عمر يصنع ذلك؟ قال مراراً.(ابو داؤد : الصلاة بعد الجمعة)

حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو جمعہ کے بعد نماز پڑھتے دیکھا کہ جس مصلے پر آپ نے جمعہ پڑھا ہے اس سے تھوڑا سا ہٹ جاتے تھے۔ پھر دو رکعتیں پڑھتے، پھر چار رکعتیں پڑھتے تھے۔

میں نے حضرت عطاء سے پوچھا کہ آپ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو کتنی دفعہ ایسا کرتے دیکھا۔ انہوں نے فرمایا کہ "بہت دفعہ"

الغرض، روایت نمبر ۱، اور نمبر ۲ سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی ان بابرکت گھڑیوں میں جتنی زیادہ نماز پڑھ سکے پڑھے لہذا خطبہ شروع ہونے سے پہلے کم از کم چار رکعات تو پڑھ ہی لے۔

روایت نمبر ۳ میں جمعہ کے بعد دو رکعت۔

روایت نمبر ۴ میں چار رکعت اور

روایت نمبر ۵ میں چھ رکعت کا ذکر ہے جو کہ مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

سے ثابت ہے۔

اسی لئے امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :

وصح انه صلى الله عليه وسلم قال من كان مصلياً بعد الجمعة فليصل أربعاً، وروى الست ركعات عن طائفة من الصحابة رضى الله عنهم. (مختصر فتاوى ابن تيمية. ص ۷۹)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جمعہ کے بعد چار رکعات پڑھنی چاہئیں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چھ رکعات بھی منقول ہیں۔

(۲۰۴) نمازِ جمعہ میں مسنون قرأت

عن ابن أبى رافع قال استخلف مروان أبا هريرة رضى الله عنه على المدينة وخرج إلى مكة، فصلى لنا ابوهريرة الجمعة فقرأ بعد سورة الجمعة فى الركعة الاخرة إذا جاءك المنافقون قال فأدركت أباهريرة حين انصرف فقلت له انك قرأت بسورتين كان على بن أبى طالب يقرأ بهما بالكوفة فقال ابوهريرة رضى الله عنه إنى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقرأ بهما يوم الجمعة. (مسلم : ما يقرأ فى صلوة الجمعة)

ابورافع کے صاحبزادہ کہتے ہیں کہ مروان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں نائب بنایا اور خود مکہ مکرمہ چلا گیا تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جمعہ پڑھایا آپ نے پہلی رکعت میں سورہ جمعہ اور دوسری رکعت میں سورہ منافقون پڑھی، نماز سے فراغت کے بعد میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی کوفہ میں یہی دو سورتیں پڑھتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا ہے کہ آپ جمعہ میں یہ دو سورتیں پڑھا کرتے تھے۔

عن عبيدالله بن عبدالله قال كتب الضحاك بن قيس الى النعمان بن بشير ليسأله أى شىء قرأ رسول الله يوم الجمعة فقال كان يقرأ هل اتاك. (مسلم : ما يقرأ فى يوم الجمعة)

حضرت عبید اللہ بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ضحاک نے نعمان بن بشیر سے تحریری طور پر پوچھا کہ جمعہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سورہ جمعہ کے علاوہ اور) کون سی سورہ پڑھا کرتے تھے؟ تو آپ نے بتایا کہ پھر وہ سورۃ ھل اتاک پڑھا کرتے تھے۔

نماز تراویح

(۲۰۵) تراویح کی تعریف

قال بن حجر رحمه الله : التراويح جمع ترويحة وهي المرة الواحدة من الراحة، كتسليمة من السلام، سميت الصلوة في الجماعة في ليالي رمضان التراويح لأنهم اول ما اجتمعوا عليها كانوا يستريحون بين كل تسليمتين. (فتح الباری : کتاب صلوة التراويح)

تراویح ترویحہ کی جمع ہے اور ترویحہ بمعنیٰ ایک دفعہ آرام کرنا، جیسے تسلیمہ بمعنیٰ ایک دفعہ سلام پھیرنا اور رمضان کی راتوں میں باجماعت نماز کو تراویح کہا جاتا ہے۔ اس مناسبت سے کہ ابتداء جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا اتفاق اس امر پر ہو گیا تو وہ ہر دو سلاموں کے بعد (چار رکعت کے بعد) کچھ آرام کرتے تھے۔ (واضح رہے کہ خود تراویح کا صیغہ بتلا رہا ہے کہ تراویح کی رکعات آٹھ سے زائد ہیں چونکہ چار رکعت، ایک ترویحہ اور آٹھ رکعت، ترویحتین بارہ اور اس سے زائد رکعات تراویح)

(۲۰۶) نماز تراویح عہد نبوی میں

عن عائشة رضى الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى في المسجد ذات ليلة فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة أو الرابعة فلم يخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما أصبح قال، قد رأيت الذى صنعتم، فلم يمنعنى

من الخروج إليكم إلا انی خشيت أن تفرض عليكم قال وذلک فی رمضان. (مسلم : الترغيب فی الصلوة التراويح)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (رمضان کی) ایک رات مسجد میں نماز تراویح پڑھی، لوگوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر دوسری رات کی نماز میں شرکاء زیادہ ہو گئے۔ تیسری یا چوتھی رات آپ نماز تراویح کے لئے مسجد میں تشریف نہ لائے اور صبح کو فرمایا : میں نے تمہارا شوق دیکھ لیا اور میں اسی ڈر سے نہیں آیا کہ کہیں یہ نماز تم پر رمضان میں فرض نہ کر دی جائے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يرغب فی قيام رمضان من غير أن يأمرهم فيه بعزيمة فيقول من قام رمضان ايماناً واحتساباً غفرله ما تقدم من ذنبه فتوفی رسول الله صلی الله عليه وسلم، والأمر على ذلک ثم كان الأمر على ذلک فی خلافة ابی بكر رضی الله عنه وصدرًا من خلافة عمر رضی الله عليه على ذلک. (مسلم : الترغيب فی صلاة التراويح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیام رمضان کی ترغیب دیتے وجوب کا حکم نہیں۔ آپ فرماتے جو شخص رمضان کی راتوں میں نماز تراویح پڑھے اور وہ ایمان کے دوسرے تقاضوں کو بھی پورا کر رہا ہو اور ثواب کی نیت سے یہ عمل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک یہی عمل رہا دورِ صدیقی اور ابتدائی عہد فاروقی میں بھی یہی عمل رہا۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ

۱- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دفعہ مسجد میں آ کر با جماعت تراویح پڑھی۔
۲- پورا رمضان تراویح پڑھنا باعث اجر و ثواب و مغفرت ہے۔
۳- نماز تراویح کی تعداد مقرر نہیں فرمائی۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں

ومن ظن أن قيام رمضان فيه عدد مؤقت عن النبی صلی الله عليه

وسلم لا يزاد فيه ولا ينقص منه فقد أخطا.

(فتاوى بن تيمية مصرية. ج ٢. ص ٤٠١)

جس شخص کا یہ خیال ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی کوئی تعداد مقرر کی ہے جس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی تو وہ غلطی پر ہے۔

خود علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

والحاصل ان الذى دلت عليه احاديث الباب وما يشابهها هو مشروعية القيام فى رمضان، والصلوة فيه جماعة وفرادى فقصد الصلوة المسماة بالتراويح عل عدد معين وتخصيصها بقرأه مخصوصة لم يرد به سنة. (نيل الاوطار. ج ٣ ص ٦٤)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسئلہ تراویح کی تمام روایات میں نماز تراویح، ان کا باجماعت یا تنہا پڑھنا تو ثابت ہے لیکن خاص نماز تراویح کی تعداد اور اس میں قرأت کی تعیین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول نہیں۔

نماز تراویح خلافت راشدہ میں

(۲۰۷) عہد صدیقی کا معمول حسب سابق رہا اور لوگ اپنے طور پر عبادت کرتے رہے۔

(۲۰۸) دورِ فاروقی

رمضان کی تمام راتوں میں عشاء کے فرائض کے بعد وتروں سے پہلے باجماعت نماز تراویح میں قرآن مکمل کرنے کا باضابطہ سلسلہ عہد فاروقی میں شروع ہوا اور بیس رکعت تراویح پڑھی جانے لگیں اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسی کیفیت پر اسی تعداد میں تراویح پڑھیں اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، اسلاف صحابہ اسلاف تابعین واسلاف فقہاء امت کا بھی یہی معمول رہا اور حرمین شریفین میں آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے، چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تراویح کی ترغیب تو دی، لیکن ان سب تفصیلات کی وضاحت نہ فرمائی، تاکہ یہ فرض نہ ہو جائیں، اس لئے مزاج شناس رسالت "لو کان بعدی نبی لکان عمر رضی اللہ عنہ" نے انصار ومہاجرین صحابہ کے مشورے سے اس محبوب ومرغوب عمل کو باضابطہ شکل دی، چونکہ وحی کا سلسلہ منقطع ہونے کے بعد اب فرضیت کا خطرہ نہ تھا۔

ان سب کے باوجود اس مقدس وبابرکت مہینہ میں بعض لوگ کاہلی (۱) کا مظاہرہ کرتے ہیں اور صرف آٹھ رکعتوں پر ہی اکتفاء کر لیتے ہیں، مزید یہ کہ اپنے اس عمل کے

(۱) واضح رہے کہ ۱۲۸۴ھ میں مشہور غیر مقلد عالم مفتی محمد حسین بٹالوی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی دفعہ باضابطہ طور پر یہ فتویٰ جاری کر دیا کہ آٹھ رکعات تراویح سنت اور بیس تراویح بدعت ہے۔ اس انوکھے فتوے سے مسلمانان ہند میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ علمائے اہل سنت نے اس کے رد میں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

لئے مختلف حیلے بہانے تراشتے ہیں، مثلاً یہ کہ بیس رکعت کی تعداد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مقرر ہوئی، یہ عجیب نرالی منطق ہے کہ عہد فاروقی میں تراویح کی کیفیت تو قابلِ قبول ہو، لیکن تعداد محلِ نظر، چونکہ

۱-پورا رمضان تراویح پڑھنا۔

۲-تراویح کا مستقل باجماعت پڑھنا۔

۳-بیس رکعت تراویح پڑھنا۔

۴-رمضان میں وتر باجماعت پڑھنا۔

(بقیہ سابقہ صفحہ) بہت کچھ لکھا حتی کہ ۱۲۹۰ھ میں مشہور غیر مقلد بزرگ عالم مولانا غلام رسول صاحب قلعہ میاں سنگھ گوجرانوالہ نے بھی اس فتوے کا رد لکھا، وہ اس فتوے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کے مطابق جس میں آتا ہے کہ تم میں سے ہرگز کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے ہاں باپ اولاد تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ محبت ہونے کی علامت یہ ہے کہ ہم آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی پیروی بھی کریں اور آپ کے ارشاد گرامی کہ ”ان کی سنت کو مضبوطی سے پکڑو اور اس کو داڑھوں سے مضبوط کرو۔“ کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیں نہ یہ کہ کم ہمتی کی وجہ سے صرف گیارہ رکعات پر اکتفا کرتے ہوئے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کو بدعت قرار دیں اور ان کے اجماع پر طعن کریں اور تئیس رکعات پڑھنے والوں پر فعل مشرکین اور اپنے آباء اجداد کی تقلید کرنے کی چوٹ کریں اور اس باب میں ہماری پہلی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ہیں کہ فضائل اعمال میں ان پر عمل کرنا اجماعی امر ہے اور دوسری دلیل حضرات صحابہ کرام، تابعین ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی بڑی جماعت کا عمل ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں جاری ہے کہ وہ تئیس رکعت ہی پڑھتے رہے ہیں بخلاف اس غالی مفتی (بٹالوی) کے کہ وہ اس عمل کو بدعت اور مخالف سنت کہتا ہے اور حد سے تجاوز کرتا ہے۔“ مزید لکھتے ہیں کہ یہ مفتی سینہ زوری کے ساتھ سنت کی پیروی کرنے والوں کے عمل کو بدعت کہتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین، ائمہ مجتہدین اور مشرق و مغرب کے علماء کی بہت بڑی جماعت کو مخالف سنت قرار دیتا ہے، بلکہ اس مفتی نے بات یہاں تک پہنچا دی ہے کہ ان حضرات کے اس عمل کو تعریضاً مشرکین کا فعل کہتا ہے اور ان کو اپنے آباء اجداد کی تقلید کا عامل قرار دیتا ہے۔ (غلام رسول۔ رسالۂ تراویح۔ ص ۲۸، ص ۵۶)۔

آخر یہ سب کچھ عہد فاروقی میں شروع ہوا۔ ملاحظہ ہو۔

عن عبد الرحمن القاریٔ أنه قال خرجت مع عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ فی رمضان إلی المسجد فإذا الناس أوزاع متفرقون یصلی الرجل لنفسه ویصلی الرجل فیصلی بصلاته الرهط، فقال عمر، واللّٰه إنی لأرانی لو جمعت هؤلاء علی قاریٔ واحد لکان أمثل فجمعهم علی أبی بن کعب، قال ثم خرجت معه لیلة أخری والناس یصلون بصلوة قارئهم فقال عمر نعمت البدعة هذه التی تنامون عنها افضل من التی تقومون یعنی آخر اللیل وکان الناس یقومون أوله.

(موطا مالک : ماجاء فی قیام رمضان)

حضرت عبدالرحمٰن قاری فرماتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ رمضان میں مسجد میں گیا تو دیکھا کہ لوگ مختلف گروپوں میں علیحدہ علیحدہ نماز تراویح پڑھ رہے ہیں۔ کوئی تو اکیلا پڑھ رہا ہے اور کسی کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : بخدا میرا خیال ہے کہ اگر ان سب کو ایک امام کی اقتداء میں جمع کر دیا جائے ،تو بہت اچھا ہے اور سب کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں جمع کر دیا۔

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ پھر جب ہم دوسرے دن نکلے اور دیکھا کہ سب لوگ ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز تراویح ادا کر رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے فرمایا : "یہ بڑا اچھا طریقہ ہے" اور مزید فرمایا کہ ابھی تم رات کے جس آخری حصہ میں سو جاتے ہو وہ اس وقت سے بھی بہتر ہے جس کو تم نماز میں کھڑے ہو کر گزارتے ہو۔ آپ کا مقصد اس آخری حصہ کی اہمیت بتلانا تھا اور رات کا ابتدائی حصہ تو لوگ پہلے ہی نماز میں گزارتے تھے۔

عن یزید بن رومان أنه قال کان الناس یقومون فی زمان عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه فی رمضان بثلاث وعشرین رکعة.(۱) (موطا مالک : ماجاء فی قیام رمضان)

(۱)عن السائب بن یزید أنه قال امر عمر بن الخطاب أبی بن کعب وتمیماً الداری ان یقوما للناس بأحدی عشرة رکعة... الخ

اس روایت کی بنیاد پر بعض لوگوں کو شبہ ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گیارہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حضرت یزید بن رومان کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرات صحابہ تیئیس رکعت ادا فرماتے تھے۔

روی البیهقی فی المعرفة عن السائب بن یزید کنا نقوم فی زمن عمر بن الخطاب بعشرین رکعة والوتر.

(اسناده صحیح) (زیلعی : نصب الرأیة. ج ۲. ص ۱۵۴)

بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب المعرفۃ میں نقل کیا ہے حضرت سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں ہم بیس رکعت تراویح اور وتر پڑھا کرتے تھے۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

فلما جمعهم عمر علی أبی بن کعب کان یصلی بهم عشرین رکعة ثم یوتر بثلاث. (الفتاوی المصریة. ج ۲. ص ۴۰۱)

(بقیہ سابقہ صفحہ) رکعت تراویح کا حکم دیا حالانکہ خود اس روایت کی کیفیت یہ ہے کہ :

۱- یہ حدیث تین طرح سے منقول ہے، ایک میں اکیس کا ذکر ہے۔ دوسری میں گیارہ کا تیسری میں تیرہ کا، ظاہر ہے کہ اس میں سے صحیح تو ایک قول ہے اور وہ موطا کی شرح میں زرقانی نے نقل کیا ہے۔

"قال بن عبدالبر روی غیر مالك فی هذا الحدیث أحد و عشرون وهو الصحیح۔

کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دوسرے راویوں نے حضرت سائب کی اسی روایت میں اکیس تراویح کا ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے۔

۲- ظاہر ہے جب ایک ہی روایت میں تین الفاظ منقول ہیں اور ایک صحیح ہے تو باقی غلط ہوں گے۔

ابن عبدالبر نے اس کی بھی توضیح وتعیین کردی فرماتے ہیں :

الا أن الاغلب عندی أن قوله احدی عشرة وهم۔ (زرقانی شرح موطا ج ۱۔ ص ۳۵۴، قیام رمضان)

کہ میرے نزدیک زیادہ غالب یہی ہے کہ گیارہ کا ذکر وہم کی بنیاد پر ہوا ہے۔

۳- حضرت سائب کی بیہقی والی روایت میں بیس رکعات تراویح کا ذکر ہے جو قرینہ ہے کہ حضرت سائب کی بیس تراویح والی روایت ہی صحیح ہے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع کیا تو وہ بیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

فلما كان عمر رضى الله عنه جمعهم على امام واحدٍ وهو أبى بن كعب الذى جمع الناس عليه بأمر عمر بن الخطاب، وعمر هو من الخلفاء الراشدين حيث يقول صلى الله عليه وسلم عليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين من بعدى عضوا عليها بالنواجذ يعنى الأضراس لأنها اعظم فى القوة وهذا الذى فعله هو سنة.

(فتاوى ابن تيمية. ج ۲۲. ص ۲۳۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی امامت میں جمع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین میں سے ہیں جن کی بابت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسی کو داڑھوں کے ساتھ مضبوطی سے پکڑے رکھو۔ امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم نے داڑھوں کا ذکر اسی لئے کیا کہ داڑھوں کی گرفت مضبوط ہوتی ہے۔ الغرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام عین سنت ہے۔

(۲۰۹) عہد عثمانی

خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بھی بیس تراویح کا معمول رہا۔

عن سائب بن يزيد قال كانوا يقومون على عهد عمر بن الخطاب فى شهر رمضان بعشرين ركعة وكانوا يقرؤن بالمئين. وكانوا يتوكئون على عصيهم فى عهد عثمان من شدة القيام. (رجاله ثقات : آثار السنن)
(بيهقى : عدد ركعات القيام فى رمضان)

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرات صحابہ رمضان میں بیس رکعات پڑھتے تھے اور ایک سو سے زائد آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں تو بعض لوگ شدت قیام کی

وجہ سے لاٹھیوں کا سہارا لیا کرتے تھے۔

(۲۱۰) عہد علی رضی اللہ عنہ

خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے مبارک دورِ خلافت میں بیس تراویح پڑھنے کا حکم دیا۔

عن عبدالرحمن بن أبی سلمی عن علی قال دعا القراء فی رمضان فامر منهم رجلا یصلی بالناس عشرین رکعة قال و کان علی یوتر بهم.

(بیهقی : عدد رکعات القیام فی رمضان)

حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں قراء حضرات کو بلایا اور ان میں سے ایک کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھائے۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ وتر حضرت علی پڑھاتے تھے۔

عن شتیر بن شکل و کان من أصحاب علی رضی اللّٰہ عنه انه کان یؤمهم فی شهر رمضان بعشرین رکعة ویوتر بثلاث. (قال البیهقی وفی ذلک قوة) (بیهقی : عدد رکعات القیام)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں میں سے حضرت شتیر بن شکل رمضان میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

(۲۱۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا عمل

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر وحضر کے ساتھی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی بیس تراویح پڑھا کرتے تھے۔

قال الأعمش کان (ابن مسعودؓ) صلی عشرین رکعة ویوتر بثلث.

(مروزی : قیام اللیل. ص ۱۵۷)

حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا معمول بھی بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھنے کا تھا۔

(۲۱۲) جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل مکہ کا عمل

امام ترمذیؒ فرماتے ہیں :

واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی رضی الله عنه وعمر رضی الله عنه وغیرهما من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم عشرین رکعة، وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک والشافعی وقال الشافعی وهکذا ادرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة.

(ترمذی : ماجاء فی قیام شهر رمضان)

کہ جمہور اہل علم کا مسلک وہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ ودیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ تراویح میں بیس رکعات ہیں۔ حضرت سفیان ثوری، ابن مبارک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مسلک ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے اہل مکہ کو بیس رکعات پڑھتے دیکھا۔

واضح رہے کہ جمہور کے علاوہ بعض حضرات مدینہ منورہ میں اکتالیس رکعات تراویح پڑھتے تھے جیسا کہ ترمذی نے بھی نقل کیا ہے جس کا پس منظر حضرت داؤد بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کے حاشیہ میں ملاحظہ ہو کہ وہ بھی بنیادی طور پر بیس رکعات ہی پڑھتے تھے۔ بہرحال امام ترمذیؒ نے بھی اہل مکہ واہل مدینہ میں سے آٹھ تراویح پر کسی کا عمل نقل نہیں کیا۔

(۲۱۳) اجماع اسلاف امت

حضرت صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم وفقہاء امت رحمۃ اللہ علیہم کا اتفاق ہے کہ رمضان میں بیس تراویح سنت ہے۔ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

والمختار عند احمد فیها عشرون رکعة وبهذا قال الثوری، واستدل بان عمر رضی الله عنه لما جمع الناس علی ابی کان یصلی بهم عشرین رکعة، ورواية مالک عن یزید بن رومان (کمامر) ورواية علیؓ (کما مر) ویقول، وهذا کالإجماع. وما کان علیه اصحاب رسول الله

صلى الله عليه وسلم أو في وأحق أن يتبع.

(ملخص. المغني. ج ۲. ص ۱۳۹. صلوة التراويح)

اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں پسندیدہ عمل بیس رکعات کا ہے اور حضرت ثوری بھی یہی کہتے ہیں اور ان کی دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حضرت ابی بن کعب کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ بیس رکعات پڑھتے تھے۔ نیز حضرت امام احمدؒ کا استدلال حضرت یزید و علی رضی اللہ عنہما کی روایات سے ہے۔ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ یہ بمنزلہ اجماع کے ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جس چیز پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عمل پیرا رہے ہوں۔ وہی اتباع کے لائق ہے۔

وروى محمد بن نصر عن طريق عطاء قال ادركتهم في رمضان يصلون عشرين ركعة والوتر ثلاث ركعات.

(مروزی: قيام الليل. ص ۵۷)

محمد بن نصر نقل کرتے ہیں کہ حضرت عطاء نے فرمایا کہ میں نے حضرات صحابہ کو رمضان میں بیس تراویح اور تین رکعت وتر پڑھتے ہوئے پایا۔

علامہ نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

والمراد بقيام رمضان صلوة التراويح، واتفق العلماء على استحبابها واختلفوا أن الأفضل صلواتها منفردا في بيته أم في جماعة في المسجد فقال الشافعيؒ وابو حنيفةؒ واحمدؒ وبعض المالكيةؒ وغيرهم، الافضل صلوتها جماعة كما فعله عمر بن الخطاب والصحابة، واستمر عمل المسلمين عليه لأنه من الشعائر الظاهرة.

(شرح مسلم للنووی، ملخص، الترغيب في قيام رمضان)

کہ قیام رمضان سے مراد تراویح ہے اور تمام علماء متفق ہیں کہ یہ نماز اللہ تعالیٰ کی محبوب ہے البتہ اس میں کچھ اختلاف ہے گھر میں اکیلا پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں باجماعت؟ تو امام شافعیؒ وابوحنیفہؒ واحمدؒ بعض مالکیہ اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ باجماعت پڑھنا بہتر ہے چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا ہی کیا اور اس پر مسلمانوں کا مسلسل عمل جاری ہے۔ حتی کہ یہ مسلمانوں کی ظاہری

علامات میں سے ایک علامت ہے۔

نیز علامہ نوویؒ فرماتے ہیں :

إعلم أن صلوة التراويح سنة باتفاق العلماء وهي عشرون ركعة يسلم من كل ركعتين. (الأذكار. ص ۸۳)

جان لو کہ نماز تراویح کے سنت ہونے پر تمام علماء کا اجماع ہے اور یہ بیس رکعات ہیں۔ جن میں ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے۔

عن داؤد بن الحصين انه سمع الأعرج يقول ما أدركت الناس إلا وهم يلعنون الكفرة في رمضان قال وكان القارئ يقرأ سورة البقرة في ثمان ركعات، فإذا قام بها في اثنتي عشرة ركعات رأى الناس انه قد خفف. (قال الباجي ادركت الناس اى الصحابة) (قدر القراءة في رمضان)

حضرت داؤد أعرج سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس کیفیت میں دیکھا کہ وہ رمضان میں کفار کے لئے بددعا کرتے تھے، نیز یہ کہ امام سورۃ بقرۃ تراویح کی آٹھ رکعات میں مکمل کرتا تھا اور اگر کبھی بارہ رکعت میں مکمل کرتا، تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھتے کہ آج اس نے ہلکی نماز پڑھائی۔

اس روایت سے یہ بھی واضح ہوا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی نماز تراویح آٹھ رکعت سے زائد ہوتی تھی جب کہ دوسری روایت میں تصریح ہو چکی ہے کہ سب بیس رکعت ہی پڑھتے تھے، لہٰذا ہمیں بھی پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کی روشنی میں سچے متبعین حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مستقل اور متفقہ عمل کے مطابق بیس رکعات تراویح پڑھنی چاہئے۔ اسلاف تابعین (۱) واسلاف فقہاء امت نے بھی ایسا ہی کیا۔

---

(۱) حضرات تابعین کے دور میں بعض اہل مدینہ کا یہ عمل منقول ہے کہ وہ چھتیس یا چالیس رکعات پڑھا کرتے تھے۔

اس عمل کی تفصیلات سے واقف ہونے کے بعد واضح ہوتا ہے کہ یہ حضرات بھی بنیادی تراویح بیس رکعت کے ہی قائل تھے اور باقی زائد رکعات پڑھنے کا قصہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

نمازِ تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ

حرم مکی شریف

مکہ مکرمہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ سے آج تک مسلسل بیس تراویح کا معمول چلا آرہا ہے اور کسی بھی دور میں بیس سے کم یا زیادہ تراویح باجماعت پڑھنا تاریخی طور پر ثابت نہیں ہے۔ اسی لئے آج کل بھی حرم مکی شریف میں بیس تراویح ہی پڑھی جاتی ہیں، اما شافعیؒ اہل مکہ کا معمول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"واحب إلیّ عشرون، لأنه روی عن عمر رضی الله عنه وكذلك يقومون بمكة ويوترون بثلاث". (الأم ج ۱ ص ۱۴۲)

مجھے بیس تراویح پڑھنا اس لئے پسند ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی منقول ہے اور اہل مکہ کا یہی عمل ہے نیز وہ بھی تین وتر پڑھتے ہیں۔

(بقیہ سابقہ صفحہ) ابن قدامہ نقل کرتے ہیں کہ : انما فعل اهل المدينة لأنهم أرادوا مساولة أهل مكة فإن أهل مكة كانوا يطوفون سبعاً بين كل ترويحتين فجعل أهل المدينة مكان كل سبع اربع ركعات وما كان عليه اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أولىٰ واحق أن يتبع۔

(المغنی۔ ج ۲۔ص ۱۳۹۔ صلوة التراويح)

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اہل مدینہ نے اہل مکہ کے ساتھ ثواب میں برابری کے لئے ایسا کیا، چونکہ اہل مکہ ہر چار رکعت کے بعد ایک طواف کرلیا کرتے تھے تو اہل مدینہ نے طواف کی بجائے چار رکعت پڑھنا شروع کیں۔ اس سب کے باوجود جس چیز پر سلف صحابہ کا عمل ہو وہ اتباع کے زیادہ قابل ہے۔

امام ترمذیؒ اہل مدینہ کا عمل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :

"واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من أصحاب النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عشرین رکعةً، وهو قول سفیان الثوری وابن المبارک، والشافعی، وقال الشافعی وهکذا أدرکت ببلدنا بمکة یصلون عشرین رکعة. (ترمذی : ماجاء فی قیام رمضان)

اکثر اہل علم کا وہی مسلک ہے جو حضرت عمرؓ وعلیؓ اور دوسرے صحابہ کرام سے منقول ہے کہ تراویح بیس رکعت ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ، ابن مبارک اور امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ اہل مکہ بیس رکعات پڑھتے ہیں۔

الغرض معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ان کے بعد جمہور اہل علم اور اہل علم مکہ کا مسلسل عمل بیس رکعات تراویح پڑھنے کا ہے۔

حرم مدنی شریف

چودہ سو سالہ تاریخی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ بھی بیس تراویح ہی پڑھتے تھے البتہ بعض اوقات میں چھتیس رکعات اور تین وتر پڑھنے کا قصہ یوں ہے کہ اہل مکہ ہر چار رکعات تراویح کے بعد والے وقفہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے ایک طواف کر لیا کرتے تھے تو اہل مدینہ اس فضیلت وثواب کو حاصل کرنے کے لئے طواف کے بجائے اس وقفہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے چار رکعات پڑھ لیتے تھے، مگر ابن قدامہؒ فرماتے ہیں کہ اس کے باوجود جس چیز پر حضرات صحابہ کرام کا عمل تھا وہ زیادہ اتباع کے قابل ہے۔ ملاحظہ ہو :- (المغنی ج۱ص ۱۶۷)

سعودی عرب کے نامور عالم مسجد نبوی کے مشہور مدرس اور مدینہ منورہ کے موجودہ قاضی شیخ عطیہ سالم نے مسجد نبوی میں نماز تراویح کی چودہ سو سالہ تاریخ پر عربی میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ کتاب کے مقدمہ میں تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسجد نبوی میں تراویح ہو رہی ہوتی ہے تو بعض لوگ آٹھ رکعات پڑھ کر ہی رک جاتے ہیں۔ ان کا یہ گمان ہے کہ آٹھ تراویح پڑھنا بہتر ہے اور اس سے زیادہ جائز نہیں ہیں۔ اس طرح یہ لوگ مسجد میں نبوی میں بقیہ تراویح کے ثواب سے محروم رہتے ہیں ان کی اس محرومی کو دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں تا کہ ان لوگوں کے شکوک

وشبہات ختم ہوں اوران کوبیس تراویح پڑھنے کی توفیق ہوجائے، البتہ جو متصب لوگ نماز عشاء کے بعد ہی مسجد نبوی سے اس لئے نکل جاتے ہیں کہ دور دراز کی کسی مسجد میں جا کر آٹھ تراویح پڑھیں گے توان کو بس اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ مسجد سے نکل کر نہ تو تم نے اس حدیث پر عمل کیا جس میں گھر جا کر نوافل پڑھنے کو افضل کہا گیا ہے اور نہ ہی تمہیں مسجد نبوی شریف میں نماز تراویح کا ثواب ملا۔ جہاں ایک نماز کی مسجد میں ایک ہزار نماز پڑھنے سے بہتر ہے"۔

پہلی صدی میں نماز تراویح

گزشتہ صفحات میں خلافتِ راشدہ، اور بعد کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل تفصیلاً مذکور ہوا کہ آپ سب حضرات مسجد نبوی میں بیس تراویح ہی پڑھتے تھے۔

(۲۱۷) دوسری تیسری صدی

شیخ عطیہ سالم فرماتے ہیں :

مضت المائة الثانية والتراويح ست وثلاثون وثلاث وتر، ودخلت المائة الثالثة، وكان المظنون أن نظل على ماهى عليه تسع وثلاثون بمافيه الوتر. (التراويح اكثر من الف عام ص ۴۱)

دوسری صدی میں چھتیس رکعت تراویح اور تین وتر پڑھے جاتے تھے اور تیسری صدی میں بھی وتروں سمیت انتالیس رکعات ادا کی جاتی تھیں۔

(۲۱۸) چوتھوی، پانچویں اور چھٹی صدی

عادت التراويح فى تلك الفترة كلها إلى عشرين ركعة فقط بدلا من ست وثلاثين فى السابق. (التراويح...... ص ۴۲)

ان تین صدیوں میں چھتیس کے بجائے پھر سے بیس رکعت تراویح پڑھی جانے لگیں۔

(۲۱۹) آٹھویں صدی سے تیرہویں صدی تک

فكان يصلى التراويح أول الليل بعشرين ركعة على المعتاد ثم يقوم آخر الليل فى المسجد بست عشرة ركعة. (التراويح...... ص ۴۷)

آخری صدی میں حسب دستور بیس رکعات تراویح پڑھی جاتی تھیں اور پھر رات کے آخری حصہ میں سولہ رکعتیں پڑھی جاتی تھیں۔

نویں صدی میں بھی یہی معمول رہا۔ (التراویح......ص۴۹)

دسویں صدی میں بھی یہی معمول رہا۔(التراویح......ص۵۰)

گیارہویں بارہویں اور تیرہویں صدی میں بھی یہی معمول رہا۔ (التراویح ......ص۵۲،۵۳،۵۷)

(۲۲۰) چودھویں صدی

دخل القرن الرابع عشر والتراويح فى المسجد النبوى على ما هى عليه من قبل وظلت إلى قرابة منتصفه. (التراويح......ص ۵۸)

چودھویں صدی کے پہلے پچاس سال کے دوران مسجد نبوی میں تراویح کا معمول حسب سابق رہا(کہ بیس رکعات پڑھی جاتی تھیں۔) چودھویں صدی ہجری کے آخری پچاس سالوں کے دوران مسجد نبوی میں تراویح کے معمول کی بابت کہتے ہیں۔

ثم جاء العهد السعودى فتوحدت فيه الجماعة فى المسجد النبوى وفى المسجد الحرام للصلوٰت الخمس وللتراويح وعادت حالة الإمامة إلى أصلها موحدة منتظمة أما عدد الركعات وكيفية الصلوٰة فكانت عشرين ركعة بعد العشاء وثلاث وتراً وذلك طيلة الشهر...... وعليه فتكون التراويح قد استقر على عشرين ركعة على ما يدل عليه العمل فى جميع البلاد. (التراويح......ص ۶۵)

دوسری نصف صدی میں سعودی حکومت قائم ہوگئی تو حرم مکی شریف وحرم مدنی شریف میں پانچوں نمازوں اور تراویح کو منظم کر دیا گیا۔اب صورت حال یہ ہے کہ پورا رمضان عشاء کے بعد بیس تراویح اور تین وتر پڑھی جاتی ہیں۔اس طرح تراویح کا بیس رکعت پڑھنا بالکل پختہ اور مضبوط ہوگیا اور دوسرے تمام علاقوں میں بھی یہی عمل جاری ہے۔

(۲۲۱) نمازتراویح کا حنفی امام

وکان الشیخ أسعد توفیق من أئمة الأحناف قبل العهد السعودی فأسندت إلیه صلوة العشاء ...... والشیخ أسعد هو الذی تولی صلاة التراویح. (التراویح. ص. ۱۰۰. ص ۶۹)

سعودی حکومت قائم ہونے سے پہلے شیخ اسعد توفیق رحمۃ اللہ علیہ حنفی امام تھے۔ سعودی حکومت نے بھی ان کے ذمہ عشاء کی نماز لگائی اور یہی شیخ اسعد تراویح کی نماز بھی پڑھاتے تھے۔

(۲۲۲) تراویح پڑھانے کی کیفیت

یبدؤها فضیلة الشیخ عبدالعزیز فیصلی عشر رکعات فی خمس تسلیمات وتستمر إلی الساعة الثالثة إلا خمس دقائق أی تستغرق نصف ساعة تماماً ثم یبدؤها فضیلة الشیخ عبدالمجید فی العشر رکعات الأخری مباشرة یصلیها بخمس تسلیمات... فیکون العشرون رکعة کاملة بجزءٍ کامل. (التراویح. ص ۷۹. ۷۸)

پہلے شیخ عبدالعزیز پانچ سلاموں کے ساتھ دس تراویح پڑھاتے تھے اور عربی وقت کے مطابق پانچ منٹ کم تین بجے تک نصف گھنٹہ میں مکمل کر لیتے ہیں پھر شیخ عبدالمجید فوراً ہی مزید دس تراویح پڑھاتے تھے اس طرح روزانہ بیس تراویح میں ایک پارہ مکمل ہو جاتا ہے۔

(۲۲۳) پندرھویں صدی

بندۂ ناچیز فیصل عرض کرتا ہے کہ ۲۲ صفر ۱۴۰۵ھ تک شیخ عبدالعزیز اور شیخ عبدالمجید مدظلہما بقید حیات ہیں اور اس صدی کے گزشتہ چار سالوں میں بھی دونوں حضرات نے حسب سابق بیس تراویح ہی پڑھائی تھیں۔ اس طرح حرم مکی شریف میں بھی بیس تراویح ہی پڑھی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ تمام مسلمان بھی حرمین شریفین کی طرح رمضان المبارک میں بیس تراویح پڑھنے لگ جائیں۔ آمین

(۲۲۴) دو سوال

اس پوری تحقیق کے بعد شیخ عطیہ سالم لکھتے ہیں :

وفی نهاية هذا العرض التاريخي نستوقف القارئ الكريم لنتسائل معه هل وجد التراويح عبر التاريخ الطويل اكثر من الف عام في مسجد النبي عليه السلام منذ نشأتها إلى اليوم قد اقتصرت على ثمان ركعات أو قلت عن العشرين ركعة، ام أنها أربعة عشر قرناً وهي على هذا الحال ما بين العشرين والأربعين، وهل سمع قولاً ممن تبوؤا الدار والإيمان من قبلهم أو الذين سبقونا بالإيمان ولو من شخص واحد يقول لا تجوز الزيادة على الثمان ركعات أخذا بحديث عائشة رضى الله عنها..... وإذا لم يوجد طيلة تلك المدة من يقول لا تجوز الزيادة على الثمان ركعات ولا وجد طيلة هذه المدة من يقتصر على ثمان ركعات في مسجد رسول الله صلى الله عليه وسلم جماعةً، فإن أقل ما يقال لهؤلاء الذين لا يرون جواز الزيادة على الثمان ركعات ولا يقتصرون على أنفسهم فيما ارتأوه بل يدعون غيرهم إليه فيقال لهم إن أتباع الأمة من عهد الخلفاء الراشدين إلى اليوم وموافقة الجماعة من الصدر الأول إلى هذا العهد خير من المخالفة وخصوصاً من يصلى في المسجد ومع الإمام. (التراويح.... ص۱۰۸. ۱۰۹)

اس تفصیلی تجزیہ کے بعد ہم اپنے قراء سے اولاً تو یہ پوچھنا چاہیں گے کہ کیا ایک ہزار سال سے زائد اس طویل عرصہ میں کسی موقع پر بھی یہ ثابت ہے کہ مسجد نبویؐ میں مستقل آٹھ تراویح پڑھی جاتی تھیں؟ یا چلیں بیس سے کم تراویح پڑھنا ہی ثابت ہو؟ بلکہ ثابت تو یہ ہے کہ پورے چودہ سو سالہ دور میں بیس یا بیس سے زائد تراویح ہی پڑھی جاتی تھیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کسی صحابی یا ماضی کے کسی ایک عالم نے بھی یہ فتویٰ دیا کہ آٹھ سے زائد تراویح جائز نہیں ہیں اور اس نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو اس فتوے کی بنیاد بنایا ہو؟

الغرض جب پورے چودہ سو سالہ دور میں ایک قابل ذکر شخص بھی ایسا نہیں ملتا جس نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ آٹھ سے زائد تراویح جائز نہیں، اور نہ ہی ثابت ہوا ہے کہ مسجد نبویؐ میں باجماعت صرف آٹھ تراویح ادا کی گئی ہوں تو پھر بھی جو لوگ آٹھ تراویح پڑھنے پر مصر ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں ہم ان سے صرف اتنا عرض کر دیتے ہیں کہ خلفاء راشدین رضی اللہ

عنہم کے زمانے سے لے کر آج تک کے تمام مسلمانوں کے طرز پر تراویح پڑھنا ان کی مخالفت سے بہت بہتر ہے خصوصاً اس شخص کے لئے جو مسجد میں باجماعت تراویح پڑھے۔

(۲۲۵) ایک مخلصانہ نصیحت

رمضان جیسے بابرکت ومقدس مہینہ میں رحمت الٰہی کا لامتناہی سمندر جوش میں ہوتا ہے۔ جس میں ایک رکعت کا ثواب کم از کم ستر گنا اور ہر ایک کے اخلاص وخشوع کی مناسبت سے سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے اور اس سے بھی زائد جتنا اللہ تعالیٰ چاہیں۔ لہٰذا اس نادر فرصت میں زیادہ موتی جمع کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ورنہ یقیناً گھاٹے میں رہے گا وہ شخص جو اس وقت بھی سستی کرے، یا پھر کسی گروہی تعصب میں مبتلا ہو کر اس سعادت سے محروم رہے اور کم عدد پر اکتفاء کر کے اللہ تعالیٰ کی اس کرم نوازی سے استغناء کا ثبوت دے۔ جب کہ قیامت کے دن ایک ایک نیکی کی اہمیت ہوگی۔ اب بیس رکعت اور آٹھ تراویح کا کم از کم ثواب دیکھیں اور فیصلہ کریں۔

۲۰×۳۰ = ۶۰۰×۷۰ = ۴۲۰۰۰

۸×۳۰ = ۲۴۰×۷۰ = ۱۶،۸۰۰

تو بیس تراویح پڑھنے والے کو صرف ایک ماہ میں کم از کم بیالیس ہزار رکعات کا ثواب ملتا ہے۔ (بلکہ اس سے بھی زیادہ)

جب کہ آٹھ رکعات کا ثواب صرف سولہ ہزار آٹھ سو تک ہے، لہٰذا ہمیں زیادہ ثواب والی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

(۲۲۶) بعض شبہات کا ازالہ

گزشتہ سطور میں گزرا کہ تراویح کے معاملے میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پورے رمضان میں بیس رکعت تراویح بعد عشاء مسجد میں باجماعت پڑھتے تھے، بعض لوگ ان سب تفاصیل سے متفق ہیں لیکن تعداد تراویح کے معاملہ میں وہ حضرات صحابہ پر اعتماد کرنے کے بجائے اپنے ذاتی فہم پر اعتماد کرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ اپنے عمل کو سنت کے تابع بنائیں وہ سنت کو اپنے فہم وعمل پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً۔

شبه ۱ – عن ابی سلمة رضی الله عنه أنه سأل عائشة رضی الله عنها كيف كانت صلوة رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان قالت ما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يزيد في رمضان ولا في غيره على احدى عشرة ركعة، يصلي اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي اربعا فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم يصلي ثلاثاً فقالت عائشة يا رسول الله صلى الله عليه وسلم أتنام قبل أن توتر فقال يا عائشة إن عيني تنامان ولا ينام قلبي. (مسلم : صلاة الليل والوتر)

حضرت ابوسلمہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رمضان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کیا ہوتی تھی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں اور رمضان کے علاوہ گیارہ رکعات سے زائد تہجد نہ پڑھتے تھے۔ پہلے چار رکعات پڑھتے جن کے حسن وطول کا کیا کہنا پھر چار رکعات پڑھتے جن کے حسن وطول کا کیا کہنا پھر آپ تین رکعات وتر پڑھتے تھے۔ حضرت عائشہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ وتروں سے پہلے سوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: عائشہ رضی اللہ عنہا میری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے۔

جائزہ

اس روایت کو آٹھ تراویح کے لئے بنیاد بنانے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن یہ حدیث تراویح پر منطبق نہیں ہوتی، چونکہ

۱- تراویح صرف رمضان میں پڑھی جاتی ہے اور اس روایت میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو رمضان کے علاوہ بھی پڑھی جاتی ہے۔ الفاظ حدیث "فی رمضان ولا فی غیرہ" سے بھی واضح ہوتا ہے اور وہ تہجد ہے۔

اور چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں عبادت کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے۔ اس لئے حضرت ابوسلمہ نے پوچھ لیا کہ شاید رکعات تہجد میں بھی اضافہ فرما دیا ہو تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جواب سے واضح ہوا کہ تہجد میں آپ کا رمضان وغیر رمضان کا عمل یکساں تھا۔ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رمضان میں اہتمام کے لئے ملاحظہ ہو۔

قالت عائشة رضی الله عنها كان رسول الله صلی الله عليه وسلم يجتهد فی العشر الاواخر ما لا يجتهد فی غيره.

(مسلم : الاجتهاد فی العشر الاواخر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اتنی محنت کرتے کہ اس کے علاوہ اتنی محنت نہ کرتے۔

۲- یہ بڑی واضح حقیقت ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات سے خوب واقف تھے اور آپ کی حدیث کا صحیح فہم رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی اس حدیث کو تہجد پر ہی محمول کیا، چونکہ اگر اس سے مراد تراویح ہوتی تو حضرات صحابہ بھی یقیناً آٹھ تراویح پڑھتے، حالانکہ وہ تو بیس رکعات ادا فرماتے تھے۔

۳- اس سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ گئی کہ تراویح اور تہجد دو علیحدہ چیزیں ہیں، چونکہ حضرات صحابہؓ نے آٹھ رکعات والی تہجد کی اس حدیث کے باوجود بیس تراویح پڑھیں اگر رمضان میں تہجد تراویح ایک ہی چیز ہوتی تو حضرات صحابہ اس حدیث کی وجہ سے آٹھ تراویح پڑھتے، چونکہ وہ تو ایک ذرا سی چیز میں بھی آپ کی مخالفت نہ کرتے تھے۔ (۱)

الغرض اس حدیث کا اصل مفہوم وہ ہے جو حضرات صحابہ نے سمجھا۔ تہجد اور دوسرا مفہوم وہ ہے جو بعض لوگوں نے نکالا اور ہمیں تو بہر حال حضرات صحابہ والا مفہوم پسند ہے۔

"وللناس فيما يعشقون مذاهب"

۴- اس حدیث میں ایسی نماز کا ذکر ہے جو تنہا ہوتی تھی اور وہ تہجد ہے، تراویح تو باجماعت ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کو تراویح پر منطبق کرنا صحیح نہیں۔

---

(۱) واضح رہے کہ حضرات غیر مقلدین کے ذمہ دار علماء بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کہ تہجد اور تراویح دو علیحدہ نمازیں ہیں۔ چونکہ جب منکر حدیث عبداللہ چکڑالوی نے یہ دعویٰ کیا کہ نماز تراویح اور تہجد ایک ہی چیز ہے تو مشہور غیر مقلد عالم مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

(الف) ایسے صاف اور صحیح جواب کو پا کر بھی ان مولوی صاحب (چکڑالوی) نے قبول نہیں کیا بلکہ اس کے جواب میں بہت کوشش کی ہے جس ساری کوشش کا خلاصہ یہی ہے کہ پہلے وقت کی نماز اور پچھلے وقت کی ایک ہی ہے دو نہیں۔ یہی تراویح جو اول وقت پڑھی جاتی ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۵-اس روایت میں چار چار رکعت نماز کا ذکر ہے اور تراویح تو بالاتفاق دو دو رکعت کر کے پڑھی جاتی ہیں۔ لہٰذا اس حدیث کو تراویح پر منطبق کرنا صحیح نہیں۔

۶-اس حدیث میں تین وتروں کا بھی ذکر ہے۔ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح حضرات صحابہ کے عمل سے اور سب کچھ تو لے لیا مگر بیس کی تعداد کو چھوڑا اور آٹھ میں اپنا آرام سمجھا، اس طرح خود اس حدیث میں سے آٹھ کے عدد کو تو لے لیا اور اسی روایت میں مذکور تین وتروں کو چھوڑا اور ایک وتر کو اختیار کیا چونکہ بیس تراویح اور تین وتر بھاری ہیں۔

"وانها لكبيرة إلا على الخاشعين" اور بے شک نماز گراں ہے مگر خشوع رکھنے

(بقیہ سابقہ صفحہ) تہجد کی نماز ہے اور کوئی نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس دعویٰ پر بھی کوئی دلیل نہیں، بلکہ اس کے خلاف دلیل موجود ہے کیونکہ تہجد کے معنی ہیں نیند سے اٹھ کر نماز پڑھنا، قاموس میں ہے۔ تہجد، استیقظ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وعن ابیہا کی حدیث سے جو ذیل میں درج ہے۔ ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیرہ علی احدی عشرۃ رکعۃ۔" یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اول شب کی نماز اور آخر شب کی نماز ایک ہی ہے، بلکہ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گیارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (ثناء اللہ امرتسریؒ : اہل حدیث کا مذہب۔ ص ۹۲۔۹۳)

اس عبارت سے معلوم ہوگیا کہ منکرین حدیث چکڑالویوں کا مذہب ہے کہ تراویح اور تہجد ایک ہی نماز ہے۔ جب کہ مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ نے دلائل سے ثابت کردیا کہ تراویح اور تہجد ایک نماز نہیں ہے۔ نیز یہ کہ حدیث عائشہؓ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ تراویح اور تہجد ایک چیز ہے۔ لہٰذا ہمیں تو وہ نظریہ پسند ہے جو بقول مولانا موصوف دلائل سے ثابت ہے اور یہی اہل حدیث کا مذہب ہے، اگر کچھ لوگوں کو منکرین حدیث چکڑالویوں والا نظریہ پسند ہے جو بقول مولانا موصوف دلائل سے ثابت نہیں تو پھر یہی کہا جاسکتا ہے کہ ہر شخص کا اپنا اپنا ذوق انتخاب!

وللناس فيما يعشقون مذاهب۔

(ب) دوسرا غور طلب امر یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں تراویح کے بعد تہجد کی نماز بھی پڑھی جائے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فتاویٰ ثنائیہ کے دو سوال و جواب ملاحظہ ہوں۔

سوال : جو شخص رمضان المبارک میں عشاء کے وقت نماز تراویح پڑھ لے وہ پھر آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب : پڑھ سکتا ہے تہجد کا وقت ہی صبح سے پہلے کا ہے۔ اول شب تہجد نہیں ہوتی۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

والوں پر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خاشعین میں سے بنا دے۔(آمین)

۷-آرام پرستی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں سے آٹھ کی تعداد کو تو نکال لیا۔مگر ان آٹھ کی کیفیت کو چھوڑ دیا چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام اتنا طویل ہوتا تھا کہ قدم مبارک سوج جاتے۔ بالفرض اگر اسی حدیث کو بنیاد بنانا تھا تو پھر طویل قیام کی اس کیفیت کو کیونکر چھوڑ دیا، حالانکہ یہ کیفیت بھی تو اُسی سنت کا حصہ ہے۔

افسوس ہے مالی معاملات میں تو محنت و ترقی کا رجحان ہوتا ہے اور دین و آخرت کے معاملہ میں آرام پرستی و انحطاط کا اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں۔(آمین)

(۲۲۷) شبہ۲- آٹھ رکعات تراویح کے قائلین کا سہارا بالآخر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جو کہ علماء حدیث کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال صلی اللہ علیہ وسلم فی رمضان ثمان

(بقیہ سابقہ صفحہ) سوال : رمضان المبارک میں تراویح اور تہجد دونوں ہیں یا تہجد کے بدل تراویح؟
جواب : اگر تراویح پہلے وقت میں پڑھے تو صرف تراویح ہے۔ پچھلے وقت پڑھے تو تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔(ثناء اللہ امرتسری : فتاویٰ ثنائیہ۔ج ا۔ص ۶۸۲و ۶۵۴)

اس سے معلوم ہوا کہ

- جو شخص شروع رات میں تراویح پڑھ لے وہ آخر رات میں تہجد پڑھ سکتا ہے اور چونکہ آج کل تو سبھی لوگ رات کے شروع میں تراویح پڑھ لیتے ہیں۔ لہٰذا انہیں آخر رات میں تہجد پڑھ لینی چاہئے۔
- تہجد کا وقت رات کا آخر حصہ ہے۔
- شروع رات کی عبادت کو تہجد کے قائم مقام نہیں کہہ سکتے۔

بالفرض اگر کہیں کوئی شخص رات کے آخری حصہ میں تراویح پڑھے تو صرف وہ تہجد کے قائم مقام ہو جائے گی، لیکن مولانا امرتسریؒ اپنی کتاب ''اہل حدیث کا مذہب۔ص ۹۳'' پر قائم مقام ہونے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس آخری صورت میں تراویح تہجد کے قائم مقام ہونے سے دونوں کا ایک ہونا لازم نہیں آتا جیسے کہ جمعہ ظہر کا قائم مقام ہے لیکن دونوں ایک نہیں۔

واضح رہے کہ یہ تفصیل ذکر کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ بعض لوگ رمضان جیسے مقدس و بابرکت مہینہ میں بھی حتی الوسع عبادت سے جی چراتے ہیں۔ مثلاً بیس تراویح کے بجائے آٹھ پر اکتفا کر لیا، تین وتروں کے بجائے ایک وتر پڑھ لیا اور تراویح کے بعد تہجد کو ہضم کر لیا۔ اللہ تعالیٰ سب کو رمضان کی قدر دانی کی توفیق سے نوازیں۔ (آمین)

رکعات. (ابن خزیمة، ابن حبان)
حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں آٹھ رکعات پڑھیں۔

جائزہ

۱- یہ روایت اس قدر ضعیف و منکر ہے کہ اس سے استدلال کیا ہی نہیں جا سکتا۔ چونکہ اس میں ایک راوی عیسیٰ بن جاریہ ہے جس کی بابت ابن حجر نے نقل کیا ہے۔

قال ابو داؤد عنده مناکیره.
ابوداؤد کہتے ہیں کہ اس کے پاس منکر روایتیں ہیں۔
ذکره الساجي والعقیلي في الضعفاء.
ساجی اور عقیلی نے اس کو ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔
قال بن عدی أحادیثه، غیر محفوظة.
ابن عدی کہتے ہیں کہ اس کی حدیثیں محفوظ نہیں۔ (تہذیب التہذیب۔ حرف العین)
لہٰذا اس طرح کی روایت منکرہ موضوعہ کو دلیل بنانا صحیح نہیں۔

شب قدر

(۲۲۸) رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ایک رات "شب قدر" کہلاتی ہے، چونکہ اس ایک رات کی عبادت، ایک ہزار مہینہ کی مقبول عبادت سے بہتر ہے۔ لہٰذا، ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کی پانچ راتوں میں جاگنے والے نے یقیناً شب قدر کو پالیا۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کی قدردانی کی توفیق سے نوازیں۔ آمین

ارشاد ربانی ہے: **انا انزلناه في لیلة القدر وما ادراک ما لیلة القدر، لیلة القدر خیر من ألف شهر، تنزل الملائکة والروح فیها باذن ربهم من کل أمر سلام. هي حتی مطلع الفجر. (القدر)**
بیشک ہم نے یہ قرآن شب قدر میں اتارا ہے اور آپ کو خبر ہے کہ شب قدر ہے کیا؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے اس رات فرشتے خصوصاً جبریلؑ اترتے ہیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے۔ وہ طلوع فجر تک رہتی ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا جس میں فرمایا کہ مجھے شب قدر بتائی گئی اور پھر اس کی تعیین مجھے بھلا دی گئی ہے البتہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں اسے تلاش کرو۔
(مسلم: فضل لیلۃ القدر)

نماز تہجد

(۲۲۹) تہجد یہ ہے کہ بعد نماز عشاء کچھ دیر نیند کر کے رات کے آخری تہائی حصہ میں بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا اور آٹھ رکعات یا جتنا بھی ممکن ہو نماز پڑھنا۔ قرآن وسنت میں اس کا بڑا ثواب بتایا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاماً والذین یبیتون لربھم سجدا وقیاماً۔ (الفرقان۔ ۶۳)

اور خدائے رحمان کے خاص بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع کے ساتھ چلتے ہیں اور جب ان سے جہالت والے لوگ بات چیت کرتے ہیں تو وہ کہہ دیتے ہیں خیر۔ اور راتوں کو اپنے پروردگار کے سامنے سجدہ وقیام میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تہجد کا اہتمام کیا کرو، یہ سلف صالحین کا شیوہ ہے کہ قرب الٰہی کا سبب ہے اور خطاؤں کو مٹانے والی ہے۔ گناہ سے روکنے کا سبب ہے۔ (بیہقی: الترغیب فی قیام اللیل)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی رات کو نماز میں کھڑے ہوتے تا آنکہ آپ کے قدم سوج جاتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسا کیوں کرتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخش دیا جو ہو چکا اور جو ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ بننے کو پسند نہ کروں۔ (بخاری: تفسیر سورۃ الفتح)

(۲۳۰) تہجد کا وقت

نماز تہجد ودعا کا بہترین وقت رات کا آخری تہائی حصہ ہے۔

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال ینزل ربنا تبارک وتعالی کل لیلة إلی السماء الدنیا حین یبقی ثلث اللیل الاخر یقول من یدعونی فأستجیب له من یسألنی فأعطیه من یستغفرنی فاغفر له. (وزاد الترمذی) ولا یزال کذلک حتی یضیئ الفجر. (بخاری : الدعاء والصلوة من آخر اللیل)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا پروردگار ہر رات کے آخری تہائی حصہ میں آسمان دنیا پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور فرماتا ہے کہ کیا ہے کوئی دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے مانگنے والا کہ میں اس کو عطا کروں کون ہے طالب بخشش کہ میں اس کو بخش دوں اور طلوع فجر تک یہی کیفیت باقی رہتی ہے۔

(۲۳۱) رکعات تہجد

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت ما کان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یزید فی رمضان ولا فی غیره علی احدی عشرة رکعة یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی اربعاً فلا تسئل عن حسنهن وطولهن ثم یصلی ثلاثاً. (مسلم : صلاة اللیل والوتر)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعات سے زائد نہ پڑھتے تھے۔ آپ چار رکعتیں پڑھتے۔ جن کے حسن وطول کا کیا کہنا؟ پھر آپ چار رکعات پڑھتے جن کے حسن وطول کا کیا کہنا؟ (تہجد کی آٹھ رکعات کے بعد) پھر آپ تین رکعات وتر ادا فرماتے۔

تہجد کی رکعات چار سے لے کر بارہ تک ہیں۔ جتنا ہو سکے پڑھے اور اگر کسی کو صبح تہجد کے لئے اٹھنے کا یقین ہو تو بہتر یہ ہے کہ وتروں کو بھی صبح ہی پڑھے، ورنہ نماز عشاء کے بعد پڑھ کر سوئے۔

نماز اشراق

(۲۳۲)طلوع آفتاب سے تقریباً ۲۰ منٹ بعد، دو چار، چھ، آٹھ یا بارہ رکعت نفل پڑھنا نمازاشراق یا ضحیٰ کہلاتا ہے جس کا بہت اجروثواب منقول ہے۔

حضرت اُنس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز فجر باجماعت پڑھی اوراشراق تک مسجد ہی میں رہا پھر دو رکعات نفل نماز پڑھی تو اس کو ایک حج وعمرہ کا ثواب ملے گا۔(حسن غریب)ترمذی: ما یستحب من الجلوس۔

عن أبی ذر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصبح علی کل سلامی من أحدکم صدقة فکل تسبیحة،و کل تحمیدة صدقة و کل تهلیلة صدقة، و کل تکبیرة صدقة و أمر بالمعروف صدقة، ونهی عن المنکر صدقة، ویجزی من ذلک رکعتان یرکعهما من الضحی.

(مسلم : استحباب صلوة الضحی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر صبح تمہارے ہر جوڑ وعضو پر صدقہ واجب ہوجاتا ہےاور سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے۔الحمد اللہ کہنا بھی صدقہ ہے۔لا إلہ إلا اللہ کہنا صدقہ ہے۔اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے۔بھلائی کی ترغیب دینا بھی صدقہ ہےاور برائی سے روکنا بھی صدقہ ہےاوراشراق کی دو رکعتیں اس سب کی طرف سے کافی ہیں۔

عن معاذة أنها سألت عائشة رضی اللہ عنها کم کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یصلی صلوٰۃالضحیٰ قالت اربع رکعات ویزید ماشاء. (مسلم : استحباب صلوة الضحی)

حضرت معاذ ۃ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشراق کی نفلی نمازیں کتنی رکعت پڑھتے تھے۔انہوں نے بتایا کہ عموماً چار رکعات پڑھتے تھےاور کبھی اس سے بھی زیادہ۔

عن أبی ذر رضی اللہ عنه عن رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عن تبارک وتعالی انه قال، ابنَ آدم ارکع لی أربع رکعات من اول النهار، اکفک آخره. (حسن غریب) (ترمذی : صلاة الضحی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا ”اے ابن آدم دن کے شروع میں چار رکعات پڑھ لیا کر، میں دن کے آخر تک تیرا ذمہ دار ہوں۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا أنها كانت تصلی الضحی ثمان رکعات ثم تقول لو نشر لی أبوای ماتر کتھن۔ (مؤطامالک. صلاة الضحی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اشراق کی آٹھ رکعات پڑھا کرتی تھیں۔ پھر فرماتیں کہ اگر میرے والدین کو آرے سے چیر بھی دیا جائے تو میں یہ نہیں چھوڑوں گی۔

نماز اشراق کی بابت مختلف روایات وارد ہیں۔ نتیجتاً اس کی تعیین وتشریح میں کچھ اختلاف ہے خود نواب صدیق حسن خانؒ ان تفصیلات کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں۔

وارجح اقوال آنست کہ سنت مستحب است

(نواب صدیق حسن: مسک الختام ج۱ ص۵۵۶)

کہ راجح ترین قول یہ ہے کہ نماز اشراق مستحب ہے

(۲۳۳) مغرب وعشاء کے درمیان نوافل

مغرب وعشاء کا درمیانی وقت بہت قیمتی شمار کیا گیا ہے اس وقت کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس میں کچھ نوافل پڑھ لینا باعثِ اجر وثواب ہے۔ قرآن پاک میں ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی ہے۔

تتجافی جنوبهم عن المضاجع......الآیة (السجدة ۱۶)

ان کے پہلو سونے کی جگہ سے جدا رہتے ہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں: **انها نزلت فی ناس من أصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم كانوا يصلون مابين المغرب والعشاء.**

(ابن الجوزی :زادالمسیر ج۶ ص ۳۳۹)

یہ آیت ان صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف میں نازل ہوئی جو مغرب وعشاء کے درمیان نفلی نماز پڑھتے تھے۔

محمد بن نصر المروزی المتوفی ۲۹۴ھ نے ”قیام اللیل۔ص۵۶“ پر بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل نقل کیا ہے کہ وہ اس وقت میں نوافل پڑھتے تھے۔

(۲۴۴) نفل نمازیں بیٹھ کر پڑھنے کا جواز

نماز تہجد و اشراق اور دیگر نوافل کھڑے ہوکر پڑھنا بہتر ہیں۔ بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے مگر اس کا نصف اجر ہے

عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنه وقال حدثت أن رسول الله صلی اللہ علیه وسلم قال "صلوة الرجل قاعداً نصف الصلوة."

(مسلم : جواز النافلة قائما وقاعداً)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کا بیٹھ کر نماز پڑھنا نصف نماز کے برابر ہے۔

عن عبداللہ بن شقیق العقیلی قال سألت عائشة رضی الله عنهاعن صلوة رسول الله صلی اللہ علیه وسلم باللیل فقالت کان یصلی لیلا طویلا قائماً ولیلا طویلا قاعداً. وکان إذاقرء قائما رکع قائما واذا قرأ قاعداً رکع قاعداً. (مسلم :جواز النافلة قائما وقاعداً)

حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کیسی ہوتی تھی تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ آپؐ رات کا ایک طویل حصہ کھڑے ہوکر نماز پڑھتے اور دوسرا طویل حصہ بیٹھ کر اور اگر کھڑے ہوکر (فاتحہ وسورۃ کی) قرأت کی ہوتی تو رکوع بھی کھڑے ہوکر کرتے اور اگر بیٹھ کر قرأت کی ہوتی تو رکوع بھی بیٹھ کر کرتے۔

(۲۴۵) عیدالفطر، عیدالاضحیٰ

رمضان کے بعد عیدالفطر اور ۱۰ ذوالحجہ کو عیدالاضحیٰ مسلمانوں کی دو عیدین ہیں، یہ دونوں عیدین مسلمانوں کے لئے مسرت وشادمانی کا پیغام لاتی ہیں۔ جنہیں مسلمان بڑے جوش وخروش عقیدت واحترام سے مناتے ہیں۔ عید کی اصل روح دو رکعت نماز ہے جس میں بندہ اپنے مولیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوکر اس کے احسانات وانعامات کا شکریہ ادا کرتا ہے اور اس عہد کو تازہ کرتا ہے کہ زندگی بھر شادی وغمی کے لمحات میں یاد خدا اور خوف

خدا سے غافل نہ ہوگا اور اپنے مبدأ و مرکز اور مرجع یعنی اسلام کی تعلیمات سے ایک قدم اِدھر اُدھر نہ ہٹے گا۔

عن أنس رضی اللّٰہ عنہ قال قدم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم المدینة ولهم یومان یلعبون. فقال ما هذان الیومان؟ قالوا کنا نلعب فیهما فی الجاهلیة، فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم إن الله قد أبدلکم بهما خیراً منهما یوم الأضحی ویوم الفطر (ابو داؤد : صلاۃ العیدین)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اور اہل مدینہ نے دو دن کھیل تماشا کے لئے خاص کرر کھے تھے۔ آپؐ نے پوچھا کہ دونوں کی حقیقت کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت سے ہم نے ان دنوں کو کھیل تماشے کیلئے مختص کیا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان دنوں کے بجائے دو بہتر دن عطا فرمائے ہیں۔ عید الاضحیٰ اور عید الفطر۔

(۲۳۶) طریقہ نمازِ عیدین

طلوع آفتاب سے کچھ بعد اور زوال سے پہلے، بغیر اذان واقامت کے چھ زائد تکبیروں کے ساتھ دو رکعات نماز با جماعت پڑھی جاتی ہے۔ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تین تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں اور ہر تکبیر میں کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لئے جاتے ہیں اور امام جہراً قرأت کرتا ہے۔ پھر رکوع وسجدہ کے بعد دوسری رکعت کا آغاز قرأت سے ہوگا۔ قرأت کے بعد رکوع سے پہلے تین زائد تکبیروں میں ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ چوتھی تکبیر کے بعد رکوع اور باقی نماز مکمل کی جاتی ہے۔

گویا پہلی رکعت میں تکبیر افتتاح اور تکبیرات زائدہ کل چار تکبیریں ہوئیں۔ اس طرح دوسری رکعت میں تین تکبیرات زائدہ اور تکبیر رکوع، کل چار تکبیریں ہوئیں۔

(۲۳۷) چار تکبیریں

روی ابو داؤد بسندہ أن سعید بن العاص سأل أبا موسی الاشعری

وحذيفة بن اليمان، كيف كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يكبر في الأضحى والفطر فقال ابو موسى كان يكبر أربعاً تكبيرة على الجنائز فقال حذيفة صدق فقال ابو موسى كذلك كنت اكبر في البصرة حيث كنت عليهم. (سنن أبي داؤد : التكبير في العيدين)

ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ حضرت سعید بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی کتنی تکبیریں کہتے تھے۔ حضرت ابوموسیٰ نے بتایا کہ آپ چار تکبیریں کہتے تھے۔ جنازہ کی چار تکبیروں کی طرح۔ حضرت حذیفہ نے بھی اس بات کی تصدیق کی۔ ابوموسیٰ نے بتایا کہ میں خود بھی جب بصرہ کا گورنر تھا تو ایسے ہی کرتا تھا۔

عن عبدالله بن مسعود رضى الله عنه يقول التكبير في العيدين أربع كالصلاة على الميت وفي رواية التكبير على الجنائز أربع كالتكبير في العيدين. (طحاوى : التكبير على الجنائز كم هو؟)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عیدین کی چار تکبیریں ہیں نماز جنازہ کی طرح اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نماز جنازہ کی چار تکبیریں ہیں۔ نماز عیدین کی طرح۔

(۲۴۸) اجماع امت

امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تکبیرات جنازہ کی تعداد میں اختلاف ہوا کہ چار، پانچ ہیں یا سات؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں حضرات صحابہؓ کو جمع کر کے فرمایا کہ:۔

"إنكم معاشر أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم متى تختلفون على الناس يختلفون من بعدكم ومتى تجتمعون على أمر يجتمع الناس عليه فكأنما أيقظهم فقالوا نعم مارأيت يا امير المؤمنين فاشر علينا فقال عمر رضى الله عنه، بل أشيروا أنتم على فإنما انا بشر مثلكم فتراجعوا الأمر بينهم فاجمعوا أمرهم على أن يجعلوا التكبير على

الجنائز مثل التكبير في الأضحى والفطر أربع تكبيرات فأجمع أمرهم على ذلك. (طحاوى : التكبير على الجنائز كم هو؟)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا۔ تمہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے اور کسی مسئلہ میں تمہارے اختلاف یا اتفاق پر بعد میں آنے والوں کا اتفاق یا اختلاف مرتب ہوگا۔ اس طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اس طرف متوجہ کیا۔ حضرات صحابہ نے فرمایا کہ امیر المومنین آپ کی یہ رائے بڑی اچھی ہے۔ اس مسئلہ پر آپ اپنی رائے دیں۔ حضرت نے فرمایا بلکہ تم اپنی رائے بتلاؤ یقیناً میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ تو حضرات صحابہؓ نے باہمی غور وخوض کے بعد اس امر پر اتفاق کیا کہ جنازہ کی بھی چار تکبیریں ہیں نماز عید الاضحیٰ وعید الفطر کی چار تکبیروں کی طرح اور اس پر سب کا اتفاق ہوا۔

گزشتہ سطور سے معلوم ہوا کہ ایک اختلافی چیز تکبیراتِ جنازہ کو ایک طے شدہ چیز تکبیراتِ عیدین کے مشابہ قرار دے کر تعیین کردی گئی ہے۔

(۲۳۹) محل تکبیرات

طریقہ نماز کے ذیل میں گزرا کہ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھ کر فاتحہ سے پہلے تین تکبیریں زائد ہیں اور پھر رکوع کی تکبیر سمیت پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں ہوئیں دوسری رکعت میں فاتحہ وسورۃ کے بعد تین تکبیریں زائد کہیں اور چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع کریں۔ ملاحظہ ہو۔

عن بن مسعود رضی اللہ عنہ أنه قال في التكبير في العيدين تسع تكبيرات، في الركعة الأولى خمساً قبل القراءة وفي الركعة الثانية يبدء بالقراءة ثم يكبر أربعاً مع تكبيرة الركوع وقد روى عن غير واحد من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم نحو هذا. (ترمذى : التكبير في العيدين)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عیدین کی نماز میں نو تکبیریں یوں ہیں۔ پہلی رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے اور دوسری رکعت میں چار تکبیریں قرأت کے بعد رکوع کی تکبیر سمیت اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے

دیگر صحابہ کا بھی یہی مسلک ہے۔

(۲۴۰) خطبہ عیدین

نماز کے بعد دو خطبہ پڑھنا پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خطبہ میں وعظ و نصیحت فرماتے اور دو خطبوں کے درمیان ذرا بیٹھ جاتے۔

عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخرج یوم الفطر والأضحی إلی المصلی فأول شیء یبدء بہ الصلاۃ ثم ینصرف فیقوم مقابل الناس والناس جلوس علی صفوفھم فیعظھم ویوصیھم ویأمرھم فإن کان یرید أن یقطع بعثاً قطعہ أو یأمر بشیٔ أمر بہ ثم ینصرف .

(بخاری : الخروج إلی المصلی)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو مصلیٰ کی طرف نکلتے سب سے پہلے نماز پڑھاتے، پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو جاتے اور لوگ اپنی اپنی صفوں میں بیٹھے رہتے۔ آپ انہیں وعظ و نصیحت کرتے احکامات جاری کرتے اور اگر کسی لشکر کو روانہ کرنا ہوتا تو اسی وقت روانہ کرتے اور حکم صادر کرنا ہوتا تو حکم صادر کرتے اور پھر تشریف لے جاتے۔

عن عبداللّٰہ أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یخطب الخطبتین وھو قائم وکان یفصل بینھما بجلوس. (اسنادہ ' صحیح من طریق بشر) (ابن خزیمۃ عدد الخطب فی العیدین)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر دو خطبہ دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان فرق کے لئے ذرا بیٹھ جاتے۔

مسافر کی نماز

جب کسی شخص کا ارادہ اپنے علاقے سے اڑتالیس میل دور جانے کا ہو اور وہاں پہنچ کر تقریباً پندرہ دن قیام کا ارادہ ہو تو اپنی آبادی سے نکلتے ہی نماز میں قصر شروع کر دے تا آنکہ واپسی پر آبادی کی حدود میں داخل ہو۔ قصر کہتے ہیں چار رکعت والی نماز کو دو رکعت پڑھنا، جیسے ظہر، عصر، عشاء کی نماز ہے۔ البتہ دو یا تین رکعت والی فرض نماز میں قصر نہیں ہے جیسے فجر اور مغرب کی نماز۔ اسی طرح وتر، ارشاد ربانی ہے۔

واذا ضربتم فی الارض فلیس علیکم جناح أن تقصروا من الصلوۃ إن خفتم أن یفتنکم الذین کفروا إن الکافرین کانوا لکم عدواً مبیناً.

(النساء : ۱۰۱)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر اس باب میں کوئی مضائقہ نہیں کہ نماز میں کمی کر دیا کرو، اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے۔ بیشک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں۔

عن یعلی بن أمیۃ قال قلت لعمر بن الخطاب، لیس علیکم أن تقصروا من الصلوۃ إن خفتم أن یفتنکم الذین کفروا، فقد أمن الناس فقال عجبت مما عجبت منہ فسألت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم عن ذٰلک فقال صدقۃ تصدق اللّٰہ بہا علیکم فاقبلوا صدقتہ.

(مسلم : صلاۃ المسافرین)

حضرت یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اگر تمہیں کفار کا خطرہ ہو تو نماز میں کمی کرنے سے تم پر کوئی حرج نہیں اور اب تو لوگ کفار سے محفوظ ہیں (لہٰذا قصر کا حکم باقی ہے یا نہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے بھی اس

چیز سے تعجب ہوا تھا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارہ میں پوچھا تو آپ ؐ نے فرمایا کہ یہ سہولت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صدقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو۔

مسافت قصر

کم ازکم کتنے لمبے سفر میں قصر کی اجازت ہے اس سلسلہ کی اکثر روایات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر اڑتالیس میل یا اس سے زیادہ سفر ہو تو قصر کرے ورنہ نہیں، چونکہ اکثر روایات میں چار برد کا لفظ آتا ہے اور ایک برد بارہ میل کا ہوتا ہے۔ (مختار الصحاح للرازی)

۱۲×۴=۴۸۔ اور واضح رہے کہ ۴۸ میل کی مسافت تقریباً ۷۷½ کیلو میٹر کے برابر ہے۔

عن مالک أنّه بلغه أن عبدالله بن عباس کان یقصر الصلوة فی مثل ما بین مکة والطائف وفی مثل مابین مکة وعسفان وفی مثل مابین مکة وجدة، قال مالک وذلک أربعة برد قال مالک وذلک احب ماتقصر فیه الصلوة قال مالک لایقصر الذی یرید السفر الصلوة حتی یخرج من بیوت القریة ولایتم حتی یدخل أول بیوت القریة

(مؤطا مالک : مایجب فیه قصر الصلاة)

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ عمل معلوم ہوا ہے کہ آپ مکہ اور طائف، مکہ اور عسفان، مکہ اور جدّہ جیسے سفر میں قصر کرتے تھے۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ مسافت چار برد کی ہے اور سب سے پسندیدہ مسافت قصر یہی ہے۔ نیز فرمایا کہ بستی کی آبادی سے نکل کر قصر شروع کرے اور واپسی پر بستی میں داخل ہونے پر نماز مکمل پڑھے۔

مکہ مکرمہ سے جدہ کا فاصلہ ۷۲ کیلو میٹر ہے اور مکہ سے طائف کا فاصلہ تقریباً ۸۸ کیلو میٹر جب کہ مکہ اور عسفان کی درمیانی مسافت ۸۰ کیلو میٹر ہے۔

کان ابن عمر وابن عباس رضی الله عنهم یقصران ویفطران فی أربعة برد وهی ستة عشر فرسَخاً (بخاری : فی کم یقصر الصلاة)

حضرت عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم چار برد کے لمبے سفر میں نماز

قصر پڑھتے اور روزہ افطار کرتے اور چار برد سولہ فرسخ کے برابر ہوتے ہیں۔
(اور ایک فرسخ تین میل کا ہوتا ہے ۴ برد = ۱۶ فرسخ x ۳ میل = ۴۸ میل)

عن بن عباس رضی اللّٰه عنهما انه سئل أنقصر الصلاةَ إلی عرفةَ قال لاولٰکن الی عسفان وإلی جدة و إلی الطائف. (صححه ابن حجر) (تلخیص الجیر. ج ۲ ص ۴۶. صلاة المسافرین)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ مکہ سے عرفات تک جاتے ہوئے نماز میں قصر کرلیں؟ آپ نے فرمایا "نہیں" البتہ مکہ سے عسفان، جدہ، طائف جیسے سفر میں قصر کرسکتے ہو۔

جمہور سلف ومحدثین کا مسلک

حضرات غیر مقلدین کے معروف مفتی مولانا ابوسعید شرف الدین مسافت قصر کی بابت مختلف روایات کے ذکر وتجزیہ کے بعد فتاویٰ ثنائیہ میں لکھتے ہیں:۔
"خلاصہ یہ ہے کہ مسافتِ قصر اڑتالیس میل ہی صحیح ہے نو میل غلط ہے۔
هٰذا واللّٰه أعلم .. قال النووی قال الجمهور لایجوز القصر إلاّ فی سفر یبلغ مرحلتین، انتهی. (ص ۲۴۲) یعنی جمہور سلف ومحدثین کا مسلک اڑتالیس میل کے سفر پر قصر ہے اس سے کم پر نہیں" ثناء اللہ امرتسریؒ: فتاویٰ (ثنائیہ۔ ج ۱ ص ۴۶۲) ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ ۴۸ میل یا اس سے زائد سفر میں نمازِ قصر شروع ہوجاتا ہے اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ کے لئے رختِ سفر باندھتے تو مدینہ سے باہر ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر نماز پڑھتے۔

(۲۴۱) مدتِ قصر

دوران سفر اگر کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کی نیت کرلی تو نماز مکمل پڑھے اور اگر پندرہ دن سے کم کی نیت کی ہے تو قصر کرتا رہے اور اگر حتمی پروگرام نہ بن سکے بلکہ آج اور کل کے چکر میں پندرہ دن کی بجائے انیس دن یا مہینہ بھی قیام ہوجائے تو قصر کرتا رہے، اس لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مدتیں منقول ہیں۔ لیکن

حضرات صحابہ چونکہ اس کے اسباب وعوامل سے واقف تھے اوران کے سامنے آپ کی زندگی کا سارا عمل تھا اور خصوصاً زندگی کا آخری عمل۔اس لئے انہوں نے اس سب کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اوسط مقدار ''پندرہ دن'' متعین فرمادی۔ملاحظہ ہو:

عَن ابن عمر وابن عباس رضی اللّٰہ عنهم انهما قالا إذا قدمت وفی نفسک أن تقیم بها خمس عشر لیلة فأکمل الصلوة.

(المغنی ج۲ ص ۲۸۸ صلاۃ المسافر)

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ جب کسی جگہ تمہارا پندرہ دن ٹھہرنے کا ارادہ ہوتو نماز مکمل پڑھو۔

عن بن عمر رضی الله عنهما أنه قال من أقامَ خمسة عشر یوماً أتم الصلاةَ (ترمذی: فی کم تقصر الصلاة)

حضرت بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جوشخص پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلے وہ پوری نماز پڑھے۔

(۲۴۲)جمع بین الصلاتین

یعنی دونمازوں کو اکٹھا کر کے جیسے ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو ایک ساتھ پڑھنا اس کی دوصورتیں ہیں۔

اوّل: جمع تقدیم یا جمع تاخیر۔یعنی دوسری نماز کا وقت آنے سے پہلے نماز پڑھنا جیسے ظہر وعصر کو ظہر کے وقت میں ایک ساتھ پڑھنا یا پہلی نماز کو مؤخر کر کے دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا جیسے مغرب وعشاء کو عشاء کے وقت میں اکٹھا پڑھنا۔

دوم: جمع ظاہری۔یعنی پہلی نماز کو وقت کے آخری حصہ میں اور دوسری نماز کو وقت کے پہلے حصہ میں پڑھ لینا اس میں بظاہر دونمازیں اکٹھی پڑھی گئیں لیکن دونوں اپنے اپنے مقررہ اوقات میں پڑھی گئیں جیسے ظہر کا وقت ایک بجے سے چار بجے تک ہو اور عصر کا وقت چار بجے سے غروب آفتاب تک تو ظہر کو پونے چار بجے اور عصر کو چار بجے پڑھنا۔

(۲۴۳) جمع بین الصلاتین کا کیا حکم ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ہر ہر نماز کا وقت متعین فرمایا ہے۔اس لئے قبل از وقت نماز نہیں ہوتی اور بعد از وقت قضاء شمار ہوتی ہے۔

حتیٰ کہ میدان جنگ میں عین لڑائی کے وقت نماز خوف پڑھنے کا حکم ہے نہ یہ کہ نمازوں کو باہم جمع کر کے پڑھا جائے اور اگر لڑائی سخت ہو اور نماز میں اتنی تاخیر ہو جائے کہ اس کا وقت ہی جاتا رہے تو وہ نماز قضاء شمار ہوگی اس کو جمع تاخیر کا عنوان نہیں دیا جاسکتا۔اسی لئے غزوۂ خندق کے موقع پر جب آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہؓ کی بعض نمازوں میں تاخیر ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر افسوس کا اظہار فرمایا، اگر اس کو جمع تاخیر کا عنوان دینا ممکن ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کیفیت نہ ہوتی۔ارشاد ربانی ہے:۔

إن الصلاة كانت على المؤمنين كتاباً موقوتاً. (النساء :۱۰۳)

بے شک نماز ایمان والوں پر پابندیٔ وقت کے ساتھ فرض ہے۔

عن أبي قتادة وفيه ......ثم قال أما إنه ليس في النوم تفريط إنما التفريط على من لم يصل الصلاة حتى يجيئ وقت الصلاة الأخرى.

(مسلم:قضاء الفائتة)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیند میں گناہ نہیں، گناہ تو یہ ہے کہ کوئی شخص نماز نہ پڑھے تا آنکہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔

واضح رہے کہ جمع بین الصلوٰتین کی جتنی روایات منقول ہیں وہ جمع ظاہری کی ہیں تمام روایات کے تفصیلی تجزیہ کے بعد یہی نتیجہ نکلتا ہے۔البتہ دوران حج صرف عرفات میں جمع تقدیم (ظہر کے وقت میں ظہر وعصر) اور مزدلفہ میں جمع تاخیر (عشاء کے وقت میں مغرب وعشاء) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لہٰذا ان مقامات کے علاوہ اپنے قیاس سے نمازوں کے اوقات میں تقدیم وتاخیر کا اختیار کسی کو نہیں ہے۔حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت اس سلسلہ میں بڑی واضح ہے۔

عن عبدالله رضي الله عنه قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم

يصلي الصلوة لوقتها إلا بجمع مزدلفة و عرفات. (نسائي).

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ بروقت نماز پڑھنے کی تھی مگر مزدلفہ اور عرفات میں جمع کر کے پڑھتے تھے۔

كتب عمرؓ إلى عامل له "ثلاث من الكبائر، الجمع بين الصلوتين الا في عذر، والفرار من الزحف، والنهب. بيهقي : ذكر الأثر في أن الجمع من غير عذر.

حضرت عمرؓ نے اپنے ایک گورنر کو لکھا کہ تین گناہ بہت بڑے ہیں۔ بلا عذر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا میدان جنگ سے بھاگنا اور کسی کی چیز چھیننا۔

عن عبدالله رضى الله عنه قال مارأيت النبى صلى الله عليه وسلم صلى صلوة بغير ميقاتها إلاّ صلوتين جمع بين المغرب والعشاء وصلى الفجر قبل ميقاتها. (بخاري : كتاب الحج ،مَن يصلي الفجر بجمع)

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھا کہ آپ نے نماز کے اصلی وقت کے بغیر کوئی نماز پڑھی ہو، ہاں دو نمازیں کہ موسم حج میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب وعشاء کو جمع فرماتے اور فجر کو معمول کے وقت سے کچھ پہلے ادا فرماتے۔

(۲۴۴) جمع ظاہری

اگر سفر کی حالت میں یا کسی اور ضرورت کی وجہ سے جمع ظاہری کرنا چاہے تو اس کی اجازت ہے، چونکہ اس میں پابندئ وقت کا لحاظ رہتا ہے۔ عرفات ومزدلفہ کے علاوہ جمع بین الصلاتین کی جو روایات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں وہ جمع ظاہری کی ہیں اور اس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو جمع کیا کہ جمع ظاہری کے لحاظ سے یہ ممکن تھا۔ جب کہ آپؐ نے کبھی بھی فجر وظہر کو جمع نہیں کیا چونکہ یہاں اوقات کی رعایت نہیں رہتی۔ ملاحظہ ہو۔

عَن أنس أن النبي صلى الله عليه وسلم إذا عجل عليه السفر يؤخر الظهر إلى أول وقت العصر فيجمع بينهما ويؤخر المغرب حتى يجمع بينها وبين العشاء حين يغيب الشفق. (مسلم : جواز الجمع بين الصلاتين في السفر)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر کی جلدی ہوتی تو آپ ظہر کو عصر کے ابتدائی وقت تک مؤخر کرتے اور دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے۔ اس طرح غروب شفق تک مغرب کو مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ جمع کر کے پڑھتے۔

یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوف وسفر کے عذر کے بغیر بھی جمع ظاہری پر عمل کر لیا کہ ایک نماز کو آخری وقت میں اور دوسری کو ابتدائی وقت میں پڑھ لیا تاکہ امت کو اگر ضرورت پڑے تو وہ مشقت میں مبتلا نہ ہو۔ (۱)

عن بن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال صلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الظهرَ والعصرَ جمعاً بالمدینة فی غیر خوف ولا سفرٍ ،قال ابو الزبیر فسألت سعیداً لم فعل ذلک؟ فقال سألت بن عباس کما سألتنی فقال أراد أن لا یحرج أحداً من أمته .

(مسلم الجمع بین الصلاتین فی الحضر)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں ظہر وعصر کو ملا کر پڑھا، حالانکہ یہ کسی خطرہ یا سفر کی حالت نہ تھی۔ ابوالزبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید سے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت سعید نے جواب دیا کہ: میں نے بھی یہ بات حضرت ابن عباس سے پوچھی تھی تو انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد تھا کہ لوگ تنگی میں مبتلا نہ ہوں۔

---

(۱) مشہور غیر مقلد محقق علامہ مبارک پوریؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کی بابت فتاویٰ نذیریہ میں لکھتے ہیں:

''اس حدیث میں جمع بین الصلوٰتین سے مراد جمع صوری ہے یعنی ظہر کو اس کے آخر وقت میں اور عصر کو اس کے اول وقت میں پڑھا وعلیٰ ھذا القیاس مغرب وعشاء کو پڑھا۔ اس جواب کو علامہ قرطبیؒ نے پسند کیا ہے اور امام الحرمینؒ نے اس کو ترجیح دی ہے اور قدماء میں سے ابن الماجشون اور طحاوی نے اس کے ساتھ جزم کیا ہے اور ابن سید الناس نے اس کو قوی بتایا ہے اس وجہ سے کہ اس حدیث کے راوی ابوالشعثاء (جنہوں نے اس کو حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے) کا بھی یہی خیال ہے کہ اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہے .... علامہ شوکانیؒ نیل میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث میں جمع سے جمع صوری مراد ہونا متعین ہے۔ (محمد نذیر حسین دہلوی: فتاویٰ نذیریہ ج ۱ ص ۴۶۵)

(۲۴۵) چاند وسورج گہن کی نماز

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو برس قبل بتایا تھا کہ نظامِ فلکیات اللہ تعالیٰ کے منظم اصولوں کے تابع ہے اور سورج وچاند کا گرہن لگنا عجائبات قدرت اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ آج اللہ تعالیٰ نے سورج یا چاند کو مکمل یا جزوی طور پر تھوڑے وقت کیلئے بے نور کیا ہے۔ جب چاہے گا مکمل بے نور کردے گا اور جس طرح یہ گرہن لگانے یا ہٹانے میں کسی کا دخل نہیں اس طرح باقی کائنات میں بھی کسی کا کچھ اختیار نہیں ہے، اس لئے اللہ ہی سے مانگو اسی کے سامنے جھکو اسی سے ڈرو۔ نیز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو خصوصاً اور انسانیت کو عموماً توہم پرستی جاہلانہ افکار کی ظلمتوں سے نکال کر ایک کائناتی حقیقت سے روشناس کرایا کہ کسی کی موت وحیات کے افسوس یا خوشی میں یہ گرہن نہیں لگتا۔

اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ہر ذرہ کو اپنے منظم نظام سے منسلک کر رکھا ہے اور جب وہ خود اس نظام کے تسلسل میں ذرا سا فرق بھی ڈالتے ہیں تو موجودات پر اس کا اثر ایک منطقی عمل ہے کہ کسی کی بینائی ضائع ہوگئی، کسی کا حمل ساقط ہوگیا، کسی پر عجیب وغریب مرض کا حملہ ہوا اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں محفوظ رکھیں جس کو چاہیں مبتلا کردیں۔

اسی لئے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جونہی سورج و چاند گرہن لگے، تو خالقِ کائنات کی طرف متوجہ ہو جاؤ، دو رکعت نماز پڑھو، اور اللہ تعالیٰ سے دنیا وآخرت میں امن وسلامتی کی دعا مانگو تا آنکہ سورج وچاند اپنی طبعی حالت پر آجائیں۔

عَن أبی مسعود رضی اللہ عنہ أنّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال "إنّ الشمس والقمر لاینکسفان لموت أحد من الناس ولکنھما آیتان من آیات اللہ تعالی فإذا رأیتموہ فقوموا فصلوا.

(مسلم : النداء الصلوة الكسوف)

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک سورج و چاند کسی کی موت کی وجہ سے بے نور نہیں ہوتے۔ البتہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جب تم یہ کیفیت دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو کر نماز پڑھو۔

عن قبيصة رضي الله عنه قال كسفت الشمس ونحن إذذلک مع رسول الله صلى الله عليه وسلم بالمدينة فخرج فزعاً يجر ثوبه فصلى ركعتين أطالهما. (نسائي : صلاة الكسوف)

حضرت قبیصہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ مدینہ میں تھے کہ سورج گرہن ہو گیا۔ آپ گھبرا کر جلدی سے باہر نکلے اپنے کپڑے کو کھینچتے ہوئے اور دو رکعتیں خوب لمبی پڑھیں۔

عن النعمان بن بشير أن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا خسفت الشمسُ والقمرُ فصلوا كأحدث صلوة صليتموها .

(نسائي : صلوة الكسوف)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب سورج و چاند گرہن ہو جائے تو اس کیفیت پر نماز پڑھو جس طرح تم نے یہ آخری نماز پڑھی ہو۔ (نماز فجر کی طرح)

(۲۴۶) نماز استسقاء

استسقاء کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے بارش مانگنا۔

بارش اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جب لوگ زیادہ گناہ کرنے لگتے ہیں تو کبھی کبھی تنبیہ کے لئے اللہ تعالیٰ بارش کو روک دیتا ہے، یا کم کر دیتا ہے۔ جس کا براہِ راست اثر اس علاقہ کی زراعت، معیشت، صحت وصفائی پر پڑتا ہے یہ صرف اسی لئے کہ معاشرہ اپنا احتساب کرے اور اپنے مولیٰ کے حضور پیش ہو کر اپنے قصور کی معافی مانگ لے اور آئندہ کے لئے ارتکابِ گناہ سے باز رہنے کا عہد کر کے بارش کی دعا مانگے۔ اللہ تعالیٰ ضرور بارانِ رحمت نازل فرمائیں گے۔ استسقاء کے مختلف طریقے منقول ہیں سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ:

(۲۴۷) استسقاء کا پہلا طریقہ

دو رکعت نماز استسقاء باجماعت پڑھے اور جماعت میں سب سے نیک وصالح شخص امامت کرے نماز کے بعد خوب عاجزی وزاری سے گڑگڑا کر دعا مانگے اور نیک فال کے طور پر اپنی اوڑھنے والی چادر کا رخ بدل لے دائیں جانب کو بائیں جانب اور بائیں جانب کو دائیں جانب کر لیں کہ اے اللہ تعالیٰ تو اپنے رحمت والے بادلوں کا رخ ہماری طرف کر دے۔

عن عباد بن تیم عن عمّه قال خرج النبی صلی اللہ علیه وسلم إلی المصلی فاستسقی واستقبل القبلة وقلّب ردائه وصلی رکعتین .

(مسلم: صلوة الإستسقاء)

حضرت عباد اپنے چچا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مصلّٰی کی طرف

تشریف لائے۔ (یہ مسجد سے ایک ہزار فٹ دور کھلی جگہ تھی، فتح الباری) اور بارش کی دعا مانگی۔ قبلہ رخ ہوئے اپنی چادر کا رخ بدلا اور دو رکعت نماز پڑھی۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال خرج نبی الله صلى الله عليه وسلم يوماً يستسقى وصلى بنا ركعتين بلا أذان ولا إقامة، ثم خطبنا ودعا الله وحوّل وجهه نحو القبلة رافعا يديه ثم قلّب ردائه. فجعل الأيمن على الأيسر والأيسر على الأيمن. (ابن ماجة : ماجاء فی صلاة الإستسقاء)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم استسقاء کے لئے نکلے اور اذان و اقامت کے بغیر دو رکعت نماز با جماعت پڑھائی۔ پھر ہمیں نصیحت کی اور دعا کی۔ پھر قبلہ رو ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ پھر اپنی چادر کا رخ بدلا، دائیں طرف کو بائیں کندھے پر اور بائیں جانب کو دائیں کندھے پر کیا۔

(۲۴۸) استسقاء کا دوسرا طریقہ

خطبہ جمعہ کے دوران بارش کے لئے دعا کرنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ دوران خطبہ ایک دیہاتی شخص نے آکر بارش نہ ہونے کی شکایت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کیلئے دعا کی۔ فوراً بارش شروع ہوگئی۔ دوسرے جمعہ پھر وہی دیہاتی دوران خطبہ آیا اور عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بارش ہوگئی۔ اب رکنے کی دعا فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ "اے اللہ بارش کا رخ ٹیلوں، دیواروں اور درختوں کے جھنڈ کی طرف کردے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے بعد ہم دھوپ میں چل رہے تھے۔

(بخاری: الاستسقاء فی المسجد الجامع)

نماز حاجت

(۲۴۹) زندگی کے علمی یا عملی میدان میں کوئی مشکل درپیش ہو تو یہ کوئی عجیب نہیں، چونکہ مخلوق کی طاقت و اختیارات محدود ہیں، لہٰذا ایسی مشکلات کے حل کے لئے ہمیں ایسی ذات کا سہارا لینا ہوگا جس کے سامنے کوئی مشکل مشکل نہ ہو جس کی طاقت و

قدرت کی انتہا نہیں اور وہ صرف اللہ جل جلالہٗ کی ذات ہے جس کا کوئی شریک نہیں، چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی کو مشکلات، مصائب و پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے اور جو خود مبتلائے مشکل ہو اور اپنی مشکل کو حل نہ کر سکا ہو، وہ کسی کی مشکل کشائی کیا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو بد عقیدہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ پر حاضر ہونے کی بجائے غیروں کی درگاہوں پر جاتا ہے۔ وہ زندگی بھر یہاں وہاں اِدھر اُدھر کی ٹھوکریں کھاتا ہے اور نامراد رہتا ہے۔ واضح رہے کہ عطاء کرنے والا ہر حال میں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

لہٰذا ہر مسلمان صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا جانتا ہے اور جب کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اسی سے مدد چاہتا ہے۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نماز خشوع و خضوع سے پڑھ کر خوب عاجزی و زاری سے دعا کرلے یقیناً اللہ تعالیٰ مشکل رفع فرمائیں گے۔ ارشادِ نبوی ہے۔

عن أبي الدرداء رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال : من توضأ فأسبغ الوضوء ثُمَّ صلى ركعتين يتمهما اعطاه الله ما سأل معجلاً أو مؤجلاً. (مسند احمد)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اچھی طرح وضو کیا پھر خشوع و خضوع سے دو رکعت نماز پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے سوال کو پورا کرے گا اور جلد یا بدیر۔ (جیسے چاہے)

نمازِ تسبیح

(۲۵۰) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: اے چچا تمہیں ایک عطیہ، ہدیہ اور تحفہ نہ دوں، کیا تمہیں ایسی دس خصلتیں نہ بتادوں کہ اگر تم ان کو کرلو تو اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ معاف فرمادے۔ نئے گناہ ہوں یا پرانے، بھول کر کئے ہوں یا جان بوجھ کر چھوٹے ہوں یا بڑے، چھپ کر کئے ہوں یا ظاہراً، وہ دس خصلتیں یہ ہیں کہ تم چار رکعت نماز

پڑھو، اور ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی سورۃ پڑھ لو اور پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ یا سورۃ کے بعد کھڑے ہو کر پندرہ مرتبہ یہ پڑھو، سبحانَ اللّٰہ والحمد اللّٰہ ولا إلہ الا اللّٰہ واللّٰہ أکبر۔ پھر رکوع میں دس مرتبہ اور رکوع سے اٹھ کر دس مرتبہ پڑھو۔ پھر سجدہ میں جا کر دس مرتبہ، سجدہ سے اٹھ کر جلسہ میں دس مرتبہ، پھر سجدہ میں دس مرتبہ، پھر دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر دس دفعہ پڑھ کر کھڑا ہو۔ اس طرح ایک رکعت میں کل پچھتر کی تعداد ہوگی اور اس طرح چار رکعتیں مکمل کرو، اگر یہ چار رکعتیں روزانہ پڑھ سکو تو بہت بہتر ورنہ جمعہ میں ایک دفعہ پڑھا کرو۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ماہانہ پڑھا کرو، ورنہ سال میں ایک مرتبہ ورنہ کم از کم عمر میں ایک مرتبہ تو پڑھ ہی لو۔ (ابوداؤد : صلاۃ التسبیح)

جزء القراءۃ للبخاری: رواہ مختصراً

نماز استخارہ

(۱۵۱) جب بھی کوئی اہم کام درپیش ہو تو دو رکعت نماز نفل پڑھ کر دعائے استخارہ کرتا رہے انشاء اللہ اس کام کے کرنے یا نہ کرنے کی بابت شرح صدر ہو جائے گا۔ یہ نماز اور دعا کسی بھی مناسب وقت میں پڑھی جا سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اہتمام سے یہ عمل حضرات صحابہ کرامؓ کو بتایا کرتے تھے۔ بعض بزرگان دین کے تجربہ میں یہ بات بھی آئی ہے کہ اگر رات کو سونے سے پہلے سات دن تک یہ عمل کیا جائے تو انشاء اللہ اس دوران متعلقہ کام کی بابت خواب میں کچھ اشارہ ہو جائے گا یا پھر طبیعت کا میلان و رجحان کسی ایک طرف ہو جائے گا۔ بس اب وہی کام کرے انشاء اللہ اسی میں خیر و بھلائی ہوگی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ہر کام میں استخارہ کر لینا سکھاتے تھے۔ جیسے کہ قرآن کی سورۃ سکھاتے ہوں۔ آپ فرماتے کہ تم میں سے جب کوئی کسی اہم کام کا ارادہ کرے، تو دو رکعت نفل نماز پڑھ کر یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم إنی استخیرک بعلمک و استقدرک بقدرتک و أسالک من فضلک العظیم فانک تقدر ولا أقدر و تعلم ولا أعلم و أنت علام الغیوب، اللّٰھم إن کنت تعلم أن ھذا الامر خیر لی فی دینی ومعاشی وعاقبۃ أمری (أوقال عاجل أمری واجلہ) فاقدرہ لی ویسرہ ثم بارک لی

فیہ وإن كنت تعلم أن هذا الامر شر لي في ديني ومعاشي و عاقبة أمري (أو قال عاجل أمري وآجله) فاصرفه عني واصرفني عنه و أقدرلي الخير حيث كان ثمّ ارضني به. (بخاری : ماجاء في التطوع مثنی)

اے اللہ میں تیرے علم کی مدد سے بہتری کا طالب ہوں اور تیری قدرت کے سہارے (یہ کام کرنے کی) طاقت مانگتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا سوالی ہوں کہ قدرت تیری صفت ہے میری نہیں اور صرف تو ہی علم حقیقی رکھتا ہے میں نہیں اور تو ہی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے اے اللہ اگر تو اس کام کو (جو میں کرنا چاہتا ہوں) میرے لئے بہتر جانتا ہے میرے دین، میری زندگی، اور دنیا و آخرت میں تو اس کام کو میرے مقدر میں کر اور اسے آسان بنادے اور میرے لئے باعث برکت بنا اور اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین، میری زندگی میری دنیا و آخرت میں میرے لئے نقصان دہ ہے تو اس کام کو مجھ سے اور مجھے اس کام سے پھیر دے اور جس میں بھی میری بھلائی ہے مجھے اس کی توفیق دے اور میرے دل کو اس سے مطمئن کر۔

(دوران دعا ھٰذا الأمر کی جگہ اپنے کام کا ذکر کرے یا دل میں اس کا خیال کرے)

نماز توبہ

(۲۵۲) اللہ تعالیٰ نے انسان کو نیکی و بدی دونوں کی صلاحیتیں دی ہیں اور بھلائی و برائی کا راستہ دکھایا تاکہ عملی تمیز ہو جائے کہ کون شخص صدق دل سے رضائے الٰہی اور حصول جنت کا خواہاں ہے اور اس کے لئے عملی جدوجہد کرتا ہے اور کون شخص نفس پرستی کر کے دنیا و آخرت کی کامیابی سے اعراض کرتا ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہر شخص سے چھوٹی بڑی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ مسلمان کی شان یہ ہے کہ جب بھی کوئی غلطی یا غلطیاں ہو جائیں تو اپنے مستقبل سے ناامید نہ ہو، بلکہ توبہ کر کے پاک صاف ہو جائے کہ ماضی پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے سیدھی راہ پر قائم رہنے کا عہد کرے۔ ارشاد باری ہے۔

قل يعبادي الذين أسرفوا على أنفسهم لاتقنطوا من رحمة الله إنّ الله يغفر الذنوبَ جميعاً إنّه هو الغفور الرحيم. (الزمر: ۵۳)

آپ کہہ دیجئے میرے ان بندوں سے جو اپنے آپ پر زیادتی کر چکے ہیں کہ اللہ کی

رحمت سے ناامید نہ ہوں یقیناً اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دے گا کہ وہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وانی لغفّار لمن تاب و آمن وعمل صالحاً ثمّ اهتدیٰ. (طٰہٰ)

میں ایسے لوگوں کو بخشنے والا ہوں جو توبہ کرتے ہیں ایمان لاتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں۔

الغرض اسلام میں توبہ کا بڑا سیدھا اور آسان راستہ ہے جس کے لئے کسی واسطہ، سہارے یا سفارش کی ضرورت نہیں (یہاں ایسا کوئی تصوّر نہیں کہ جب تک پادری کے سامنے گناہوں کا اعتراف نہ کیا جائے اور مغفرت چیک پر دستخط نہ کرائے جائیں توبہ قبول نہ ہوگی اور جنت میں داخلہ نہ ہوگا۔)

بہتر ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگے۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس سے گناہ سرزد ہو جائے اور وہ اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر استغفار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی۔

(ترجمہ) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی بے جا حرکت کر بیٹھتے یا اپنے ہی حق میں کوئی ظلم کر ڈالتے ہیں تو اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو اور یہ لوگ اپنے کئے پر اصرار نہیں کرتے۔ درآنحالیکہ وہ جان رہے ہوں۔ (ابوداؤد: باب الاستغفار)

نماز جنازہ

(۲۵۳) دنیا میں ہر انسان کی زندگی طے شدہ ہے۔ مقررہ وقت پر اسے دنیا سے قبر والے گھر کی طرف منتقل ہونا ہے اس انتقال کا طبعی صدمہ میت کے احباب و اقرباء کو ہوگا۔ اس پریشانی کے عالم میں ضرورت ہے کہ ہر کام شریعت کی ہدایات کے مطابق ہو اور مبتدعانہ رسوم وقبائلی رواج سے مکمل اجتناب کیا جائے، ورنہ سب محنت اکارت جائے گی اور بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔

آخری لمحات کا مسنون عمل

(۲۵۴) جب حالات سے ظاہر ہو کہ موت قریب ہے تو گھر کے ذمہ دار حضرات کو چاہئے کہ مریض کے قریب آہستہ آہستہ آواز سے کلمہ دہرائیں تا کہ جتلائے موت کو بھی خیال آجائے اور وہ بھی پڑھ لے، واضح رہے کہ اس تکلیف دہ وقت میں اس کو پڑھنے کا حکم نہ دیں کہ شیطان اس وقت میں گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش میں ہوتا ہے۔ نیز تکلیف اور ہوش وحواس قائم نہ رہنے کے سبب کہیں وہ انکار نہ کردے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم لقنوا موتاكم لا إله الاالله. (مسلم : تلقين الموتى)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مرنے والوں کو لا إله إلا اللہ کی تلقین کیا کرو۔

عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صلی الله عليه وسلم من كان آخر كلامه لا إله إلاالله دخل الجنة. (ابو داؤد)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا آخری کلام لا إله إلاّ اللّٰہ ہوگا وہ جنت میں جائے گا۔

موت کے بعد مسنون عمل

(۲۵۵) مرنے کے بعد اگر میت کی آنکھیں کھلی ہوں تو بند کردیں۔ٹھوڑی کو پٹی سے باندھ دیں۔اعضاء کو سیدھا کر دیا جائے اور چونکہ اس وقت اللہ کے خاص فرشتے موجود ہوتے ہیں اور دعا کرنے والوں کی دعا پر آمین کہتے ہیں۔لہٰذا ان کو یا کسی کو بددعا نہ دی جائے۔نیز با آواز بلند اور مختلف لہجوں کے ساتھ رونے سے گریز کیا جائے کہ اس سے میت کو تکلیف ہوتی ہے۔

عن أم سلمة رضی اللہ عنہا قالت دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی أبی سلمة وقد شقّ بصره فأغمضه ثم قال إن الروح إذا قبض تبعه البصر، فضج ناس من أهله فقال لاتدعوا علی انفسکم إلاّ بخیر فإنّ الملائکة یؤمّنون علی ما تقولون ثم قال "اللّٰهم اغفر لأبی سلمة وارفع درجته فی المهدیین واخلفه فی عقبه فی الغابرین، واغفر لنا وله یا رب العالمین وافسح له فی قبره ونوّر له فیه.

(مسلم : باب فی اغماض المیت)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ابوسلمہ کی وفات کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ابوسلمہ کی کھلی ہوئی آنکھوں کو بند کیا اور فرمایا کہ جب روح لے جائی جاتی ہے تو آنکھ اس کو دیکھتی رہتی ہے۔پھر جب اہل وعیال کے جذبات قابو سے باہر ہونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صرف اچھی دعائیں کرو چونکہ اس وقت فرشتے بھی تمہاری دعا پر آمین کہہ رہے ہیں۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی اے اللہ ابوسلمہ کی مغفرت فرما مہدیین میں اس کے درجات بلند فرما۔اس کے بعد اس کے اہل وعیال کو اچھا جانشین عطا فرما،اے جہانوں کے ربّ ہماری اور اس کی مغفرت فرما،اس کی قبر کشادہ اور روشن کردے۔

عن عمر رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال : المیت

يعذب في قبره بما نيح عليه، وفي رواية قال إن المیت يعذب ببكاء أهله عليه. (مسلم : الميت يعذب ببكاءِ أهله)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نوحہ گری کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ گھر والوں کی رونے پیٹنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے۔

جنازہ کی نماز

(۲۵۶) جتنی جلدی ہو سکے میت کو غسل، کفن کے بعد چار تکبیروں کے ساتھ نماز جنازہ کا اہتمام کیا جائے۔ پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کر ثناء (سبحانك اللهم) یا بطور حمد وثنا سورۃ فاتحہ پڑھے۔ دوسری تکبیر کے بعد ہاتھ اٹھائے بغیر درود پڑھے اور تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا مانگے اور چوتھی تکبیر کے بعد سلام پھیر دے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال نعى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم إلى أصحابه النجاشي ثم تقدم فصفوا خلفه فكبّر اربعاً.

(بخاری : الصفوف على الجنازة)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نجاشی کی وفات کی خبر دی، پھر آپ آگے بڑھے۔ حضرات صحابہؓ نے آپؐ کے پیچھے صف بندی کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار تکبیریں کیں۔

پہلی تکبیر کے بعد حمد وثنا

(۲۵۷) نماز جنازہ دراصل میت کے لئے دعا ہے، اس دعا کی تمہید کے طور پر پہلے حمد وثنا و درود پڑھ کر مدعا پیش کیا جاتا ہے اس لئے پہلی تکبیر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھ لے اور ثنا (سبحانك اللّٰهم) پڑھے یا پھر حمد وثنا کے طور پر سورہ فاتحہ پڑھ لے (جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے پڑھا) چونکہ نماز جنازہ میں قرأت نہیں ہے (جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے) یہی وجہ ہے کہ ثنا آہستہ پڑھی جاتی ہے۔ چونکہ پوری دعا کا آہستہ کرنا ہی پسندیدہ ہے۔

عن سعيد بن أبي سعيد المقبري عن أبيه أنه سأل أبا هريرة كيف تصلي على الجنازة فقال ابوهريرة أنا لعمر الله أخبرك اتبعها من أهلها فاذا وُضعت كبرت وحمدتُ الله وصليت على نبيه ثم أقول : اللّٰهم عبدك وابن عبدك...... ۱۲.

(مؤطا مالك : مايقول المصلى على الجنازة)

حضرت سعید کے والد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نماز جنازہ کیسے پڑھتے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بخدا میں تمھیں بتاتا ہوں۔ میں اس کے گھر سے اس کے ساتھ چلوں گا۔ جب جنازہ رکھ دیا جائے تو میں تکبیر کہہ کر حمد وثنا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھ کر یہ دعا پڑھوں گا۔ اللّٰھم عبدك وبن عبدك۔ قال بن مسعود رضي الله عنه أنّ النبي صلى الله عليه وسلم لم يوقت فيها قولاً ولا قراءة۔ (المغني۔ الجنائز)

نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ میں کوئی خاص کلام یا خاص قرأت متعین نہیں فرمائی۔

دوسری تکبیر کے بعد درود شریف

(۲۵۸) ثنا کے بعد دوسری تکبیر کہے امام ومقتدی سب ہاتھ باندھے رہیں بار بار کانوں تک نہ اٹھائیں اور تکبیر کے بعد درود شریف پڑھیں۔

تیسری تکبیر کے بعد دعا

(۲۵۹) حمد وثنا وصلوٰۃ کے بعد اب تیسری تکبیر کے بعد میت کے لئے دعا پڑھے۔ ابو ابراہیم اشہلی کے والد کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ پر یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللّٰهم اغفر لحينا وميتنا وشاهدنا وغائبنا وصغيرنا و كبيرنا و ذكرنا وانثانا اللّٰهم مَن أحييتَه مِنّا فأحيه على الاسلام ومَن توفّيته منّا فتوفّه على الايمان. (مصنف عبدالرزاق : القرأة والدعاء) (ترمذى: مايقول فى الصلوة على الميت)

اے اللہ تعالیٰ ہمارے زندوں اور مردوں کو بخش دے۔ ہمارے حاضر و غائب کو بخش دے۔ ہمارے چھوٹوں بڑوں کو بخش دے۔ ہمارے مردوں عورتوں کو بخش دے اے اللہ تو ہم میں سے جس کو بھی زندہ رکھے اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو موت دے ایمان کی حالت میں موت دے۔

نابالغ میت کی دعا

(۲۶۰) اگر میت نابالغ بچہ کی ہو تو دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمارے لئے آخرت میں اجر و ثواب کا سبب بنا دے۔ (بخاری: قراءۃ فاتحۃ الکتاب علی جنازۃ)

اور چونکہ نابالغ بچہ احکام کا مکلف نہیں ہوتا لہٰذا دعاءِ مغفرت کی ضرورت نہیں بس یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم اجعله لنا فرطا واجعله لنا أجرًا وّذخراً واجعله لنا شافعاً و مشفّعاً.

اور اگر وہ میت نابالغ بچی کی ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اللّٰھم اجعلها لنا فرطاً واجعلها لنا اجرًا وذخرًا واجعلها لنا شافعةً ومشفعة.

اے اللہ اس بچہ کو ہمارا پیش رو بنا دے اور اسے ہمارے لئے باعث اجر و ذخیرہ بنا اور اسے ہماری سفارش کرنے والا بنا اور اس کی سفارش کو قبول فرما۔

چوتھی تکبیر کے بعد سلام

(۲۶۱) قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم صلوا علی النجاشی سماها صلوة لیس فیها رکوعٌ ولا سجودٌ ولا یتکلم فیها تکبیرٌ وتسلیمٌ.

(بخاری: سنة الصلوة علی الجنائز)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نجاشی پر نماز پڑھو، یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو نماز کہا ہے جس میں رکوع سجدہ نہیں ہے اور اس میں گفتگو کی اجازت بھی نہیں بس اس میں تکبیرات ہیں اور سلام پھیرنا ہے۔

رفع یدین

(۲۶۲) پہلی تکبیر کے علاوہ رفع یدین نہ کرے۔

روی ان بن عباس رضی اللّٰہ عنہما کان یرفع یدیه فی تکبیرة الاولی ثُمّ لاَ یرفع بعدو کان یکبر اربَعاً. ورَوی ذلک عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہما. (مصنف عبدالرزاق : رفع یدین فی التکبیر......)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے وہ نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے بعد میں نہیں اور کل چار تکبیریں کہتے تھے۔

خود علامہ وحید الزماں بھی یہی کہتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

ولا یرفع یدیه إلاّ فی التکبیرة الأولی. (نزول الأبرار. ج ۱. ص ۱۷۴)

نماز جنازہ میں صرف پہلی تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھائے بعد میں نہیں۔

"عَن عَائشة رضی اللّٰه عنها عنِ النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم قال لایموت أحدٌ مِن المسلمین فتصلی علیه أمة مِنَ المسلمین یبلغون أن یکونوا ماة فیشفعوا له إلاّ شفعوا فیه."

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب کوئی مسلمان فوت ہو اور اس پر ایک سو کے قریب مسلمان جنازہ پڑھیں اور اس کی مغفرت کی سفارش کریں۔ تو ان کی یہ سفارش قبول ہو گی۔

غائبانہ نماز جنازہ

(۲۶۳) اگر کوئی مسلمان ایسے علاقہ میں فوت ہو جائے جہاں اس کی نماز جنازہ ادا نہیں کی گئی، تو ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھنا مسنون ہے۔ چونکہ شاہ حبشہ نجاشی فوت ہوئے تو وہاں کوئی اور مسلمان نہ تھا لہٰذا خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز ادا فرمائی۔ ملاحظہ ہو۔

عن ابی ھریرةؓ أنّ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم نعی النجاشی فی الیوم الذی مات فِیه خَرج إلی المصلی فصف بهم و کبّر اربعاً.

(بخاری : الرجل ینعی)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کو نجاشی کے فوت ہو جانے کی خبر دی، پھر باہر نکل کر صف بندی کی اور چار تکبیریں کہہ کر

نماز پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس کا جنازہ نہ ہوا ہو اس کی غائبانہ نماز پڑھی جائے گی۔ البتہ جس کا جنازہ ہو چکا اس کی غائبانہ نماز نہیں پڑھی جائے گی چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ سے یہ عمل ثابت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ ؐ کے بہت سے جان نثار صحابہؓ دور دراز علاقوں میں فوت ہوئے لیکن آپ ؐ نے کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا۔

ابن تیمیہؒ کا تجزیہ

(۲۶۴) علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :

الصواب أنّ الغائب إذا مات ببلد لم يصل عليه فيه صلى عليه صلوة الغائب كما صلى النبى صلى الله عليه وسلم على النجاشى لأنّه مات بين الكفار ولم يصل عليه وأن من صلى عليه حيث مات لم يصل عليه صلاة الغائب، لأنّ الفرض قد سقط بصلاة المسلمين والنبى صلى الله عليه وسلم صلى على الغائب وتركه، وفعله سنة وهذا له موضع وهذا له موضع.

(زاد المعاد ج ا ص ۵۲۰)

صحیح بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے شہر میں فوت ہو جہاں اس کا جنازہ نہیں

(ا) آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس واضح سنت اور طریقہ کے باوجود پھر بھی بعض لوگ ہر موقع پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور نجاشی کے واقعہ کو بنیاد بناتے ہیں۔

تجزیہ:

(ا) نجاشی کی غائبانہ نماز اسی لئے ادا کی گئی کہ ان کا جنازہ نہیں پڑھا گیا تھا۔ لہٰذا اس واقعہ سے ایسے شخص کے غائبانہ جنازہ کا استدلال نہیں کیا جا سکتا جس کا جنازہ ہو چکا ہو، چونکہ ایک دوسرے کی حالت و کیفیت باہم مختلف و برعکس ہے۔

(۲) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس موقع پر جو کچھ کیا ہے وہاں وہی کچھ کرنا سنت ہے اور یہ تو ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے علاوہ کسی کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا لہٰذا عام حالات میں غائبانہ جنازہ حدیث سے ثابت نہیں، واضح رہے کہ اس سلسلہ میں معاویہ بن معاویہؓ کی بابت جو روایت بیان کی جاتی ہے وہ بالکل صحیح نہیں، ابن القیمؒ نے یہی لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(زاد المعاد۔ ج ا ص ۵۲۰)

پڑھا گیا تو اس کی غائبانہ نماز پڑھی جائے گی۔ چونکہ نجاشی کفار کے علاقہ میں فوت ہوئے جہاں ان کا جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ تھا۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی البتہ جس شخص کا جنازہ پڑھا جا چکا ہو اس کا غائبانہ جنازہ نہیں پڑھا جائے گا۔ چونکہ ایک نماز سے فرض پورا ہو گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسے شخص کی غائبانہ نماز نہیں پڑھی۔ جب کہ ایک اور موقع پر آپ کا غائبانہ جنازہ پڑھنا ثابت ہے۔ لہٰذا یہ دونوں عمل اپنی اپنی جگہ سنت ہیں۔ اور موقع محل کے مطابق ہر سنت پر عمل ہو گا۔

خاتمۃ الکتاب

(۲۶۵) آج یہ دل تشکر و امتنان کے جذبات سے لبریز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نماز پیمبر لکھنے کی توفیق سے نوازا جس کا علمی مواد مدینہ منورہ میں جمع کیا ترتیب و تدوین کا آغاز بیت اللہ کے سایہ میں مقام ابراہیم سے قریب ہوا۔ کچھ ابتدائی حصہ اور آخری مباحث مسجد نبوی ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر لکھے گئے۔ جس کی تکمیل آج بیت اللہ کے سایہ میں ہو رہی ہے۔ الحمد اللہ رب العالمین۔

گذشتہ صفحات سے واضح ہے کہ اس کتاب کا مرکز و محور قرآن کریم، احادیث صحیحہ، اور آثار صحابہ ہیں۔ اس سے یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ یہ نماز سنت کے عین مطابق ہے اور یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ فقہ حنفی کا مبدأ، ماخذ و مرکز قرآن و سنت و آثار صحابہ ہیں نیز بعض سطحی نظر رکھنے والوں کا یہ شبہ اور بعض علماء کا یہ مغالطہ بھی ختم ہوا کہ فقہ حنفی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کی آراء کا مجموعہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن و سنت، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم و اسلاف امت رحمہم اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ فہم سلیم عطا فرمائے اور اسلاف کی مخالفت و عداوت ان کے ساتھ بغض و کینہ رکھنے سے اور نفس پرستی سے بچائے۔ آمین

یارب العالمین، والحمدللہ رب العالمین



قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم
صلوا كما رأيتموني أصلي
البخاري

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھو (البخاری)

Waseem Graphics, 0333-4165728

مکتبہ قاسمیہ
الفضل مارکیٹ ۱۷-اُردو بازار لاہور
Ph: 042-37232536, 0321-4220554
E.mail: maktaba_qasmia@hotmail.com